ذخیرۃ الجنان
فی
فہم القرآن
افادات
شیخ الحدیث والتفسیر
رحمہ اللہ علیہ
مولانا محمد سرفراز خان صفدر
ناشر
میر محمد لقمان برادران
سٹیلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

ذخیرۃ الجنان
فی
فہم القرآن
خادم رب
افادات
امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ
نظر ثانی
www.besturdubooks.net
جمع وترتیب
مولانا علامہ زاہد الراشدی
شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
ناشر
لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن ۔ گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر سورۃ الفاتحۃ

(پہلا پارہ مکمل)

جلد ------ ۱

افادات

شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ العالی

خطیب مرکزی جامع مسجد المعروف بوہڑوالی گکھڑ گوجرانوالہ پاکستان

نام کتاب ـــــ "ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن"

ازافادات ـــــ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم

مرتب ـــــ مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

نظر ثانی ـــــ حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی

ناشر ـــــ میر محمد لقمان، برادران سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

سرورق و کتابت ـــــ محمد خاور بٹ (کاتب قرآن) کھوکھر کی، گوجرانوالہ

تعداد ـــــ گیارہ سو (۱۱۰۰)

قیمت ـــــ ۳۰۰ روپے

تاریخ طبع اوّل ـــــ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ، بمطابق مئی ۲۰۰۲ء

تاریخ طبع دوئم ـــــ شعبان ۱۴۲۷ھ بمطابق ستمبر ۲۰۰۶ء

ملنے کے پتے

- ❖ مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، مغلپورہ، گوجرانوالہ
- ❖ معارف اسلامیہ اکیڈمی، نت کلاں روڈ، گکھڑ، گوجرانوالہ
- ❖ مکتبہ مجددیہ الکریم مارکیٹ، لاہور
- ❖ والی کتاب گھر، اردو بازار، گوجرانوالہ

پیش لفظ

نحمدہٗ تبارک وتعالیٰ ونصلّی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ
آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ واتباعہٖ اجمعین

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ العزیز برصغیر پاک وہند بنگلہ دیش کو فرنگی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد میں گرفتار ہو کر مالٹا جزیرے میں تقریباً ساڑھے تین سال نظر بند رہے اور رہائی کے بعد جب دیوبند واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات اور جدوجہد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے ادبار و زوال کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک قرآن پاک سے دُوری اور دوسرا باہمی اختلافات و تنازعات اس لیے مسلم اُمہ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و مفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا یہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ تھا اور اس کے بعد جلد ہی وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مگر انکے تلامذہ اور خوشہ چینوں نے اس نصیحت کو پلّے باندھا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے نئے جذبہ و لگن کے ساتھ مصروفِ عمل ہو گئے۔ اس سے قبل حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے عظیم المرتبت فرزندان حضرت

شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن کریم کے فارسی اور اُردو میں تراجم اور تفسیریں کر کے اس خطہ کے مسلمانوں کی توجہ دلائی تھی کہ ان کا قرآن کریم کے ساتھ فہم و شعور کا تعلق قائم ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ کفر و ضلالت کے حملوں اور گمراہ کن افکار و نظریات کی یلغار سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے جب کہ حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں کی یہ جدوجہد بھی اسی کا تسلسل تھی۔ بالخصوص پنجاب میں بدعات و اوہام کے سراب کے پیچھے بھاگتے چلے جانے والے ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو خرافات و رسوم کی دلدل سے نکال کر قرآن و سنّت کی تعلیمات سے براہِ راست روشناس کرانا بڑا کٹھن مرحلہ تھا لیکن اس کے لیے جن اربابِ عزیمت نے عزم وہمت سے کام لیا اور کسی مخالفت اور طعن و تشنیع کی پروا کیے بغیر قرآن کریم کو عام لوگوں کی زبان میں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ان میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ العزیز آف واں بھچراں ضلع میانوالی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اور حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نوراللہ مرقدہٗ کے اسمائے گرامی سرِفہرست ہیں جنہوں نے اس دور میں علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر سے عام مسلمانوں کو روشناس کرانے کی مہم شروع کی جب عام سطح پر اس کا تصور بھی موجود نہیں تھا مگر ان اربابِ ہمّت کے عزم و استقلال کا ثمرہ ہے کہ آج پنجاب کے طول و عرض میں قرآن کریم کے دروس کی محافل کو شمار کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی ہے۔ جنہوں نے ۱۹۴۳ء میں گکھڑ کی جامع مسجد بوہڑ والی میں صبح نماز کے بعد روزانہ درس قرآن کریم کا آغاز کیا اور جب تک صحت نے اجازت دی۔ کم و بیش پچپن برس تک اس سلسلہ کو پوری پابندی کے ساتھ جاری رکھا۔ انہیں حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

سے اور ترجمہ و تفسیر میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علیؒ سے شرف تلمذ
اجازت حاصل ہے اور انہی کے اسلوب و طرز پر انہوں نے زندگی بھر اپنے
تلامذہ اور خوشہ چینوں کو قرآن و حدیث کے علوم و تعلیمات سے بہرہ ور کرنے
کی مسلسل محنت کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس قرآن کریم کے چار الگ الگ حلقے
رہے ہیں۔ ایک درس بالکل عوامی سطح کا تھا جو صبح نماز فجر کے بعد مسجد میں ٹھیٹھ
پنجابی زبان میں ہوتا تھا۔ دوسرا حلقہ گورنمنٹ نارمل سکول گکھڑ میں جدید تعلیمیافتہ
حضرات کے لیے تھا جو سالہا سال جاری رہا۔ تیسرا حلقہ مدرسہ نصرت العلوم
گوجرانوالہ میں متوسط اور منتہی درجہ کے طلبہ کے لیے ہوتا تھا اور دو سال میں
مکمل ہوتا تھا اور چوتھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں ۷۶ء کے بعد شعبان اور رمضان
کی تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر کی طرز پر تھا جو پچیس برس تک پابندی سے
ہوتا رہا اور اس کا دورانیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا ہوتا تھا۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس کا
اپنا اپنا رنگ تھا اور ہر درس میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور فہم کے لحاظ سے
قرآنی علوم و معارف کے موتی ان کے دامن قلب و ذہن میں منتقل ہوتے
چلے جاتے تھے۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس میں جن علماء کرام، طلبہ، جدید
تعلیم یافتہ نوجوانوں اور عام مسلمانوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے براہ راست
استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس ہزار سے زائد
بنتی ہے۔ وذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء

ان میں عام لوگوں کے استفادہ کے لیے جامع مسجد گکھڑ والا درس قرآن کریم
زیادہ تفصیلی اور عام فہم ہوتا تھا جس کے بارے میں متعدد حضرات نے خواہش
کا اظہار کیا اور بعض مرتبہ عملی کوشش کا آغاز بھی ہوا کہ اسے قلمبند کر کے شائع
کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں لیکن اس میں
سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ درس خالص پنجابی میں ہوتا تھا جو اگرچہ پورے کا

پورا ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے محفوظ ہو چکا ہے مگر اسے پنجابی سے اُردو میں منتقل کرنا سب سے کٹھن مرحلہ تھا اس لیے بہت سی خواہشیں بلکہ کوششیں اس مرحلہ پر آکر دم توڑ گئیں۔

البتہ ہر کام کا قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کی سعادت بھی قدرت خداوندی کی طرف سے طے شدہ ہوتی ہے اس لیے تاخیر در تاخیر کے بعد یہ صورت سامنے آئی کہ اب مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور برادرم محمد لقمان میر صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور تمام تر مشکلات کے باوجود اس کا آغاز بھی کر دیا ہے جس پر دونوں حضرات اور ان کے دیگر سب رفقاء نہ صرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی طرف سے بھی ہدیۂ تشکر و تبریک کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ وہ اس فرض کفایہ کی سعادت کو تکمیل تک پہنچا سکیں اور ان کی یہ مبارک سعی قرآنی تعلیمات کے فروغ، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے افادات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور ان گنت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت سے سرفراز ہو۔

یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ دروس کی کاپیاں ہیں اور درس و خطاب کا انداز تحریر سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بعض جگہ تکرار نظر آئے گا جو درس و بیان کے لوازمات میں سے ہے لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اسکو ملحوظ رکھا جائے اسکے ساتھ ہی ان دروس کے ذریعے محفوظ کرنے میں محمد اقبال آف دبئی اور محمد سرور منہاس آف گکھڑ کی مسلسل محنت کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنہوں نے اس عظیم علمی ذخیرہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے سالہا سال تک پابندی کے ساتھ خدمت سرانجام دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاءِ خیر سے نوازے۔ آمین یا ربّ العالمین

ابو عمار زاہد الراشدی
خطیب جامع مسجد مرکزی، گوجرانوالہ

یکم مارچ ۲۰۰۲ء

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "العلماء ورثۃ الانبیاء" کے مطابق تاقیامِ قیامت علماءِ حق کی ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری و ناگزیر ہے جو نسلِ انسانی کی اعتقادی اصلاح اور فکری نشو و نما کے لیے جد و جہد کرتی رہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثتِ علمی کی تقسیم کے لیے اپنی تمام جسمانی توانائیاں اور علمی و فکری صلاحیتیں صرف کردے، کیونکہ خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم ہونے کی بناء پر تمام تر تبلیغی ذمہ داریاں علماءِ حق کے کندھوں پر ہیں، اور علماءِ حق نے اپنی ان شرعی اور ملی ذمہ داریوں کو کما حقہٗ نبھا کر امتِ مسلمہ پر جو احسانِ عظیم کیا ہے وہ تاریخِ اسلامی کا ایک روشن اور سنہری باب ہے۔ علماءِ حق کے اس مقدس قافلۂ علم و عمل کا یوں تو ہر فرد گوہرِ یکتا کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کاروانِ زہد و اتقا کے کچھ میرِ کارواں ایسے بھی گزرے ہیں جو دین و ملت کے لیے اپنی ذات میں انجمن دادارہ تھے، ان کی تقریری و تحریری اور دینی و ملی خدمات اس قدر ہیں کہ ان کے پیشِ نظر بآسانی یہ فیصلہ کرنا محال ہے کہ یہ خدمات فرد کی ہیں یا جماعت کی۔

اس قافلۂ علم و عمل اور کاروانِ زہد و اتقا کے ایک میرِ کارواں عصرِ حاضر کے جید عالمِ دین، فقیہہ العصر، محدثِ اعظم پاکستان، شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی ذاتِ گرامی ہے۔ شیخ الحدیث صاحب کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، کیونکہ ان کا شمار عصرِ حاضر کی ان نابغۂ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے۔

جن کے علم و عمل، زہد و تقویٰ اور شرافت و دیانت پر بلا خوف تردد اعتماد کیا جاسکتا ہے بے لوث خدمات اور بے داغ کردار کی بنا پر وہ علمی، ادبی اور عوامی حلقوں میں یکساں طور پر ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

پیدائش: آپ ۱۹۱۴ء میں ضلع ہزارہ تحصیل مانسہرہ (موجودہ ضلع مانسہرہ) کی ایک غیر معروف بستی ڈھکی چیڑاں داخلی "کڑمنگ بالا" کے ایک متوسط گھرانہ میں جناب نور احمد خان بن گل احمد خان کے گھر پیدا ہوئے۔ قومیت کے اعتبار سے سواتی (پٹھان) ہیں۔ اس وقت غالباً کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر عزم و استقلال کی چٹان بن کر خداوندانِ ظلم و استبداد کے سامنے سینہ سپر ہو گا۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ بچہ علم و عمل کا آفتاب بن کر سرزمین ہند و پاک کو اپنی روشن کرنوں سے منور کرے گا۔ کسی کو علم نہ تھا کہ اس بچہ کے سینہ میں قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور علوم اسلامیہ کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر موجزن ہوں گے، اور ہزاروں انسان بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کے علم کے نور سے روشنی پائیں گے۔ لیکن تقدیر اس بچہ کے مستقبل پر رشک کر رہی تھی۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی، جو ناظرہ قرآن پاک اور سکول کی چند کلاسوں تک محدود تھی۔ اور گھر کے دیہاتی اور پہاڑی ماحول میں اس سے زیادہ تعلیم کا انتظام نہ تھا جس کی وجہ سے زیادہ تر وقت پہاڑی ماحول کے مطابق بھیڑ بکریاں چرانے میں گزرتا، لیکن آپ کے قلب و فکر میں تو فطرتاً اس تعلیم کے تصورات غالب تھے جس تعلیم کے ذریعے آپ نے انسانی افکار کی تسکین اور انسانی قلوب کی آبیاری کرنا تھی۔ انسانیت کو گمراہی کی تاریکیوں سے نجات دلا کر ہدایت کی روشنی سے منور کرنا تھا۔ نسل انسانی کو شرک و بدعات کی آلودگیوں سے پاک کر کے توحید و سنت کے پاکیزہ تصورات کی طرف اس کی

راہنمائی کرنا تھی۔ معاشرہ کی رسوماتِ باطلہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرکے اسکی
جگہ اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا تھی اور خداوندانِ ظلم واستبداد کو
عدل وانصاف کا پیغام دینا تھا۔

دینی تعلیم کے لیے سفر

بچپن میں ہی والدہ محترمہ اور والد محترم کا انتقال ہوگیا
اور تعلیم میں آگے بڑھنے کا بظاہر کوئی امکان باقی نہ رہا
تو کسی نیک دل بزرگ نے انہیں اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا صوفی
عبدالحمید سواتی کو دینی تعلیم کے لیے دینی مدرسہ کا رُخ کرنے کا مشورہ دیا
اور آبائی گاؤں کے قریب قصبہ بفہ میں حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے
مدرسہ میں پہنچا دیا جہاں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ، ملتان، کوئٹہ
وغیرہ کے مدارس میں درسِ نظامی کی ابتدائی کتب کی تعلیم حاصل کی، لیکن دل
ابھی ذوقِ تعلیم سے سیراب نہ ہوا، مزید تعلیم کے لیے گوجرانوالہ کی قدیم دینی درسگاہ
مدرسہ انوارالعلوم جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالقدیر
رحمہ اللہ سے مزید تعلیم حاصل کی۔ آپ کا فرمان ہے کہ میرا تعلیمی ذوق وشوق اور علمی
استعداد استاد محترم حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ کی خصوصی شفقت اور توجہ
کی مرہونِ منت ہے اور اکثر وبیشتر کتب آپ نے مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ
سے ہی پڑھیں۔ مولانا رحمہ اللہ کی ایک خصوصی شفقت آپ پر یہ بھی تھی کہ طالب علمی
کے زمانہ میں ہی جو کتب پڑھائیں۔ وہ اپنی نگرانی میں آپ سے طلبا کو پڑھواتے
یعنی مہربان اُستاد کی شفقت و توجہ اور خصوصی نگرانی میں قابل و ہونہار شاگرد اپنی علمی
فکری استعداد کی خصوصی نشوونما کے لیے تعلیم و تدریس کے ابتدائی مراحل یکساں طور
پر طے کرتا رہا۔ مہربان اُستاد کی خصوصی توجہ کے اثرات جو آپ کی تدریسی زندگی میں مؤثر
ہوئے ان کا اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جن کو ان حالات سے واسطہ پڑا ہو۔ اس
لیے جب بھی حضرت مولانا عبدالقدیر صاحبؒ آپ کے پاس تشریف لاتے تو
آپ اپنے تمام معمولات (جن کو عام حالات میں ترک کرنا تقریباً ناممکن ہوتا تھا)

ترک کر کے ہمہ وقت اُستادِ محترم کی خدمت میں مصروف رہتے۔
آپ کے برادرِ خورد حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی مدظلہ (مہتمم و بانی مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ) بھی آپ کے ساتھ زیرِ تعلیم تھے لیکن اسباق میں آپ سے دو سال پیچھے تھے۔ آپ نے تکمیل کے لیے عالمِ اسلام کی شہرۂ آفاق یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند جانا تھا لیکن شوق تھا کہ دونوں بھائی اکٹھے تکمیل کریں چنانچہ اس شوق میں تکمیل یعنی دورۂ حدیث کو دو سال کے لیے مؤخر کر دیا۔ اور اسی دوران استاد محترم کے حکم و شفقت کی تعمیل میں مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ ہی میں استادِ محترم کی زیرِ نگرانی تدریس کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ اور پھر ۱۹۴۰ء میں تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں آپ نے شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے ۱۹۴۱ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔ قیامِ دارالعلوم دیوبند کے دوران آپ نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ وغیرہم کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

سیرت و صورت کے خدّوخال:

وسعتِ مطالعہ، ذہانت و فطانت اور فکر و تدبر کے اعتبار سے بے مثل، ظاہر و باطن میں یکساں، سنجیدگی ان کی خوبی، علم ان کا کمال، عمل ان کا جمال، شرافت ان کا وقار اور سادگی ان کا شعار، گفتار اور کردار کی پختگی ان کے اسلامی افکار کی ترجمان ہے، لباس میں سادگی، انداز میں اپنائیت، چہرے پر نورانیت، افکار میں بلندی، آواز میں پستی، گفتگو میں ٹھہراؤ، ارادوں میں سختی اور عزم میں پختگی کسی دیکھنے والے کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی، کلام و طعام، نشست و برخاست اور سیرت و صورت میں دیکھنے والے کو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آتی ہے۔ زندگی عاجزانہ، چال باوقار، مزاج عارفانہ انداز ناصحانہ اور کلام عالمانہ سننے والے کی دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جاتا ہے مضبوط بدن

کی طرح عزم بھی قوی، بڑھاپے میں بھی ارادے جوان اور اس پر بیماریوں کا سیلِ رواں لیکن کوئی چیز ان کے عزم و استقلال کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

رُوحانی سلسلہ: علمی و فکری صلاحیتیں اور قابلیتیں اپنے مقام پر لیکن واردات نفسانی اور وساوس شیطانی سے پوری طرح تحفظ حاصل کرنے کے لیے کسی مرشدِ کامل کے دامانِ محبت و عقیدت سے وابستگی ضروری و ناگزیر ہے۔ جیّد و مستند اساتذہ سے تحصیل و تکمیل کے بعد آپ کو کسی مرشد کامل کی تلاش ہوئی جس کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر وہ اپنے لیے رُوحانی تسکین کا سامان فراہم کرسکیں۔ انھی دنوں پنجاب میں رئیس الموحدین، سرتاج المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب نوراللہ مرقدہٗ (واں بھچراں ضلع میانوالی) کے دورۂ قرآن کا غلغلہ مچا ہوا تھا اور ہزاروں شائقین علوم قرآنیہ اپنی پیاس بجھانے کے لیے اس دورۂ تفسیر قرآن میں شرکت کرتے۔ آپ بھی یہی شوق لے کر ان کے دورۂ تفسیر قرآن میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور دیدہ و دل ان کی اتباعِ سنت میں ڈوبی ہوئی زندگی پر نچھاور و قربان کرکے چلے آئے۔ نقشبندی سلسلہ میں ان سے بیعت کی۔ مرشدِ کامل نے بھی اپنی ایمانی فراست سے اس جوہرِ قابل کو پہچاننے میں تاخیر نہ کی۔ اور خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔

مرشدِ کامل کے ساتھ آپ کے انتہائی قلبی تعلق و محبت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب سبق کے دوران مرشدِ کامل کا نام آجائے آپ انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ مرشدِ کامل کا تذکرہ فرماتے ہیں، یعنی ہمارے حضرت نے یہ فرمایا، ہمارے حضرت نے اس کی تفسیر اس طرح کی، ہمارے حضرت نے اس کا ربط اس طرح بیان کیا، غرضیکہ آپ کے الفاظ اور انداز میں مرشدِ کامل کے ساتھ جس سچی اور والہانہ عقیدت کا اظہار نمایاں ہوتا ہے ان سے سننے والا بآسانی آپ کی دلی کیفیت کا اندازہ کرسکتا ہے۔

سلسلۂ مریدین: مرشدِ کامل سے خلعتِ خلافت حاصل ہونے کے باوجود بیعت کا سلسلہ بہت محدود پیمانہ پر رکھا ہے بلکہ اکثر و بیشتر بیعت کرنے سے انکار فرما دیتے ہیں۔ کسی کی طرف سے بیعت پر بہت زیادہ اصرار ہو تو بیعت فرماتے ہیں ورنہ انکار فرما دیتے ہیں۔ پیشہ ور پیروں کی طرح نہ لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہیں، اور نہ مریدین کی فہرستیں تیار کرتے ہیں اور بیعت کا طریقہ بھی انتہائی مختصر اور سادہ ہے۔ عام پیروں کی طرح پُرتکلف اور طویل نہیں، مثلاً بیعت کے الفاظ عموماً یہ ہوتے ہیں "میں شرک و بدعت سے توبہ کرتا ہوں اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے اجتناب کی پوری کوشش کا وعدہ کرتا ہوں، بالخصوص نماز کی پابندی کا وعدہ کرتا ہوں" یہی وہ مختصر سے الفاظ بیعت ہیں جن کے ذریعے کوئی بھی عقیدت مند آپ کے حلقۂ بیعت میں شریک ہو سکتا ہے اور اس کے بعد آپ اسے مرشدِ کامل کے ذریعے حاصل ہونے والے نقشبندی وظائف و اوراد بتلاتے ہیں اور ان کی تلقین فرماتے ہیں۔

مریدین کے ساتھ سلوک: عام پیروں کی طرح مریدین کے گھروں کا ماہانہ سالانہ چکر نہیں لگاتے۔ مریدین سے نذرانہ وصول کرنے کے لیے ان کا اجتماع طلب نہیں فرماتے حتیٰ کہ مریدین کو تحائف وغیرہ لانے سے سختی کے ساتھ منع فرماتے۔ اور ایسا کوئی ہدیہ قبول نہیں فرماتے جو ان کے علم کے مطابق مریدین کے لیے تکلف کا باعث ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے غریب اور نادار مریدین کو اپنی استطاعت کے مطابق اپنی جیب سے کرایہ اور سفر خرچ وغیرہ دیتے ہیں مریدین کی تعداد اگرچہ ہزاروں سے متجاوز ہے مگر چونکہ ان کا کوئی سالانہ اجتماع وغیرہ نہیں ہوتا اور نہ اپنے مریدین کی نمائش ان کا مقصود ہے۔ اس لیے بظاہر ان کا حلقۂ مریدین بہت قلیل معلوم ہوتا ہے۔

تعویز اور دم کی عام اجازت: آپ اپنے تعویزات اور دم کی دعاؤں کو دوسرے پیروں کی طرح سنبھال کر نہیں رکھتے بلکہ اپنے تلامذہ کو اپنے تعویزات کی عام اجازت دیتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہوتی ہے کہ تین روزے رکھیں، نماز کی پابندی کریں اور معاصی سے بچنے کی مقدور بھر کوشش کریں۔

معمولات میں استقامت: جب تک صحت نے اجازت دی اپنی ڈیوٹی اور معمول میں حتی الوسع ناغہ نہیں کرتے تھے اور نہ تاخیر کرتے تھے۔ کالج ڈیوٹی میں ایک دفعہ لڑکوں نے سوال کیا کہ آپ کبھی ناغہ بھی کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا ہاں۔ جب یہاں موجود نہ ہوں یا ایسا بخار ہو جائے جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے قاصر ہوں۔ اور واقعتاً تیز بارش میں بھی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے۔ درس کا عموماً ناغہ نہ کرتے۔ اگر باہر کہیں تبلیغی سلسلہ میں جانا ہو تو یہی شرط ہوتی کہ رات کو واپسی ہوگی تاکہ صبح کا درس اور اسباق کا ناغہ نہ ہو۔ ۱۹۵۴ء سے مدرسہ نصرت العلوم میں تدریس کے فرائض سرانجام دینا شروع کیے۔ ۱۹۷۷ء میں مدرسہ کی طرف سے آپ کو لانے اور چھوڑنے کے لیے گاڑی خریدی گئی۔ اس دوران تقریباً بائیس سال تک وہ بس یا ریل کے ذریعے سبق پڑھانے کے لیے گکھڑ سے گوجرانوالہ جاتے رہے۔ اس دوران آپ کے معمولات میں استقامت کا یہی عالم تھا۔ بسا اوقات ایسا منظر بھی دیکھنے میں آتا کہ تیز بارش کی وجہ سے طلباء یقینی چھٹی سمجھ کر کمروں میں آرام کرنے لگتے، لیکن آپ کی آمد کی اطلاع کی گھنٹی طلباء کو نیند اور آرام سے جھنجھوڑ ڈالتی۔ بے یقینی کے عالم میں کمروں سے باہر نکل کر دیکھتے تو آپ چھتری ہاتھ میں لیے مدرسہ میں موجود ہوتے۔ معمولات میں استقامت آپ کی خصوصی انفرادیت ہے۔ آج کے دور میں معمولات کی یہ استقامت تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتی۔

معمولات: وہ کون سے معمولات ہیں جن میں استقامت آپ کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ رات کو نمازِ عشاء کے بعد جلدی سو جانا آپ کا معمول ہے۔ اگر گھر میں موجود ہوں اور کوئی مجبوری (مہمانوں وغیرہ کی) نہ ہو تو اس معمول میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی صبح تہجد کے لیے بیدار ہونا، اذان کے بعد نماز سے پہلے ناشتہ کر لینا۔ نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں جانا، درس دینا اور درس سے فارغ ہو کر اسباق پڑھانے کے لیے گوجرانوالہ چلے جانا، اسباق سے فارغ ہو کر دوپہر کے وقت واپس آنا، کھانا کھا کر قیلولہ کرنا۔ ظہر کی نماز پڑھا کر بچیوں کو اسباق پڑھانا جو وقتاً فوقتاً آپ کے زیرِ درس رہتی تھیں اور گکھڑ کی بہت سی بچیوں نے آپ سے براہِ راست درسِ نظامی کے مختلف اسباق اس طرح پڑھے ہیں۔ مہمانوں کے پاس بیٹھنا اور تصنیفی کام کرنا، عصر کی نماز کے بعد اپنی (قرآن پاک کی) منزل پڑھنا، تصنیفی کام کرنا اور مقامی تعویذ کرانے والوں کے لیے تعویذ کرنا۔ نمازِ مغرب کے بعد کھانا کھانا اور تعویذ وغیرہ کرنا، نمازِ عشاء کے بعد آرام کرنا۔

جب تک صحت نے اجازت دی معمولات کا یہ تسلسل قائم رہا اور جوں جوں عمر، ضعف اور علالت میں اضافہ ہوتا گیا بتدریج ان معمولات کا متاثر ہونا بھی فطری بات تھی۔

پابندیٔ وقت: آپ کی پابندیٔ وقت ضرب المثل رہی ہے۔ نماز کے مقررہ وقت سے ایک منٹ پہلے آپ مسجد میں موجود ہوتے۔ امامت کے فرائض خود سرانجام دیتے۔ درس کے لیے نصف گھنٹہ مقرر ہے اس میں ایک منٹ کی بھی کمی دبیشی نہیں ہوتی تھی۔ اسباق میں بھی پابندیٔ وقت کا پورا لحاظ ہوتا۔ پابندیٔ وقت پر آپ ایک لطیفہ سنایا کرتے ہیں کہ استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ نے ایک دفعہ مجھے جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں درس دینے کا حکم فرمایا

میں ان کے حکم پر درس دینے کے لیے چلا گیا۔ آدھا گھنٹہ درس دیتا رہا۔ جو مضمون میں نے شروع کیا تھا وہ وقت سے دو منٹ پہلے ختم ہو گیا، لہذا میں نے درس ختم کر دیا۔ ایک آدمی فوراً بولا کہ ابھی وقت ختم ہونے میں دو منٹ باقی ہیں میں نے یہ سوچ کر کہ انہیں دین کا کافی شوق ہے ان کے اصرار پر دوسرا موضوع شروع کر دیا۔ جب وقت سے دو منٹ اوپر ہو گئے تو پھر وہ آدمی بولا کہ دو منٹ اوپر ہو گئے ہیں۔ اس سے حضرت شیخ مدظلہ کی پابندیٔ وقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایفائے عہد: تبلیغی پروگراموں کے سلسلہ میں آپ پابندیٔ وقت اور ایفائے عہد کا پورا پورا اہتمام کرتے اور حتی الوسع کوشش کرتے کہ وعدہ کے مطابق پروگرام پر پہنچیں۔ اور اس کے لیے طوفانِ باد و باراں بھی آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا۔ ضلع گوجرانوالہ میں منڈیالہ تیگہ اور فیروزوالہ سے آگے کوٹلی ناگرہ ایک بستی ہے جہاں عرصۂ دراز سے مدرسہ تعلیم القرآن قائم ہے۔ اور قاری محمد عبداللہ صاحب مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ایک عرصہ تک وہاں فی سبیل اللہ تدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں انہی کے زیرِ اہتمام وہاں تبلیغی جلسے بھی ہوتے تھے وہ ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ہمارے ہاں تبلیغی جلسہ تھا اور حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد سرفراز خان صفدر) دامت برکاتہ نے تشریف لانا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ نمازِ عصر سے قبل تیز بارش شروع ہو گئی۔ بارش کی وجہ سے کوٹلی ناگرہ دوسری بستیوں سے تقریباً کٹ جاتا تھا۔ اب تو کسی حد تک کچا راستہ موجود ہے۔ پہلے یہ بھی نہ تھا مغرب کے بعد قریبی بستیوں سے حضرت شیخ الحدیث صاحب کے عقیدت و محبت میں ڈوبے ہوئے دیوانے و پروانے موسم کی خرابی کے باوجود سینکڑوں کی تعداد میں اکٹھے ہو گئے۔ بارش اگرچہ مغرب سے پہلے ختم ہو چکی تھی لیکن راستے بند ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث صاحب کے آنے کی امید ہرگز نہ تھی لیکن

جب مغرب کے بعد بیرونی مہمانوں کو جو مختلف دیہاتوں سے آئے تھے۔ کھانا کھلانے سے فارغ ہوئے تو اچانک دیکھا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب شلوار گھٹنوں تک اٹھائے۔ کیچڑ میں بھرے ہوئے مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہوگئے، ہمیں بڑی حیرت ہوئی۔ تو ان سے معلوم ہوا کہ منڈیالہ تیگہ سے پیدل چل کے آیا ہوں۔ اور منڈیالہ تیگہ سے کوٹلی ناگرہ کا فاصلہ تین میل ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایفائے عہد اور تبلیغی خدمات کا شوق آپ کے دل میں کس قدر ہے۔

آپ پر پابندیاں: آپ کی تقریر انتہائی اصلاحی اور موثر ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود دیگر علماء کی طرح آپ پر بھی مختلف اضلاع میں داخلہ پر پابندیاں عائد ہوتی رہی ہیں اور داخلہ بند کر دیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ دورِ آمریت میں ضلع ہزارہ میں آپ کے داخلہ پر پابندی عائد ہوگئی۔ ضلع ہزارہ آپ کا آبائی علاقہ ہے۔ آپ کو پابندی کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا۔ آپ جب راولپنڈی کراس کر گئے تو مختلف مقامات پر آپ کی تلاش کے لیے پولیس بس کی تلاشی لینے لگی لیکن اتفاق سے ناواقف ہونے کی وجہ سے پولیس آپ کو شناخت نہ کرسکی۔ اور آپ اپنے مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں ساتھیوں کے مشورہ پر آپ نے اصل نام کی بجائے "کٹرمنگ استاذ" کے نام سے تقریر فرمائی، کٹرمنگ آپ کا آبائی گاؤں ہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد شہروں میں وقتاً فوقتاً آپ کا داخلہ بند ہوتا رہا۔

دیانت: آپ کی دیانت و امانت اپنوں اور غیروں کے ہاں مسلم ہے۔ شدید تر اختلافات کے باوجود آج تک آپ کی دیانت پر کوئی حرف گیری نہیں کرسکا۔ آپ کی دیانت داری کا یہ عالم ہے کہ ایک دفعہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور واپسی پر انھوں نے

آپ کو کرایہ کے لیے ایک لفافہ ہاتھ میں تھما دیا۔ آپ نے لفافہ اسی طرح جیب میں رکھ لیا۔ کیونکہ آپ کا معمول ہے کہ آپ تبلیغی سلسلہ میں کرایہ وغیرہ طلب نہیں کرتے اگر وہ خود دے دیں تو لے لیتے ہیں۔ جب واپسی پر آکر اس لفافہ کو کھولا تو اس میں پانچ سو روپے تھے آپ کو بڑی حیرت ہوئی کہ ساہیوال کی آمد و رفت کا کرایہ (اس دور میں) پینتیس روپے سے زائد نہیں۔ انھوں نے پانچ سو روپے کیسے دے دیئے؟ فوراً اسی دن خط لکھ کر انھیں مطلع کیا کہ آپ نے غلطی سے پانچ سو روپے مجھے دیئے ہیں ان کی واپسی کی صورت کیا ہوگی۔ بذریعہ بنک ڈرافٹ بھیجوں یا بذریعہ منی آرڈر چنانچہ ان کی طرف سے جواب موصول ہوا کہ واقعی ناظم صاحب نے غلطی سے پچاس کی بجائے پانچ سو روپے لفافہ میں بند کر دیئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ساڑھے چار سو روپے بذریعہ منی آرڈر فوراً واپس بھیج دیئے۔ اس واقعہ سے آپ کی دیانت کا اندازہ ہوتا ہے۔

گھریلو زندگی

گھریلو زندگی: آپ کی گھریلو زندگی بھی ایک نمونہ ہے۔ آپ نے دو شادیاں کیں دونوں بیویاں فوت ہو چکی ہیں۔ دونوں بیویوں کی زندگی تک ان کا اور ان کی اولاد کا کھانا پینا اور رہنا سہنا ایک جگہ رہا ہے۔ دونوں بیویوں اور ان کی اولاد کا باہمی اتحاد و اتفاق آپ کی خصوصی توجہ اور گھریلو کنٹرول کی زندہ مثال ہے۔ دونوں بیویوں اور ان کی اولاد کے ساتھ آپ کا مساویانہ حسن سلوک ضرب المثل ہے۔

آپ کی اولاد

آپ کی اولاد: دونوں بیویوں سے آپ کے نو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ تین بیٹے (عبدالکریم، عبدالرشید اور راشد) بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ بڑی اہلیہ سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ جبکہ چھوٹی اہلیہ سے چھ لڑکے اور ایک لڑکی ہے آپ کی تمام بیٹیوں اور بیٹوں نے قرآن کریم حفظ کیا ہے ان میں اکثر باضابطہ عالم دین ہیں اور دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

اولاد کی تربیت

اولاد کی تعلیم و تربیت میں بھی آپ نے اخلاقی و شرعی تمام ذمہ داریوں کو کما حقہ، پورا کیا ہے۔ دنیوی تعلیم صرف ضروری حد تک دلوائی ہے۔ صرف دینی تعلیم کی طرف توجہ دی ہے۔ اسی طرح اب تک آپ کے بیٹے (۱) مولانا زاہد الراشدی (۲) مولانا عبد القدوس قارن (۳) مولانا عبد الحق خان بشیر (۴) مولانا شرف الدین حامد (۵) مولانا رشید الحق خان عابد (۶) مولانا عزیز الرحمن خان شاہد (۷) مولانا منہاج الحق خان راشد درس نظامی کے فاضل ہیں اور تدریسی خدمات میں مصروف ہیں جب کہ قاری محمد اشرف خان ماجد اور قاری عنایت الوہاب خان ساجد حافظ و قاری ہیں اور قاری ماجد مرحوم ایک عرصہ تک جامع مسجد گکھڑ میں قرآن پاک کی تعلیم دیتے رہے ہیں ان کے علاوہ حضرت مدظلہ کی تینوں بیٹیاں قرآن کریم کی حافظہ ہیں اور قرآن کریم کی تعلیم دیتی ہیں منجھلی صاحبزادی جہلم کے قاری مولانا خبیب احمد عمر کی اہلیہ ہیں اور جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام کے شعبہ بنات میں دورۂ حدیث کے اسباق پڑھاتی ہیں۔

علمی و دینی خدمات

مولانا نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صرف احیائے دین کی غرض سے متعدد کتابیں تحریر کی ہیں جو بحمد اللہ کئی کئی بار طبع ہو چکی ہیں اور خواص و عام نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے۔ اور ان میں درج ٹھوس اور واضح دلائل اور معقول پیراہن اور صریح عقلی و نقلی حوالوں کی بہت ہی زیادہ قدر کی گئی ہے۔ اور ان کے معرض وجود میں آنے کو بے حد سراہا گیا ہے اور قدردان حضرات نے خوب دادِ تحسین دی ہے۔ مگر کچھ حضرات کو ان سے بعد کوفت ہوتی ہے اور ان سے خاصے سیخ پا ہوتے ہیں۔ ان مدلل کتابوں سے ان کا پریشان ہونا ایک نفسیاتی امر ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت حقہ سے شرک و بدعت اور رسم و رواج کے دبیز پردے دُور ہو جائیں۔ دین اسلام

اپنی اصلی شکل میں لوگوں کے سامنے اُجاگر ہو جائے اور محفوظ ہو جائے جس پر کاربند ہو کر دونوں جہانوں میں سرخرو ہو جائیں تو یہ ہمارے لیے سب سے بڑی سعادت ہے آخر بدعات و رسومات کی شب ظلمت اور تاریکی کب تک فضا پر چھائی رہے گی؟ حکمتِ خداوندی کے تحت آخر آفتاب ہدایت کا ظہور بھی تو ایک فطری امر ہے

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

امامت و خطابت: دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ اور اُستاذ محترم کے حکم سے انہی کی نگرانی میں تدریس شروع کر دی۔ آپ کی علمی شہرت کا چرچا سن کر گکھڑ منڈی (ضلع گوجرانوالہ تحصیل وزیرآباد) کے چند مخلص بزرگوں کی تحریک پر آپ گکھڑ تشریف لے آئے وہاں اپنی نئی علمی جدوجہد کا آغاز کیا اور جامع مسجد بوہڑ والی میں خطابت و امامت کے فرائض سنبھال لیے۔

گکھڑ منڈی میں اصلاح عوام کی جدوجہد: گکھڑ منڈی کی عمومی فضا اس وقت شرک و بدعت کی آلودگیوں کا شکار تھی۔ اور ہر طرف بدعاتِ فاسدہ اور رسوماتِ باطلہ کا دور دورہ تھا۔ پیشہ ور اور پیٹ پرست ملواؤں کی حکومت تھی ہر طرف گمراہی کے اندھیرے تھے اور عام آدمی کے لیے یہ حالت انتہائی مایوس کن تھی۔ لیکن اس مردِ درویش نے کسی چیز کی پروا کیے بغیر اصلاحِ احوال کے لیے بے لوث جدوجہد جاری رکھی۔ مسجد میں نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن پاک کا آغاز کیا۔ عوام کے دینی رجحان کا عالم یہ تھا کہ ابتدا میں آپ کے درسِ قرآن میں صرف ایک آدمی بیٹھتا اور صرف ایک آدمی کے لیے آپ پورا درس دیتے اور اس درس کے لیے باقاعدہ تیاری کرتے۔ بعض بزرگوں نے مشورہ دیا کہ جب لوگ درس میں نہیں بیٹھتے تو

آپ اتنی محنت کیوں کرتے ہیں۔ لیکن آپ کے سامنے چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے استقلال کا کامل و مکمل نمونہ موجود تھا۔ اس لیے آپ نے یہ سلسلہ ترک نہ کیا۔ اور درس قرآن دیتے رہے۔

درسِ قرآن کی مقبولیت

درسِ قرآن کی مقبولیت: آپ کا یہ عزم واستقلال بالآخر رنگ لایا اور آپ کے درسِ قرآن کا چرچا ہونے لگا۔ اور آہستہ آہستہ اس کی رونق بڑھنے لگی اور آپ نے معمول میں تبدیلی پیدا کرلی۔ ہفتہ کے پہلے تین دن (ہفتہ، اتوار، پیر) درسِ قرآن اور آخری تین دن (منگل، بدھ، جمعرات) درسِ حدیث شروع کردیا۔ اور قرآن پاک کا کئی دفعہ درس مکمل کیا۔

حدیث کی چھ مستند کتب صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ کا درس بھی مکمل کیا اور ان کے علاوہ مستدرک حاکم اور دیگر کئی کتب حدیث کا ترتیب کے ساتھ درس دیا۔ ایک دور میں آپ کے درس میں حاضری تقریباً ایک سو کے قریب افراد کی ہوتی رہی ہے۔ نمازِ فجر کے بعد کا آپ کا یہ درس قرآن وحدیث انتہائی مؤثر ثابت ہوا جس نے گکھڑ منڈی کے باشعور افراد میں دینی شعور کو پیدا کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ آپ کے خطباتِ جمعہ نے بھی عوام کی فکری واعتقادی اصلاح کا عمدہ سامان فراہم کیا۔ آپ کے خطبہ جمعہ میں ہزاروں افراد شریک ہوتے۔

اندازِ بیان

اندازِ بیان: آپ کے اندازِ بیان میں بے پناہ خوبیاں ہیں، اور اسی اندازِ بیان کی کشش اپنوں اور بیگانوں کو بے ساختہ آپ کے حلقۂ درس میں کھینچ لاتی ہے۔ آپ کا طرزِ استدلال خالص علمی اور اندازِ بیان خالص عوامی ہوتا ہے۔ گکھڑ منڈی میں آپ کی تقریر ہمیشہ پنجابی زبان میں ہوتی تھی۔ اور دیگر علاقوں اور شہروں میں اردو زبان میں۔ علمی طور پر آپ کا طرزِ استدلال اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ پیشِ نظر مسئلہ

کی تمام گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں مسئلہ پوری طرح سامعین کے ذہن میں بیٹھتا چلا جاتا ہے اور مسئلہ کا کوئی پہلو تشنہ و نامکمل نہیں رہتا۔ سامع زیر بحث مسئلہ کے بارے میں مکمل طور پر تسلی و تشفی حاصل کر کے اٹھتا ہے۔ آپ کا انداز مقررانہ نہیں بلکہ واعظانہ اور ناصحانہ ہوتا ہے۔ اور آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ مجلس میں موجود کند ذہن سے کند ذہن آدمی بھی مسئلہ کی پوری حقیقت و اصلیت کو جان لے۔ اسی طرزِ بیان کی بنا پر آپ کے خطباتِ جمعہ اور مجالس میں دیہاتی عوام کی بھی کثیر تعداد موجود ہوتی تھی آپ کا بیان بھی تعمیری اور اصلاحی ہوتا۔ تخریبی بیان سے آپ ہمیشہ گریز کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے نظریاتی مخالفین بھی آپ کا بیان سننے کے لیے آپ کے خطبۂ جمعہ اور درس میں بکثرت شریک ہوتے تھے۔ آپ کے بڑے بڑے مخالفین بھی تمام تر نظریاتی اختلافات کے باوجود آپ کی علمی حیثیت کو مُسلَّم مانتے ہیں۔

تبلیغی خدمات : ملک کے مختلف حصوں میں دینی مدارس کی سالانہ تقریبات اور دیگر تبلیغی اجتماعات میں شرکت بھی فرماتے رہے ہیں۔ بڑی بڑی کانفرنسوں میں آپ کا خطاب بڑی توجہ اور شوق سے سُنا جاتا تھا۔ عوام کے علاوہ علما حضرات بھی آپ کے بیان کو بڑے شوق سے سُنتے۔ موضوع کو اس کے تمام ضروری پہلوؤں سے نبھانا آپ کی خصوصیت ہے۔ آپ کے بیان میں فضولیات بالکل نہیں ہوتیں اور نہ موضوع سے ہٹ کر بات ہوتی ہے بلکہ موضوع سے متعلق دلائل و براہین سے مزین ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں سے اُترتا چلا جاتا ہے۔ اور موضوع کا ہر پہلو ذہن نشین ہوتا چلا جاتا ہے

ظرافت : طبیعت میں ظرافت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ تقاریر میں بسا اوقات ظرافت کا یہ عنصر سامعین کو بے حد محظوظ کرتا ہے۔ لیکن عام پیشہ ور مقررین کی طرح آپ کی ظرافت خلافِ حقیقت اور خلافِ واقعہ نہیں ہوتی۔ بلکہ

اس ظرافت میں بھی آپ پورا مسئلہ سمجھا دیتے ہیں۔
ایک دفعہ جمعہ کی تقریر میں ایک شخص نے چٹ لکھی کہ جیب میں اگر تصویر ہو تو نماز ہوتی ہے یا نہیں۔ آپ نے ازراہ مزاح فرمایا کہ جس کو شبہ ہو وہ اپنی جیب میں سے وہ تمام نوٹ جن پر بانیٔ پاکستان کی تصویر ہے وہ مجھے دیدیں سامعین اس مزاح پر کافی محظوظ ہوئے اور مسئلہ بھی سمجھ آگیا۔ پھر آپ نے مسئلہ کی وضاحت فرمائی کہ تصویر بنوانا۔ اپنے مقام پر بہت بڑا گناہ ہے۔ بغیر کسی عذر اور مجبوری کے تصویر بنوانا جائز نہیں۔ مثلاً حج، پاسپورٹ، امتحان وغیرہ کے لیے اور شناختی کارڈ کے لیے بھی تصویر بنوانا مجبوری ہے۔ لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے تصویر جیب میں ہو اور سامنے نظر نہ آتی ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔

زیرِ تربیت اساتذہ کے لیے درسِ قرآن: گکھڑ منڈی میں زیر تربیت اساتذہ کے لیے عرصہ دراز سے ایک کالج قائم ہے جس کا نام پہلے گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ تھا۔ اور بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے گورنمنٹ ایلیمنٹری آف دی ٹیچرز کالج رکھا گیا۔ جس میں پی۔ ٹی۔ سی اور سی۔ ٹی اور او۔ ٹی اور ایس وی کی کلاسیں ہیں ان کلاسوں کے زیرِ تربیت اساتذہ کے لیے ۱۹۴۳ء میں کالج کے پرنسپل صاحب ملک عبد الحمید مرحوم نے اپنے دینی جذبہ اور مذہبی رجحان کی وجہ سے مستقل درس قرآن کا فیصلہ کیا۔ اور اس نیک مقصد کے لیے ان کی نظرِ انتخاب بھی آپ پر پڑی چنانچہ ان کی پُرخلوص تحریک پر آپ نے ۱۹۴۳ء میں درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اگرچہ اس درس کا سلسلہ ملک عبد الحمید مرحوم کی ذاتی دلچسپی اور توجہ کا مرہونِ منت تھا۔ لیکن آپ کے عالمانہ طرزِ بیان اور محققانہ طرزِ استدلال کی وجہ سے اس درس قرآن کی خوب شہرت ہوئی۔ اور اس شہرت کی وجہ سے ملک عبد الحمید مرحوم کے بعد بھی درس کا یہ سلسلہ مستقل جاری رہا۔ اگرچہ بعض متعصب پرنسپلوں نے مسلکی اختلافات کی بنا پر اپنے انتظامی دور میں اس سلسلۂ درس کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے

مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس درسِ قرآن کے سلسلہ میں جن پرنسپلوں نے پوری توجہ اور کوشش سے دلچسپی لی ان میں ملک عبدالحمید مرحوم کے علاوہ میاں عزالدین اور میاں منیر احمد کے نام نمایاں ہیں۔

یہ زیرِ تربیت اساتذہ چونکہ فراغت کے بعد ملازمت کے سلسلہ میں ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں پھیل جاتے ہیں۔ اس لیے ملک بھر کے جن تعلیمی اداروں میں بھی اس درسِ قرآن میں شریک ہونے والے اساتذہ پہنچے وہیں وہیں اس درس کے حوالہ سے صاحبِ درس کی علمیت کا چرچا ہوتا چلا گیا۔ اور علمی حلقوں میں اسی درسِ قرآن کو بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس علمی شہرت کی بنا پر پرنسپل مرزا نثار عرف (لسّان و الی سرکار) نے محض مسلکی اختلاف کی بنا پر اس سلسلۂ درس کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی حالانکہ اس درسِ قرآن میں نہ تو آپ اختلافی مسائل پر معاندانہ انداز میں بحث کرتے ابتدائی دور میں صرف پندرہ روپے ملتے تھے۔ آخر میں پچاس اس سے زیادہ نہیں ہوئے۔ آخری سالوں میں پرنسپل مذکور نے یہ بھی بند کر دیا اور کئی سال درس مفت ہوتا رہا۔ جب گھٹنوں کی تکلیف شروع ہوئی تو موقوف کر دیا اور یہ یاد رہے کہ یہ درس چالیس سال ہوتا رہا۔ آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کی یہ خدمات سراسر رضائے الٰہی کے لیے تھیں۔ کوئی دنیوی مفاد ان کے پیشِ نظر نہیں تھا۔ اور پھر کالج آپ کے گھر سے تقریباً ایک میل دور ہے اس چالیس سال کے عرصہ میں گرمیوں میں عصر کے بعد اور سردیوں میں عشاء کے بعد کا یہ درس ان کی مستقل مزاجی کی بیّن دلیل ہے جبکہ ان کے پاس سواری کا بھی کوئی انتظام نہیں ایک میل پیدل جانا اور ایک میل پیدل آنا محض درسِ قرآن کے لیے آپ کے خلوص اور اہلیت کا کھلا ثبوت ہے۔ جب تک جسمانی صحت نے اجازت دی۔ یہ سلسلہ جاری رہا مگر معذوری بڑھ جانے پر مجبوراً اسے منقطع کرنا پڑا۔

تدریسی خدمات

: گکھڑ منڈی میں آپ نے ابتداءً ہی اپنے تعلیمی ذوق کے مطابق تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس دوران بیس پچیس طلباء عموماً آپ کے

زیر درس رہتے تھے۔

۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء میں آپ کا تقرر مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں ہوا۔ اور اس وقت سے ۲۰۰۱ء تک وہاں مسلسل تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ درس نظامی کی کم و بیش سبھی کتابیں بار بار پڑھائیں اور خاص طور پر بخاری شریف، ترمذی شریف اور ترجمہ قرآن کریم مع تفسیر تو سالہا سال تک آپ کے زیر درس رہا

دورۂ تفسیر قرآن: ۱۹۷۶ء میں بھٹو گورنمنٹ نے مدرسہ نصرۃ العلوم اور اس سے متصل جامع مسجد نور کو محکمہ اوقاف کی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا تو ارباب مدرسہ نے اس کے خلاف باقاعدہ احتجاجی تحریک کا اعلان کر دیا۔ چھ ماہ کی اس مسلسل تحریک میں تین سو کے قریب افراد گرفتار ہوئے جن میں آپ کے تین صاحبزادے مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالقدوس قارن اور حافظ عبدالحق خان بشیر بھی شامل ہیں۔ اسی تحریک کے دوران مدرسہ کی سالانہ چھٹیاں ہوگئیں۔ کسی بھی مدرسہ کی حفاظت کے لیے مدرسہ کے طلباء ایک مستحکم اور مضبوط قوت ہوتے ہیں سالانہ تعطیلات کی وجہ سے جب خالی مدرسہ پر جبری قبضہ کا اندیشہ پیدا ہوا تو دانشوران مدرسہ نے سالانہ تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر قرآن کا اعلان کر دیا تاکہ ان سالانہ تعطیلات کے دوران بھی مدرسہ طلبائ سے خالی نہ رہے۔ چنانچہ اس مجبوری کے تحت آپ نے دورۂ تفسیر قرآن کا آغاز فرمایا۔ جسے بعد میں اس کی علمی اہمیت کی بناء پر مستقل طور پر جاری کر دیا گیا جو کم و بیش پچیس برس جاری رہا اور اس میں ہر سال تقریباً تین سو سے پانچ سو تک طلباء شامل ہوتے رہے۔ ان میں اکثر و بیشتر فارغ التحصیل علماء ہوتے تھے۔ چونکہ یہ تقریباً دو ماہ کا مختصر کورس ہوتا تھا۔ اس لیے اس میں جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی بکثرت شامل ہو جاتے تھے آپ کا انداز تفسیر بعینہ اپنے شیخ حضرت مولانا حسین علی صاحب جیسا ہے۔ ربط آیات اور ردّ شرک و بدعات کی جو اہمیت و انفرادیت آپ کے شیخ

کا خاصا تھا۔ وہی طرز یہاں بھی موجود تھی۔

تفسیر قرآن کی عصری ضرورت

: یوں تو قرآن پاک کی بے شمار تفسیریں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ لیکن آپ کا تفسیر قرآن کا منفرد انداز اس بات کا متقاضی ہے کہ اس طرز پر تفسیر قرآن لکھی جائے۔ آپ اگر خود یہ کارنامہ سرانجام دیتے تو بہتر تھا کیونکہ آپ کے قلم میں خدا تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی ہے۔ لیکن مصروفیات کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا البتہ آپ کے فرزند مولانا عبدالقدوس قارن نے آپ کے ترجمہ قرآن کریم اور اس کی تفسیر کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے محفوظ کر لیا اور اسے صفحہ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں۔ حوالہ جات کے اصل مآخذ کی طرف رجوع کی وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے۔ مکمل ہونے پر یہ علمی تحفہ بھی قارئین کے سامنے آجائے گا۔

آپ کے فتاویٰ

: فتویٰ نویسی ایک مستقل فن ہے جو اہم بھی ہے اور نازک بھی۔ اگرچہ گزشتہ صدی میں فتویٰ نویسی کا قلمدان بہت سے ناتجربہ کار یا ناعاقبت اندیش ہاتھوں میں چلا گیا۔ جس کی وجہ سے عرب و عجم کی پوری اُمت مسلمہ فتویٰ کفر و ارتداد کے ثقیل پتھر کے نیچے کراہنے لگی۔ فتویٰ نویسی انتہائی دشوار کام ہے جس میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھ کر فتویٰ دینا ہوتا ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق اگر ایک لفظ کے سو معنی ہوں۔ ایک اسلام کا اور ننانوے کفر کے تو اس لفظ کے استعمال کرنے والے پر اس وقت تک فتویٰ کفر نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ اپنی مراد معنی کفر سے معین واضح نہ کر دے فتویٰ نویسی میں تو حتی الامکان آدمی کو کفر سے بچانے کی کوشش کی جاتی ہے حتیٰ کہ یہ اصول ہے کہ اگر کسی نے ایسا جملہ استعمال کیا ہے جو بظاہر کفریہ ہے لیکن اس کی تاویل ہو سکتی ہے تو اس پر فتویٰ کفر نہ دیا جائے گا۔

فتویٰ نویسی جیسے دشوار ترین کام میں بھی آپ کا قلم اپنے اکابر و اسلاف کے

نقشِ قدم میں راہِ اعتدال سے نہیں ہٹا۔ آپ مدرسہ نصرۃ العلوم میں صدر مفتی بھی رہے ہیں اور ملک بھر کے علمی و تحقیقی حلقوں میں آپ کے فتاویٰ کو خاص قدر و منزلت اور اہمیت حاصل ہے۔ ملک بھر کے بڑے بڑے مفتیانِ کرام بھی اپنے فتاویٰ پر آپ کے تائیدی و تصدیقی دستخط کروانے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں۔ اگرچہ آپ کی دیگر مصروفیات کی بنا پر مدرسہ نے دو مفتی رکھے ہوئے ہیں لیکن بڑے بڑے اور اہم فتوے پھر بھی آپ کی طرف سے جاری ہوتے رہے ہیں۔

سیاست کے میدان میں: مزاجاً آپ اگرچہ سیاسی نہیں ہیں لیکن اپنے اکابر و اسلاف سے گہرے تعلق و ربط کی بنا پر سیاست سے دلچسپی ضرور رکھتے ہیں۔

۱۹۴۰ء میں جب آپ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے تو فرنگی دور تھا۔ تحریکِ آزادی عروج پر تھی۔ انگریزی حکومت نے آپ کے استادِ محترم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو گرفتار کر لیا۔ مولانا مدنی کی رہائی کے لیے دارالعلوم دیوبند کے طلباء کا جو پہلا احتجاجی جلوس نکالا گیا اس کی قیادت آپ نے کی۔ فراغت کے بعد تدریسی مشاغل کی وجہ سے آپ عملاً سیاست سے کنارہ کش رہے۔

۱۹۵۶ء میں جب جمعیت علماء اسلام کے دوسرے دور کا آغاز ہوا تو آپ بھی ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی تحریک کے لیے جمعیت میں شامل ہو گئے اور عرصۂ دراز تک جمعیت کے مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن اور ضلع گوجرانوالہ کے امیر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔

۱۹۶۸ء میں جمعیت کے وفد کے ساتھ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کا دورہ کیا۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں خود تو تدریسی مصروفیات کی بنا پر حصہ نہ لیا۔ لیکن جمعیت کے منتخب کردہ امیدواروں کی تائید و حمایت میں بھرپور کردار

ادا کیا۔ ۱۹۷۳ء کی تحریک سول نافرمانی (بحالیٔ جمہوریت) میں گرفتاری کے لیے کارکن مہیا کرنے میں بھی آپ نے بھرپور کوشش کی۔ چنانچہ اس تحریک میں آپ کے خصوصی تلامذہ قاری محمد یوسف عثمانی اور قاری عبدالقدوس عابد نے گرفتاریاں پیش کیں اور ظلم و بربریت کا نشانہ بنے۔

۱۹۷۳ء کے سیلاب زدگان کے لیے جماعتی سطح پر آپ نے امدادی رقوم اور ضروریاتِ زندگی کی اشیاء فراہم کیں۔ ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں بھی آپ نے مجلسِ عمل تحفظ ختمِ نبوت کے پلیٹ فارم پر خدمات سرانجام دیں۔

۱۹۷۵ء میں جمعیت علماءِ اسلام نے شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں آل پاکستان نظامِ شریعت کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ تو بھٹو حکومت نے شیرانوالہ باغ میں کانفرنس کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے یہ کانفرنس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں منعقد ہوئی۔ حکومت نے سیاسی انتقام کے طور پر مدرسہ نصرت العلوم اور اس سے ملحقہ جامع مسجد نور کو اوقاف کی تحویل میں لینے کا اعلان کر دیا۔ اس وقت کے صوبائی وزیر اوقاف رانا محمد اقبال نے اپنی تمام سیاسی و حکومتی سرگرمیاں اس مقصد کے لیے وقف کر دیں۔ ادھر جمعیت علماءِ اسلام نے شہر کے نوجوان سیاسی راہنما نوید انور نوید کی سربراہی میں ایکشن کمیٹی تشکیل دے دی اور باقاعدہ تحریک کا آغاز کر دیا۔ تین سو کے قریب افراد گرفتار ہوئے۔ اس تحریک میں بھی آپ نے پوری پوری سرپرستی کی اور آپ کے تین بیٹے مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالقدوس قارن اور مولانا عبدالحق خان بشیر اس تحریک میں گرفتار ہوئے جو تقریباً چار ماہ تک ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں زیرِ حراست رہے۔ مجبوراً حکومت نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔

۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کے مقابلہ کے لیے دینی و سیاسی جماعتوں پر مشتمل پاکستان قومی اتحاد کے نام سے نو جماعتی اتحاد معرضِ وجود میں آیا اور انتخابات میں دھاندلی کے بعد ان کے نتائج کو مسترد کرتے ہوئے تحریک

نظامِ مصطفٰے کا آغاز ہوا۔ اس تحریک میں بھی آپ نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اور ایک ماہ تک ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں گرفتار رہے۔ اس تحریک میں آپکے صاحبزادہ حافظ عبدالحق خان بشیر بھی گرفتار ہوئے اور آپ کے ساتھ جیل میں رہے جبکہ آپ کے بڑے فرزند مولانا زاہد الراشدی نے پاکستان قومی اتحاد صوبہ پنجاب کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے بھرپور کردار ادا کیا۔ ایک ماہ کیمپ جیل لاہور میں قید رہے اور جناب حمزہ، اقبال احمد خان مرحوم اور دیگر قائدین کے ساتھ مل کر ملکی سطح پر تحریک کی قیادت کی۔

آپکے استقلال کا ایمان افروز واقعہ

آپکے استقلال کا ایمان افروز واقعہ: تحریک نظامِ مصطفٰی کے دوران حسبِ معمول جب آپ جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ آپ کی قیادت میں جلوس مسجد بوہڑ والی سے باہر نکلا۔ تو فیڈرل سیکورٹی فورس (ایف۔ ایس۔ ایف) کے کمانڈر نے جلوس کو روکنے کی کوشش کی لیکن جلوس نہ رُکا۔ اس نے لکیر کھینچی اور اعلان کیا کہ اگر کسی نے یہ لکیر عبور کی تو گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ آپ نے انتہائی شانِ قلندری سے فرمایا:

"مَیں تریسٹھ برس کی مسنون عمر پوری کر چکا ہوں اور شہادت کی تمنا و آرزو رکھتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے کمانڈر کی کھینچی ہوئی لکیر عبور کر گئے۔ اس مردِ درویش کی شانِ قلندری کے سامنے فیڈرل سیکورٹی فورس کی سنگینیں اور رائفلیں ندامت سے جھک گئیں اور یہ مردِ قلندر جلوس لے کر آگے بڑھ گیا۔

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت: قادیانیت کے خلاف تحریک ختمِ نبوت میں بھی آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختمِ نبوت میں دیگر علماء کی طرح آپ بھی گرفتار ہوئے اور ۹ ماہ تک سنٹرل جیل ملتان میں رہے

آپ کے برادرِ خورد مولانا صوفی عبدالحمید سواتی بھی اس تحریک میں چھ ماہ تک ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں گرفتار رہے۔ اس دوران آپ کو ملتان جیل میں زہر دینے کی کوشش بھی کی گئی جو کامیاب نہ ہو سکی۔

خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیدار: اسی دوران جیل میں ہی رات کو خواب میں آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیدار ہوا فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جیل میں ہی ہوں اور مجھے کسی نے اطلاع دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیرے ساتھ ملاقات کے لیے تشریف لائے ہیں، میں پریشان ہوگیا کہ جیل میں میرے پاس ان کی خدمت کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے دری بچھائی، اتنے ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ میں نے انہیں دری پر بٹھایا اور عرض کی حضرت جیل میں اس وقت میرے پاس آپ کی خدمت کے لیے کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں قہوہ بنالوں۔ آپ نے فرمایا فوراً بنالو کیونکہ میں نے جلدی جانا ہے اور دجال کو قتل کرنا ہے۔ میں نے جلدی سے قہوہ بنایا۔ آپ نے نوش فرمایا اور تیزی سے چلے گئے۔

تصنیفی کارنامے: تصنیف کے میدان میں بھی آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کی تصانیف میں قاری کے لیے تمام دلچسپیوں کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ اردو ادب کی چاشنی، دلائل و براہین کی بھرمار، ظرافت، اندازِ بیان میں شائستگی اور نفسِ مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر آپ کی تصانیف کی انفرادی خصوصیات ہیں۔ اب تک ۶۰ کے قریب کتب تالیف فرما چکے ہیں جو علماء اور عوامی حلقوں میں بے حد مقبول ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے مختلف موضوعات مثلاً ردّ بدعات، فاتحہ خلف الامام، سماع الموتیٰ وغیرہ پر متعدد کتب تصنیف فرمائی ہیں جن کی تعداد

تقریباً ساٹھ تک جا پہنچی ہے۔ ان کتب میں "راہِ سنت" جو رد بدعات پر مفصل اور باحوالہ کتاب ہے۔ اس کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ اس کے تقریباً پندرہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور مانگ بدستور جاری ہے۔ آپ کی کتابوں پر

۱۔ حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ تعالیٰ

۲۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ

۳۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

۴۔ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر اکابر علماء دیوبند کی تصدیقات موجود ہیں۔

آپ کی کتابوں کا طرز و اسلوب یہ ہے کہ مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ مسئلہ کے مخالف پہلو کو لے کر اس کے جوابات اس انداز سے دیئے جاتے ہیں کہ کتاب میں مناظرانہ رنگ نمایاں محسوس ہوتا ہے۔ راہِ حق کا متلاشی آپ کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد منزل کو پا لیتا ہے۔ حضرت صاحب کی مشہور کتابیں:

۱۔ راہِ سنت ۲۔ احسن الکلام ۳۔ گلدستۂ توحید

۴۔ تبرید النواظر ۵۔ باب جنت ۶۔ حکم الذکر بالجہر

۷۔ چالیس دعائیں ۸۔ طائفہ منصورہ ۹۔ تسکین الصدور

۱۰۔ سماع موتیٰ ۱۱۔ مقام ابی حنیفہؒ ۱۲۔ تنقید متین

۱۳۔ ختم نبوت قرآن و سنت کی روشنی میں ۱۴۔ عمدۃ الاثاث

۱۵۔ تفریح الخواطر ۱۶۔ ارشاد الشیعہ ۱۷۔ ازالۃ الریب

۱۸۔ اظہار العیب ۱۹۔ اتمام البرہان فی رد توضیح البیان (حصہ اوّل)

۲۰۔ اتمام البرہان فی رد توضیح البیان (حصہ دوم)

۲۱۔ اتمام البرہان فی رد توضیح البیان (حصہ سوم)

۲۲۔ اتمام البرہان فی رد توضیح البیان (حصہ چہارم)

۲۳۔ ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب و حاضر و ناظر

درسِ قرآن کریم کے افادات

درسِ قرآن کریم کے حوالے سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تین جداگانہ معمول رہے ہیں۔ ایک درس وہ تھا جو جامع مسجد گکھڑ میں نمازِ فجر کے بعد روزانہ ہوتا تھا اور کئی بار مکمل ہوا۔ دوسرا ترجمہ و تفسیر وہ ہے جو مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں روزانہ صبح اسباق کے آغاز سے قبل حضرت مدظلہ پڑھاتے رہے، یہ درس دو سال میں مکمل ہوتا ہے اور کافیہ سے اُوپر کے تمام طلبہ کی حاضری اس میں ضروری ہوتی ہے جبکہ تیسرا درس قرآن وہ ہے جو مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی سالانہ تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر کے عنوان سے کم و بیش ربع صدی تک تسلسل کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔

مدرسہ نصرۃ العلوم والے دونوں درس چونکہ علماء کرام اور طلبہ کے لیے ہوتے تھے اس لیے ان میں علمی مباحث زیادہ ہوتی تھیں جن سے علماء کرام اور منتہی طلبہ ہی صحیح معنوں میں استفادہ کر سکتے ہیں جب کہ گکھڑ والا درس عوام کے لیے ہوتا تھا جو زیادہ تفصیلی ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی تھا اور عام لوگوں کے لیے اس کی

افادیت بھی بہت زیادہ ہے۔

بہت سے دوستوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس درس کو منضبط کر کے شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے فیض یاب ہونے کا موقع ملے مگر اس میں اُلجھن یہ تھی کہ یہ درس پنجابی میں ہوتا تھا جو اگرچہ جناب ..... کی محنت اور ذوق کے باعث ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے مکمل محفوظ ہو چکا ہے مگر اسے اُردو میں منتقل کرنے اور پھر زبان کا معیار قائم رکھتے ہوئے مفہوم کو ادا کرنے کا مرحلہ خاصا مشکل تھا اس لیے بہت سے احباب شدید خواہش اور تمنا کے باوجود اس سمت عملی پیش رفت نہ کر سکے۔

اب حضرت شیخ مدظلہ کے خصوصی تلمیذ و مرید مولانا محمد نواز بلوچ نے حضرت مدظلہ کے خادمِ خاص حاجی میر محمد لقمان کی توجہ اور اصرار سے اس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے اور حضرت شیخ مدظلہ کے گکھڑ والے تفصیلی اور عوامی درسِ قرآن کریم کو کیسٹوں کی مدد سے پنجابی سے اُردو میں منتقل کرنے کا کام شروع کیا ہے جس کا پہلا حصہ آپ کے سامنے ہے۔

مولانا محمد نواز بلوچ کا طریق کار یہ ہے کہ وہ مضمون کو پنجابی سے اُردو میں منتقل کرتے ہیں اور اسکے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے فرزند اکبر اور مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب اس پر نظر ثانی کرتے ہیں پھر اس کی کتابت ہوتی ہے اور دونوں حضرات باری باری اس کو دوبارہ مطالعہ کر کے چیک کرتے ہیں۔

اس کے باوجود ان حضرات کی طرف سے گزارش ہے کہ اگر کہیں کوئی غلطی یا جھول رہ گئی ہو تو اسے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے کاتبین کی کوتاہی پر محمول کیا جائے اور اس کی انہیں اطلاع دی جائے تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جا سکے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے لیے مسلسل دعا

کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عاجلہ سے نوازیں اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھیں نیز یہ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ درسِ قرآن کے ان افادات کو کتابی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کرنے والے سب حضرات کی اس محنت کو قبول فرمائیں اور انہیں اس کی بحسن وخوبی تکمیل کی توفیق سے نوازیں تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان بھائی حضرت شیخ دامت برکاتہم کے ان گراں قدر افادات سے فیض یاب ہو سکیں، آمین

یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

فہرست کتاب

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
56	لفظی ترجمہ (آیت : ۸ تا ۱۵)	-31
58	ربط	-32
58	منافقین کے دو طبقے	-33
59	منافقین کی نشانیاں	-34
63	سوال/ جواب	-35
65	پاکستان اور منافقت کا نتیجہ	-36
68	مومنوں سے استہزاء	-37
71	لفظی ترجمہ (آیت : ۱۶ تا ۲۰)	-38
72	منافقین کا مقاطع	-39
72	پہلا جواب	-40
73	دوسرا جواب	-41
73	کفار کے نابالغ بچے	-42
73	پہلا قول	-43
74	دوسرا قول	-44
75	مودودی صاحب کا غلط موقف	-45
75	تیسرا قول	-46
76	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان	-47

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

حالات واقعی

ختم قرآن کے موقعہ پر میں نے بتایا تھا کہ پاکستان بننے سے پانچ سال قبل جولائی ۱۹۴۳ء میں گکھڑ میں آیا اور ۱۰ جولائی ۱۹۴۳ء سے درسِ قرآن کریم شروع کیا تین دن قرآن پاک کا درس ہوتا رہا اور تین دن حدیث شریف کا درس ہوتا رہا۔

الحمدللہ! درس سننے والوں نے قرآن کریم کے ساتھ ساتھ صحاح ستہ یعنی بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، ابنِ ماجہ شریف، ابوداؤد شریف کے علاوہ مستدرک حاکم کی چار جلدیں اور ابو داؤد طیالسی، ادب المفرد، الترغیب و الترہیب اور جامع الصغیر بھی دروس میں سنیں یہ سب حدیث کی کتابیں ہیں میں ان احادیث کے الفاظ بھی باقاعدہ پڑھتا تھا تاکہ تمہارے کان آنحضرت ﷺ کے الفاظ کے ساتھ مانوس ہو جائیں۔

میں ڈائریاں تو نہیں دیکھ سکا مگر میرے خیال کے مطابق (کیونکہ حافظہ کمزور ہو گیا ہے اور اس عمر میں ہونا بھی چاہیے) یہ دسویں مرتبہ قرآن کریم درس میں ختم ہوا ہے۔ اگر قرآن کریم کے ساتھ حدیث کا درس نہ ہوتا تو اس سے زیادہ مرتبہ ختم ہو چکا ہوتا ساتھی درس کی کیسٹ کر رہے ہیں اور کچھ درس کیسٹ سے رہ گئے ہیں۔ اس لئے یہ طے کیا ہے کہ دو دن تسلسل کے ساتھ درس ہوگا اور تیسرے دن جن آیات اور سورتوں کا درس کیسٹ سے رہ گیا ہے ان کا اعادہ ہوگا تاکہ قرآن کریم کا جو حصہ

کیسٹوں سے رہ گیا وہ بھی درج ہو جائے۔

آج صرف قرآنِ کریم کے کچھ فضائل بیان کیے جائیں گے۔ قرآنِ کریم آسمانی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے۔ اور صرف قرآنِ کریم کو یہ شرف اور فخر حاصل ہے کہ اپنی اصلی شکل میں موجود ہے توراۃ انجیل زبور بھی برحق ہیں اور باقی جتنے صحیفے نازل ہوئے ہیں تمام کے تمام برحق ہیں۔ اور ہمارا سب پر ایمان ہے مگر قرآن کریم کے علاوہ کوئی آسمانی کتاب اور صحیفہ اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہے ان میں تحریف کردی گئی۔

قرآنِ کریم اپنی اصلی شکل وصورت میں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا اور جب تک دنیا میں قرآن کریم موجود ہے قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت قائم ہونے سے پہلے ورقوں سے الفاظ صاف کردیئے جائیں گے۔

رات کو لوگ قرآن پڑھ کر سوئیں گے صبح کو جب اٹھیں گے تو ورقے صاف ہوں گے اور حافظوں اور قاریوں کے سینوں سے بھی قرآنِ کریم نکال لیا جائے گا یہ ان کی توہین کے لئے نہیں ہوگا بلکہ دنیا کے نظام کو سمیٹنے کے لئے ایسا کیا جائے گا۔ اور جب قیامت قائم ہوگی اس وقت دنیا میں اللہ، اللہ کہنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ فَعَلٰى اُولٰٓئِكَ تُقَامُ السَّاعَةُ پس ان لوگوں پر قیامت برپا ہوگی۔

بہرحال اس وقت آسمانی کتابوں میں صرف قرآنِ کریم اصلی حالت میں موجود اور محفوظ ہے۔ اس کے لفظوں کی بھی حفاظت ہوئی ہے۔ ترجمے کی بھی حفاظت ہوئی ہے۔ اس کی تفسیر کی بھی حفاظت ہوئی ہے۔ اور اس کے لب و لہجے کی بھی

حفاظت ہوئی ہے۔ آخری پیغمبر کی امت نے جس طرح قرآنِ کریم کی حفاظت کی ہے اس طرح کوئی امت بھی اپنی کتاب کی حفاظت کی ہے اس طرح کوئی امت بھی اپنی کتاب کی حفاظت نہیں کرسکی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم بہترین امت ہو۔

اور قرآنِ کریم میں ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ تمام امتوں میں سے تم بہتر امت ہو یہی وجہ ہے کہ قیامت والے دن سب سے پہلے اس امت کا حساب ہوگا حالانکہ قاعدے اور دستور کے مطابق اس کا حساب آخر میں ہونا چاہیے کیونکہ آخر میں آئی ہے اور پل صراط سے سب سے پہلے یہ امت گذرے گی اور جنت بھی سب سے پہلے یہ امت داخل ہوگی آنحضرت ﷺ کے بعد ترتیب یوں ہوگی جنت میں پہلا قدم آنحضرت ﷺ کا اور دوسرا قدم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہوگا اور تیسرا قدم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چوتھا قدم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہوگا اور پانچواں قدم حضرت علی رضی اللہ عنہ رکھیں گے۔ کیونکہ تمام پیغمبروں کے بعد ان کا مقام ہے۔ پھر باقی امت داخل ہوگی۔ اس امت کو آخری پیغمبر اور قرآنِ کریم سے تعلق کی وجہ سے یہ مقام عطا ہوا ہے۔

قرآنِ کریم بڑی عظیم کتاب ہے صحاح ستہ میں سے ابن ماجہ بھی حدیث کی کتاب ہے۔ ابنِ ماجہ میں روایت آئی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! اگر تو صبح کو ایک آیت سیکھ لے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے تو اس سے بہتر ہے کہ تو سو رکعت پڑھے اور اگر تو صبح کو ایک باب سیکھ لے علم کا اور عمل کرے یا نہ کرے تو ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔

یعنی ایک آدمی قرآنِ کریم کی ایک آیت سیکھتا ہے بغیر ترجمہ اور تفسیر کے اور

ایک آدمی سو نفل پڑھتا ہے تو سو نفل پڑھنے والے سے ایک آیت کریمہ سیکھنے والے کی فضیلت زیادہ ہے۔ اسی طرح ایک آدمی ہزار نفل پڑھتا ہے اور ایک آدمی قرآنِ کریم کی ایک آیت ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھتا ہے اس کی شان فضیلت اور ثواب ہزار رکعت نفل پڑھنے والے سے زیادہ ہے۔

مثلاً ایک آدمی نے صحیح تلفظ کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ پڑھنا سیکھا تو اس کا درجہ سو نفل پڑھنے والے سے زیادہ ہے۔ اور اس کا معنٰی اور تفسیر سمجھ لے تو اس کا درجہ ہزار رکعات نفل پڑھنے والے سے زیادہ ہے۔ ہزار رکعات پڑھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مگر جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ایک رات میں ایک ہزار نفل پڑھا کرتے تھے۔ ورد وظیفے جتنے بھی ہیں اپنی اپنی جگہ تمام کے تمام برحق ہیں۔ مگر قرآنِ کریم پڑھنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔ اور ترتیب کے ساتھ تمام کا تمام قرآنِ کریم پڑھنا چاہیے۔

بعض مرد اور عورتیں اس بیماری میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے پانچ سورتے رکھے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں پانچ سورتوں کو ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ اور بعضے صرف سورۃ یٰسین کو ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ بے شک یہ بھی قرآنِ کریم کا حصہ ہیں۔ مگر قرآنِ کریم سارا پڑھنا چاہیے۔ تھوڑا پڑھو زیادہ پڑھو۔ اول سے لے کر آخر تک پڑھو۔ اور قرآنِ کریم روزانہ پڑھنے کا معمول بناؤ۔ بلکہ آج کے دن سے عہد کرلو کہ ہم سے جتنا بھی ہوسکا پارہ آدھ پارہ یا پاؤ ہم روزانہ ضرور پڑھیں گے۔ باقی وہ سورتیں جو اپنے مطلب کے لئے پڑھتے ہو بے شک وہ بھی پڑھو ان کی افادیت سے انکار نہیں ہے۔

اور پڑھو بھی صحیح تلفظ کے ساتھ کہ معلوم ہو کہ عربی پڑھ رہا ہے۔ اور لوگ تلفظ کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ تلفظ اتنا تو ضرور ہو کہ پتہ چلے کہ عربی ہے یا پنجابی ہے۔ اسی طرح اذان اور تکبیر کا بھی تلفظ صحیح ہونا چاہیے۔ الفاظ صحیح ہوں اعراب صحیح ہوں، لہجہ صحیح ہو۔ اگرچہ اب تم قاری تو نہیں بن سکتے مگر کم از کم اتنا تو ہونا چاہیے کہ سننے والا سمجھ جائے کہ یہ عربی پڑھ رہا ہے پنجابی اور گرمکھی نہیں پڑھ رہا۔

مردوں کی طرح عورتیں بھی صحیح تلفظ کی طرف توجہ دیں۔ اس سلسلے میں پہلے تو خاصی دقت اور پریشانی ہوتی تھی۔ اب تو الحمد للہ ثم الحمد للہ قاری بھی آپ کے پاس موجود ہیں ان کے پاس جائیں اور تلفظ درست کریں۔

قرآنِ کریم کے کچھ آداب بھی سن لیں............

①...... قرآنِ کریم کا پہلا ادب یہ ہے کہ قرآن شریف کے پڑھنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ پڑھا ہے پھر قرآنِ کریم پڑھنا شروع کریں اور یہ ادب خود قرآنِ کریم میں مذکور ہے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ اور جب تو پڑھے قرآن تو پناہ لے اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے۔

کیونکہ آدمی جب نیکی کرنے لگتا ہے تو شیطان درمیان میں کود پڑتا ہے کہ یہ نیکی نہ کرے۔ اور وہ ہمیں نظر بھی نہیں آتا اور ہے بھی ہم سے طاقتور اور مضبوط اور رب تعالیٰ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا رب تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے پروردگار! تو مجھے اس کے شر سے محفوظ فرما۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں تو مجھے اس مردود کے شر سے اپنی

پناہ میں رکھتا کہ وہ میرے دل میں وسوسے نہ ڈالے اور انسان جب نیکی کرتا ہے تو شیطان بڑے وسوسے ڈالتا ہے وہ کام جو آپ کو پہلے اور پیچھے یاد نہیں آتے نماز میں اور قرآنِ کریم پڑھتے وقت وہ یاد آجاتے ہیں کہ میں نے فلاں کام بھی کرنا ہے فلاں کام بھی کرنا ہے۔فلاں جگہ ضروری جانا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ شیطان آکر کہتا ہے اُذْکُرْ کَذَا ، اُذْکُرْ کَذَا فلاں چیز یاد کر،فلاں چیز یاد کر۔

②...... قرآنِ کریم کا دوسرا ادب یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنی چاہیے۔حدیث پاک میں آتا ہے کُلُّ أَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَءْ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَھُوَ أَقْطَعُ ہر ذیشان کام جو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع نہ کیا جائے تو وہ دُم کٹا ہوتا ہے،بے برکت ہوتا ہے۔

دیکھو! جانور کی دم کٹی ہوئی ہو تو وہ کیسا برا لگتا ہے۔لہٰذا جب بھی کوئی اچھا اور جائز کام کرو تو اس سے پہلے بسم اللہ پڑھو ورنہ اس کام میں برکت نہیں ہوگی۔مکمل بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ پڑھے صرف بسم اللہ کہہ لے تو بھی ٹھیک ہے۔

مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ،شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مکمل پڑھنی چاہیے۔وضو کرنے سے پہلے، کھانا کھانے سے پہلے، پانی پینے سے پہلے وغیرہ۔

اور یاد رکھنا کہ برے اور ناجائز کام سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہیے۔فقہاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شراب پینے سے پہلے کہے بِسْمِ اللّٰہِ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو ایسا شخص کافر و مرتد ہو گیا اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔ تو قرآنِ کریم کے آداب میں سے پہلا ادب ہے تعوذ پڑھنا۔ اور دوسرا ادب ہے تسمیہ پڑھنا۔

③...... اور قرآنِ کریم کے ادب میں سے یہ بھی ہے کہ بے وضو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ البتہ بغیر وضو کے زبانی پڑھ سکتا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حیض کی حالت میں عورت قرآنِ کریم نہیں پڑھ سکتی اور مرد جنابت کی حالت میں نہیں پڑھ سکتا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ لَاتَقْرَءُ الْحَائِضُ وَالْجُنُبُ شَیْئًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھے البتہ اس حالت میں ذکر کر سکتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُلِلّٰہِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ پڑھ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ وظیفے قرآن سے نہ ہوں۔

④...... قرآنِ کریم کا جتنا ادب و احترام کیا جائے کم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کو پست جگہ پر نہ رکھا جائے۔

⑤...... اس کی طرف پیٹھ نہ کی جائے۔ قرآن سے بلند ہو کر نہ بیٹھا جائے۔

⑥...... ایسے مدرسہ میں جہاں طلبہ کی تعداد زیادہ ہو اور جگہ کم ہو تو پڑھنے والے آگے پیچھے بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں، ایسی صورت میں اگر پیٹھ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ مجبوری ہے۔

⑦...... قرآن مجید کا پڑھنا اور سمجھنا کارِ ثواب ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ قرآن کو دیکھنا بھی ثواب ہے۔ ہاتھ لگانا بھی ثواب ہے۔

⑧...... اس کے ورقوں کا پلٹنا بھی ثواب ہے۔ قرآن کریم میں تو ثواب کی

گھڑیاں ہیں مگر ہم حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

⑨...... جو لوگ قرآن کے ترجمہ میں شریک نہیں ہیں ویسے سننے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں ان کو چاہیے کہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر نہ بیٹھیں۔ بعض لوگ اپنی سہولت کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

⑩...... اس طرح بچوں کو بھی درمیان میں نہ بیٹھنے دیں۔ وہ بے چارے کیا سمجھیں گے۔ اور آپ حضرات قرآن کریم کو سامنے رکھو اور غور سے سمجھو اس سے بڑی عبادت اور کوئی نہیں ہے۔

قرآن کریم آنحضرت ﷺ پر اتارے جانے سے پہلے لوحِ محفوظ میں تھا اللہ تعالیٰ کے حکم سے رمضان المبارک کے مہینہ میں لیلۃ القدر کی رات کو سارے کا سارا قرآن کریم ایک دفعہ آسمانِ دنیا پر بیت العزت کے مقام پر اور اس کو بیت العظمت بھی کہتے ہیں اتارا گیا۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ میں اسی کا ذکر ہے۔ پھر بیت العزت اور بیت العظمت کے مقام سے آنحضرت ﷺ پر تئیس سال میں آہستہ آہستہ نازل ہوا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ سے لے کر عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ تک کی پانچ آیتیں غارِ حرا میں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں۔ اور آخری آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ○ ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے موقعہ پر جمعہ کے دن عرفات کے میدان میں نازل ہوئی۔

تقریباً چھیاسی سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور باقی سورتیں مدینہ منورہ

میں نازل ہوئیں۔ قرآنِ کریم کے یہ بڑے بڑے آداب میں نے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں۔

اصولِ تفسیر :

قرآنِ کریم کی تفسیر کا قاعدہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی تفسیر قرآن کریم سے ہوگی اور آپ حضرات کے علم میں ہے کہ جب کوئی مشکل آیت کریمہ آجاتی ہے تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ فلاں صفحہ کی فلاں آیت کریمہ نکالو اور اس کے لئے ایک اصطلاح اور قاعدہ بھی سمجھ لیں۔ پہلے پارے کا آخری رکوع نکالو تا کہ یہ قاعدہ آسانی سے سمجھ آجائے۔

''عین'' کا استعمال اور معنٰی :

دیکھو! جہاں آخری رکوع ختم ہوتا ہے کنارے پر ''ع'' کی علامت تو ''ع'' کا معنٰی جز اور حصہ ہے اس ''ع'' کے اوپر سولہ کا ہندسہ ہے اور اس کے پیٹ میں بارہ کا ہندسہ ہے اوپر والا ہندسہ سورۃ کے رکوع بتاتا ہے اور نیچے والا ہندسہ پارے کے رکوع بتاتا ہے کہ یہاں تک اتنے رکوع ہوگئے ہیں اور پیٹ والا ہندسہ یہ بتاتا ہے کہ اس رکوع میں اتنی آیتیں ہیں۔ لہٰذا اس ''ع'' کا اوپر والا سولہ کا ہندسہ بتا رہا ہے کہ یہاں تک سورۃ کے سولہ رکوع ہوگئے ہیں۔ اور نیچے والا ہندسہ بتا رہا ہے پارے کے سولہ رکوع ہیں اور پیٹ (درمیان) والا ہندسہ بتا رہا ہے کہ اس رکوع میں بارہ آیتیں ہیں۔ بہرحال قرآن کریم کی تفسیر..........

①...... پہلے نمبر پر قرآن کریم سے ہوگی۔

②...... دوسرے نمبر پر حدیث پاک سے ہوگی۔ کیونکہ جس ذات پر قرآن

نازل ہوا ہے اس سے بہتر قرآن کریم کو کوئی نہیں سمجھ سکتا اور آپ ﷺ کی تفسیر سب پر مقدم ہوگی۔

(۳)...... تیسرے نمبر پر قرآن کریم کی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوگی۔ خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کیونکہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے مفسر قرآن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام امت سے دو امتیازی خوبیاں عطا فرمائی ہیں۔

۱)...... ایک تو وہ قرآن پاک کے پہلے نمبر کے مفسر ہیں۔ بخاری شریف میں روایت آتی ہے وہ خود فرماتے ہیں مجھے رب کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مجھے معلوم ہو کہ میرے سے زیادہ کوئی قرآن کریم کو جاننے والا ہے اور میری اونٹنی وہاں تک مجھے لے جاسکتی ہو تو میں ضرور جاکر اس سے حاصل کروں۔

۲)...... اور دوسری اور سب سے بڑی صفت ان کی یہ ہے کہ وہ اَفْقَہُ الْاُمَّۃ ہیں۔ تمام امت میں سب سے بڑے فقیہہ تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگرد کے شاگرد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے کامران اساتذہ سے فقہ حاصل کی ہے اور ان سے قرآن وسنت کو سمجھا ہے اس لئے تفسیر قرآن اور فقہ میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔

تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد نمبر ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا۔ جن کے لئے آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ ''اے پروردگار! ان کو قرآن کریم کا ماہر بنادے''۔ ان کے بعد پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا درجہ اور مقام اور ان کے بعد تبع تابعین اور ان کے بعد درجہ بدرجہ سلف صالحین کا مقام ہے۔ یہ بات پختہ اور یقینی ہے کہ ہم ان پر اعتماد کئے بغیر از خود قرآن وحدیث نہیں سمجھ سکتے یہ حضرات ہمارے دین کا سرمایہ ہیں۔

قرآن کریم کی طرح حدیث پاک ہم ان کے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ حدیث کی سند محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم سے پوچھیں گے اور اس کا معنٰی اور مفہوم فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم سے پوچھیں گے تو قرآن کریم کی تفسیر اس ترتیب سے ہوگی جو میں نے بیان کیا ہے اور امید ہے کہ درس سننے والوں کی حاضری پہلے سے زیادہ ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ اور یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ جو ساتھی نہیں آئے ان کو لے کر آنا اور عورتیں بھی اپنی سہیلیوں کو ساتھ لے کر آیا کریں تا کہ ان کو بھی قرآن کریم کی سمجھ آئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٧

لفظی ترجمہ :

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ میں پناہ حاصل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ شیطان مردود سے بِسْمِ اللّٰهِ شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے الرَّحْمٰنِ جو بے حد مہربان ہے الرَّحِيْمِ نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا اَلرَّحْمٰنِ بے حد مہربان ہے اَلرَّحِیْمِ نہایت رحم کرنے والا ہے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ جو مالک ہے جزا اور بدلے کے دن کا اِیَّاكَ نَعْبُدُ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اور خاص تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ چلا ہم کو سیدھے راستے پر صِرَاطَ الَّذِیْنَ راستہ ان لوگوں کا اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ جن پر تو نے انعام کیا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پر تیرا غضب ہوا وَلَا الضَّآلِّیْنَ اور نہ گمراہوں کا آمین رب تعالیٰ ایسا ہی کرے۔

فضائل :

اس سورۃ کا نام سورۃ الفاتحہ ہے فتح کا ایک معنیٰ کھولنا بھی ہے چونکہ یہ سورۃ قرآن کریم کو کھولنے والی ہے، اس سے قرآنِ کریم کی ابتداء ہوتی ہے اس لئے اس کو فاتحہ کہتے ہیں۔

جس طرح کسی شئے کا عنوان ہوتا ہے یہ سورۃ قرآنِ کریم کا عنوان ہے اور اس کا نام سوال بھی ہے کہ اس میں سوال کرنے کا طریقہ سمجھایا گیا ہے۔ کسی سے سوال کرنے اور مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ سائل جس سے مانگتا ہے پہلے اس کی تعریف کرتا ہے کہ تم بڑے ہمدرد ہو، خیر خواہ ہو اور سخی ہو پھر اپنا تعلق بتاتا ہے میں تمہارا شہر دار یا محلہ دار ہوں اور تمہارے زیر سایہ ہوں پھر اپنی کمزوری اور عاجزی کا اظہار کرتا ہے،

پھر اپنا سوال پیش کرتا ہے کہ یہ میری ضرورت ہے جو تمہارے سے مانگنے آیا ہوں۔
اس سورۃ میں بھی پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا بے حد مہربان ہے نہایت رحم کرنے والا ہے جو مالک ہے جزا اور بدلے کے دن کا۔ پھر اپنا تعلق بتایا......

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اور آگے سوال ہے.........

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ چلا ہم کو سیدھے راستے پر۔ اس سورۃ کا نام شافیہ بھی ہے۔ یعنی شفا دینے والی۔ حقیقتاً تو شفا دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ مگر اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے جس کی وجہ سے روحانی اور جسمانی بیماریوں سے شفا ملتی ہے۔

بخاری شریف صفحہ ۳۰۴ میں روایت آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک محاذ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا کامیابی کے بعد جب واپس ہوئے رات ایک چھوٹے سے قصبے میں ہوئی وہاں رات گزارنے کا ارادہ کیا لیکن وہاں کے لوگوں نے ان کی مہمانی سے انکار کیا کہ ہم صابیوں کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔ جس طرح آج کل اہلِ حق کو وہابی کہتے ہیں اس وقت اہلِ حق کو صابی کہتے تھے۔ کہنے لگے کہ ہم نے صابیوں کو یہاں نہیں رہنے دینا۔

اس طرح سمجھو جس طرح ہمارے ساتھی تبلیغی جماعت والے بعض قصبات میں جاتے ہیں تو وہ لوگ ان کے بستر ے اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں اور ان کو

ہاتھوں اور کانوں سے پکڑ کر باہر نکال دیتے ہیں کہ لوگ ان کی باتیں سن کر متاثر ہوں گے اور ہمارے ریوڑ سے نکل جائیں گے۔ ورنہ یہ لوگ ان سے کچھ مانگتے تو نہیں ہیں۔ اپنا کھانا اور اپنا پینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو زیادہ سے زیادہ کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

بہرحال انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قصبے سے باہر نکال دیا چونکہ اندھیرا تھا انہوں نے قصبے کے قریب ہی ڈیرہ لگالیا کہ رات گزارلیں اور صبح کو چلیں گے اتفاق ایسا ہوا کہ قصبے کے بڑے سردار کو زہریلے قسم کے موذی جانور نے ڈنگ مارا۔ روایت میں ہے کہ فَسَعَوْا لَهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ انہوں نے ہر طرح کی کوشش کی یعنی وہاں جتنے چھومنتر اور دم کرنے والے تھے کسی کا بس نہ چلا۔ مجبور ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئے کہ ہمارے سردار کو کوئی زہریلی چیز لڑ گئی ہے کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے؟۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں دم کریں گے مگر تیں بکریاں لیں گے۔ تیں اس لئے کہا کہ یہ آدمی تیں تھے ہر ایک کو ایک، ایک آجائے گی۔

چنانچہ ان کے ساتھ گئے اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا كَاَنَّهَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ گویا کہ اس کو گرہ سے کھول دیا ہے۔ یعنی اس کو اس طرح محسوس ہوا کہ کبھی تکلیف ہوئی ہی نہیں ہے۔ فرمایا شرط پوری کرو کہ تیں بکریاں ہمارے حوالے کرو۔ چنانچہ تیں بکریاں گن کر ان سے لیں۔ مگر تقسیم نہ کیں کہ مدینہ طیبہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں گے اگر ہمارے لئے جائز ہوں گی تو تقسیم کریں گے ورنہ مالکوں کو واپس کردیں گے۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِنَّ

اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا کِتَابُ اللّٰہِ" بیشک جن چیزوں پر تم اجر لیتے ہو ان میں اللہ تعالیٰ کی کتاب زیادہ حق رکھتی ہے کہ تم اس پر اجر لو۔ اور فرمایا کہ اس مزدوری میں سے میرا بھی حصہ نکالو۔

آپ ﷺ کا یہ فرمانا حرص اور لالچ نہ تھا بلکہ صرف ان کا وہم دور کرنا مقصود تھا کہ یہ تم نے کوئی گناہ نہیں کیا اگر اس میں کسی قسم کا شبہ ہوتا تو حضور ﷺ یہ نہ فرماتے کہ مجھے بھی حصہ دو۔

اس روایت کے پیش نظر تمام فقہاء کرام رحمہم اللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی تعویذ گنڈے اور دم کرنے پر اجرت لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ کوئی گناہ نہیں ہے۔ تو اس سورۃ کو شافیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا معنٰی ہے کہ میں شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہاں چونکہ کتاب کو شروع کرنا ہے اس لئے شروع کا فعل نکالتے ہیں ورنہ جس کام کے لئے پڑھو گے وہی فعل نکالیں گے مثلاً کھانا کھانا ہے تو وہاں ١ کُلُ کا فعل نکالیں گے اور ترجمہ ہوگا میں کھانا کھاتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر کچھ پینا ہے تو اَشْرِبُ کا فعل نکالیں گے کہ میں پیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے اور پڑھنے کے وقت اَقْرَءُ نکالیں گے کہ میں پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن اسے کہتے ہیں جو بغیر مانگنے اور سوال کرنے کے دے اور رحیم اسے کہتے ہیں جو مانگنے اور سوال کرنے کے

بعد دے۔ تو اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے وجود ملا ہے، کان ملے ہیں، آنکھیں ملی ہیں، ناک ملا ہے، دل، دماغ ملا ہے، زبان ملی ہے، سب کچھ اس نے بغیر مانگنے کے دیا ہے اور کتنی چیزیں ہیں جو اس نے بن مانگے عطا فرمائی ہیں۔ کیونکہ جب اس نے عطا کی ہیں ہمیں اس وقت سوجھ بوجھ ہی نہیں تھی کہ مانگتے اور مانگنے پر بھی وہی دیتا ہے کہ رحیم بھی ہے اس کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ فرمایا..........

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ ایک ہے حمد اور ایک ہے مدح۔ حمد ایسی تعریف کو کہتے ہیں جو کسی کے ذاتی افعال پر کی جائے ذاتی اوصاف پر کی جائے۔ مدح عام ہے کسی کی خوبی ذاتی ہو یا غیر ذاتی ہو۔ اس پر جو تعریف کی جائے تو اس کو مدح کہتے ہیں۔

لہٰذا حمد صرف رب تعالیٰ کیلئے ہے کہ اس کی تمام خوبیاں اور اوصاف ذاتی ہیں مستعار اور مانگی ہوئی نہیں ہیں۔ اور ''تمام'' کا معنٰی الف لام کا ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا۔ رب کا معنٰی ہے پالنے والا، تربیت کرنے والا۔ اگر رب کا مفہوم ہی سمجھ لے تو شرک کے قریب نہیں جا سکتا کیونکہ تربیت کے لئے رہائش کی ضرورت خوراک کی ضرورت، پانی کی ضرورت، ہوا کی ضرورت، حفاظت کی ضرورت اور جتنی بھی چیزیں تربیت کے لئے ضروری ہیں وہ سب رب تعالیٰ کے پاس اور اسی کے اختیار میں ہیں۔ تو کوئی اور اس کا شریک اور حصے دار کس طرح بن گیا؟۔ اور اس کے سوا کسی اور کے پاس حاجت روائی کے لئے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟۔ اور تربیت کرنے والا صرف رب تعالیٰ ہے۔

عٰلَمِيْن جمع ہے عالم کی اور عالم کے معنٰی ہیں جہان اور جمع کا صیغہ اس لئے

لائے ہیں کہ عالم میں کئی عالم ہیں انسانوں کا عالم ہے، حیوانوں کا عالم ہے، پرندوں کا عالم ہے، حشرات الارض کا عالم ہے، تو تمام عالموں کا پالنے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ بے حد مہربان اَلرَّحِیْمِ نہایت رحم کرنے والا ہے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ جو مالک ہے جزا اور بدلے کے دن کا۔

دِیْن کا معنٰی بدلا اور جزا ہے۔ آج بھی حقیقی مالک تو وہی ہے مگر عارضی طور پر بندوں کو بھی مالک بنایا ہے۔ اور تیری میری کہتے ہیں۔ کہ ادھر تیری حکومت ہے اور ادھر میری حکومت ہے۔ فلاں چیز تیری ہے اور فلاں چیز میری ہے۔ تیرا اقتدار ہے اور میرا اقتدار ہے۔ مگر قیامت کے دن جب تمام کائنات جمع ہوگی رب تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ؟ بتاؤ آج کس کا ملک اور شاہی ہے؟۔ دنیا میں تم بادشاہ اور ڈکٹیٹر بنے ہوئے تھے اور کہتے تھے کہ میرا ملک اور میری شاہی ہے۔ اس وقت سب کی زبان سے نکلے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ آج اللہ واحد، قہار کی شاہی ہے۔ وہاں میری، تیری کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ اے پروردگار! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ قاعدے کے مطابق تو نَعْبُدُكَ ہونا چاہیے تھا۔ کہ نعبد پہلے اور ''کاف'' ضمیر بعد میں ہونی چاہیے تھی کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں مگر ضمیر کو فعل فاعل پر مقدم کر دیا تاکہ حصر پیدا ہو جائے۔ اب معنٰی ہوگا کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ زبانی عبادت بھی اور بدنی عبادت بھی اور مالی عبادت بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور التحیات میں بھی ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ زبانی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے ہیں وَالصَّلَوٰتُ اور بدنی عبادتیں بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں وَالطَّیِّبٰتُ اور مالی عبادتیں بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ ہر طرح کی عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کے سوا معبود کوئی نہیں ہے۔ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور خاص تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

استعانت کی مختلف صورتیں :

استعانت کا مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں استعانت کی دو قسمیں ہیں.........

①...... ایک ظاہری اور اسباب کے تحت استعانت ہے کہ مثلاً بیمار آدمی حکیم اور ڈاکٹر سے مدد لیتا ہے۔ غریب امیر سے مدد لیتا ہے۔ کمزور آدمی کوئی وزنی کام خود نہیں کرسکتا طاقت ور سے بدنی مدد لیتا ہے کہ میرا ہاتھ بٹاؤ یہ ظاہری اور اسباب کے تحت استعانت ہے۔ اس کے جائز ہونے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اسی استعانت کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی نیکی اور تقوے کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ تو اسباب کے تحت جو مدد اور معاونت ہے یہ جائز ہے۔

②...... دوسری استعانت ہے مَافَوْقُ الْاَسْبَابْ اسباب سے بالاتر کسی سے مدد طلب کرنا یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ مثلاً میں کہوں کہ میرے گھٹنوں میں درد ہے اس کو دور کردے یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ ہاں یہ کہوں کہ مجھے درد کیلئے کوئی گولی دے دو، پھکی دے دو، یہ اسباب کے تحت ہے یہ جائز ہے۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں پیدا فرمائی جس کا علاج نہ ہو سوائے دو بیماریوں کے ایک بڑھاپا اور دوسری موت۔ تو ماتحت الاسباب استعانت اور ہے، اور مافوق الاسباب استعانت اور ہے۔ دونوں میں گڑبڑ نہ کرنا۔

ایک شخص یہاں کھڑا ہے اور کہتا ہے اے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میری مدد کر یہ مافوق الاسباب استعانت ہے۔ اس طرح کہنے میں ان کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب ماننا پڑے گا اور متصرف فی الامور سمجھنا پڑے گا اور یہی کفر کی بنیاد ہے۔ تمام فقہاء کرام رحمہم اللہ کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ "مَنْ قَالَ اَرْوَاحُ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ يَكْفُرُ" شامی، عالمگیری، البحر الرائق اور بزازیہ میں ہے کہ جو آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں اور ہمارے حالات کو جانتی ہیں وہ پکا کافر ہے کیونکہ یہ مافوق الاسباب استعانت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے جائز نہیں ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے لے کر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک اللہ تعالیٰ کی تعریف تھی اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں اپنا تعلق بتایا کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں، مانگتے کیا ہیں؟ آگے اس کا ذکر ہے۔ فرمایا........

صراطِ مستقیم :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ چلا ہم کو سیدھے راستے پر صِرَاطَ الَّذِيْنَ راستہ ان لوگوں کا اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ جن پر تو نے انعام کیا۔ کل میں نے عرض کیا تھا

کہ قرآن کریم کی بہترین تفسیر وہ ہے جو خود قرآن کریم سے ہو تو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر خود قرآن کریم نے کی ہے کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے وہ یہ لوگ ہیں فرمایا............

انعام یافتہ قومیں :

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ جس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہداء ہیں اور صالحین ہیں۔ ان چاروں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے۔

①...... پہلے درجے میں اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو انعام اپنے پیغمبروں پر کیا ہے۔ وہ اور کسی پر نہیں کیا۔

②...... دوسرے نمبر پر صدیق ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔

③...... تیسرے نمبر پر شہداء ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے کافروں کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

④...... چوتھے نمبر پر صالحین ہیں۔ کہ وہ نہ تو پیغمبر ہیں نہ صدیق ہیں، نہ شہید ہیں۔ بلکہ ایمان لا کر نیکیاں کر کے اخلاق حسنہ کے ساتھ نیکوں کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔

یہ چار گروہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے۔ یہ صراطِ مستقیم پر چلنے والے ہیں۔ اور صراطِ مستقیم کیا ہے؟۔ اس کی تفسیر بھی اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں فرمائی

ہے۔ آٹھواں پارہ چھٹا رکوع نکال کر دیکھ لیں........

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ ۚ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ۚ وَبِعَھْدِ اللّٰہِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے نبی کریم! (ﷺ) آپ کہہ دیں آؤ میں پڑھ کر سناؤں تمہیں وہ چیزیں جو حرام فرمائی ہیں تمہارے پروردگار نے تم پر وہ یہ ہیں کہ تم شریک نہ ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور قتل نہ کرو اپنی اولاد کو غربت کی وجہ سے ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی اور نہ قریب جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہری ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہوں ان میں سے اور نہ قتل کرو اس جان کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر حق کے ساتھ ان باتوں کا اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تم کو تاکہ تم سمجھ جاؤ۔

اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقے سے جو بہتر ہو یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی قوت کو اور پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب تم بات کرو تو انصاف کے ساتھ کرو اگرچہ قریبی رشتہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ پس اس پر تم چلو۔

تو اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی وضاحت فرمائی ہے۔ اور اصول بیان فرمائے ہیں اور اس پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ آگے فرمایا..........

مغضوب علیہم :

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پر تیرا غضب ہوا وَلَا الضَّآلِّیْنَ اور نہ گمراہوں کا۔ ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۲۴ امسند احمد ج ۴ ص ۳۷۸ میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ یہودی ہیں اور ضَآلِّیْنَ نصاریٰ ہیں۔

یہودی حقیقت کو جانتے اور سمجھتے تھے پھر ایمان نہیں لائے۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ ربانی ہے یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وہ اس پیغمبر کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر ضد کی وجہ سے مانتے نہیں تھے۔

گمراہی کے دو ہی طریقے ہیں.........

① ...... ایک یہ کہ لاعلمی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے حق کو نہ حاصل کر سکے۔

② ...... دوسرا یہ کہ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی انکار کر گئے۔

یہودی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو پہچاننے اور قرآن کریم کو حق جاننے کے باوجود محض ضد کی وجہ سے انکار کرتے تھے اور نصاریٰ کے پاس اس وقت اتنا علم نہیں تھا جتنا یہود کے پاس تھا۔ تو نصاریٰ لاعلمی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ اور یہود کے مرد تو درکنار ان کی عورتیں بھی عالم تھیں۔ اور آنحضرت ﷺ اور قرآنِ کریم کے حق ہونے کے متعلق معلومات رکھتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ :

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی پھوپھی توراۃ کی بڑی ماہر تھیں اور بتایا کرتی تھیں کہ اس طرح ایک پیغمبر نے آنا ہے اور اس کے یہ یہ اوصاف اور خوبیاں ہوں

گی۔ اور وہ جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئیں گے تو ان کے ساتھیوں نے سفید لباس پہنا ہوا ہوگا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کھجوریں اتارنے کیلئے کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے تھے اور ان کی پھوپھی نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔ فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھ میں کھجور کا خوشہ تھا میں نے مکہ مکرمہ کی طرف سے کچھ آدمیوں کو آتے ہوئے دیکھا میں نے پھوپھی کو آواز دی کہ یہ آدمی مکہ کی طرف سے آرہے ہیں۔ اور سفید لباس پہنے ہوئے ہیں۔

پھوپھی نے کہا کہ یہ وہی پیغمبر اور ان کے ساتھی ہیں جنہوں نے آنا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کھجور کے خوشے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے خوشی خوشی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خوشی کی وجہ سے خوشے بھی نہ رکھ سکے۔ آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک کو دیکھا تو کہنے لگے اِنَّ الْوَجْهَ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ بے شک یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔ اور اسی مجلس میں مسلمان ہو گئے۔ جب یہ آپ ﷺ کی مجلس میں تشریف لائے اس وقت آپ ﷺ یہ بیان فرما رہے تھے کہ لوگو!............

مدینہ طیبہ پہنچنے پر حضور ﷺ کا پہلا خطبہ مبارکہ :

☆...... اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور

☆...... اَفْشُوا السَّلَامُ اور سلام کو عام کرو، اکرام مؤمن ملحوظ رکھو، ایک دوسرے کی قدر کرو۔

☆...... اَطْعِمُوا الطَّعَامَ غریبوں کو کھانا کھلاؤ۔

☆...... وَلَيِّنُوا الْكَلَامَ اور نرم گفتگو کرو۔

☆...... صَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ لوگ جب سوئے ہوئے ہوں تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ یہ پہلا درس تھا آنحضرت ﷺ کا۔

مسلمان ہونے کے بعد واپس گئے پھوپھی کو بتایا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ تو پھوپھی نے کہا کہ ابھی اپنے ایمان کا اعلان نہ کرنا ورنہ یہودی تجھے قتل کر دیں گے۔ تو یہود دیدہ دانستہ حق کے راستے کو چھوڑ کر گمراہ ہوئے یہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہیں۔ لہٰذا اے پروردگار! جن پر تیرا غضب ہوا ان کے راستہ پر نہ چلا اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ اور نہ ان کے راستہ پر چلا جو غلط فہمی میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے۔ یعنی نصاریٰ۔

”آمین“ اور اس کا معنیٰ :

آمین ، آمین کا معنیٰ ہے اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما۔ امین کا ذکر حدیث پاک میں آتا ہے۔ اور قرآن کریم میں اس لئے نہیں لکھی گئی کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ یہ قرآن پاک کا حصہ ہے۔ اتنی احتیاط کی گئی ہے یہ سورۃ فاتحہ کا خلاصہ میں نے بیان کر دیا ہے۔ (اللہ پاک سمجھ عطا فرمائے ، امین)۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ ۛۚ فِیْہِ ۛۚ
هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝۲ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ
بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ وَ
بِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝۴

لفظی ترجمہ :

الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتَابُ یہ کتاب ہے لَارَیْبَ فِیْہِ اس میں کوئی شک نہیں هُدًی ہدایت ہے لِلْمُتَّقِیْنَ پرہیزگاروں کے لئے الَّذِیْنَ

پرہیزگار وہ لوگ ہیں يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ جو ایمان لاتے ہیں بن دیکھے وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ اور قائم کرتے ہیں نماز کو وَمِمَّا اور اس چیز سے رَزَقْنٰهُمْ جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے يُنْفِقُوْنَ خرچ کرتے ہیں وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ ہیں يُؤْمِنُوْنَ جو ایمان لاتے ہیں بِمَآ اس چیز پر اُنْزِلَ اِلَيْكَ جو نازل کی گئی آپ کی طرف وَمَآ اور اس چیز پر اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ جو نازل کی گئی آپ سے پہلے وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

وجہ تسمیہ :

اس سورۃ کا نام سورۃ البقرہ ہے اور قرآن کریم کی ترتیب کے لحاظ سے اس کا دوسرا نمبر ہے اوپر دیکھو یہاں سورۃ البقرہ لکھا ہوا ہے اس سے پہلے دو کا ہندسہ ہے یہ بتا رہا ہے کہ اس سورۃ کا دوسرا نمبر ہے اور سورۃ الفاتحہ پہلی سورۃ ہے۔

اس سورۃ کا نام بقرہ ہے۔ بقرہ گائے کو بھی کہتے ہیں اور بیل کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی نر اور مادہ دونوں پر بقرہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس سورۃ کا نام بقرہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں عامیل نامی ایک شخص کو اس کے بھتیجوں یا چچازاد بھائیوں نے اس کی جائیداد پر قبضہ کرنے کی خاطر قتل کر دیا تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ فیصلہ تو گواہوں پر ہوتا ہے اور موقع کا گواہ تو کوئی نہیں ہے لہٰذا بات آئی گئی ہو جائے گی۔

چنانچہ قتل کرنے کے بعد یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے کہ ہمارے چچا کو کسی

نے قتل کر دیا ہے ہماری دادرسی کی جائے اور معلوم کیا جائے کہ قاتل کون ہے؟۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے.........

فَاذْبَحُوْا بَقَرَةً پس تم گائے کو ذبح کرو۔ اور اس کا ایک حصہ مثلاً دل اس مردے کو مارو وہ زندہ ہو کر خود بتادے گا کہ میرا قاتل کون ہے۔ چنانچہ انہوں نے کافی لیت و لعل کے بعد گائے کو ذبح کیا تھا جب اس کا ایک حصہ مردے کو مارا گیا تو اس نے بتایا کہ میرے قاتل فلاں ہیں۔ تو چونکہ اس سورۃ میں اس بقرہ کا ذکر ہے اس لئے اس سورہ کا نام بقرہ رکھا گیا ہے۔ یعنی وہ سورۃ جس میں گائے کے ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

اگرچہ اس سورۃ میں اور بھی کئی واقعات ہیں مگر اس واقعہ کی مناسبت سے اس کا نام بقرہ رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ قرآن کریم کی تمام سورتوں میں سے سب سے بڑی سورۃ ہے۔ اور مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے اور لفظ مدینہ کے بعد ستاسی کا ہندسہ لکھا ہوا ہے جو یہ بتارہا ہے کہ نازل ہونے کے اعتبار سے اس سورۃ کا ستاسواں نمبر ہے۔ اس کے چالیس رکوع اور دو سو چھیاسی آیات ہیں۔

الٓمّٓ: الف۔ لام۔ میم مستقل آیت کریمہ ہے اور اس میں تین حرف ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا اس کو دس نیکیاں ملیں گی (اور قرآن کریم سننے والے کو بھی ہر ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں)۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔

پھر فرمایا میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف لام ایک حرف اور میم الگ حرف ہے۔ گویا الٓمّٓ پڑھنے والا تیس نیکیوں کا حقدار ہے۔

اسی طرح سننے والا بھی تیس نیکیوں کا حق دار ہے۔ الٓـمّٓ حروفِ مقطعات ہیں یہ حروفِ مقطعات قرآن مجید کی انتیس سورتوں کے شروع میں آتے ہیں یہاں الٓـمّٓ ہے۔کہیں الر ہے کسی جگہ یٰسین ہے اور کہیں طٰہٰ ہے اور کہیں حم ہے۔

حروفِ مقطعات کا معنٰی :

مقطع کا مفہوم آپ اس طرح سمجھیں کہ کسی لفظ کو اختصار کے ساتھ لکھنے اور بولنے کے لئے اس سے ایک حرف الگ کرلیں اور وہ حرف لکھ کر یا بول کر وہ لفظ مراد لیں جیسے..........

۱)...... مردم شماری کا نمبر لکھتے ہوئے تو اس طرح لکھ دیتے ہیں (م۔ش نمبر ۱۰۰) مردم سے ''م'' لے لی اور شماری سے ''ش'' لے لیا۔تو م،ش نمبر ۱۰۰ سے مراد مردم شماری نمبر ۱۰۰ ہے۔

۲)...... یا جس طرح نوائے وقت کا مشہور کالم نویس تھا محمد شفیع مرحوم تو لفظ محمد سے میم لے لی شفیع سے شین لے لی محمد شفیع کا مخفف م،ش بنا۔ چنانچہ م،ش کی ڈائری مشہور تھی۔

۳)...... یا جس طرح ڈپٹی کمشنر کا مخفف ڈی سی ہے۔اور اسسٹنٹ کمشنر کا مخفف اے سی ہے۔اسی طرح یہ حروف مقطعات بھی مخفف ہیں۔پھر یہ کس سے مخفف ہیں؟۔اور ان کا مخفف کیا ہے؟۔

①...... تو اس کے متعلق اکثر تو فرماتے ہیں کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ ان کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ہمیں صرف ان کے پڑھنے اور سننے کا ثواب ہوگا۔ان کی حقیقت اور مراد کو ہم نہیں جانتے۔

②...... اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ھِیَ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ پھر ان کے قول کی تشریح میں اختلاف ہے کہ آیا بعینہٖ "الم ، حٰم" اللہ تعالیٰ کے نام ہیں یا یہ حروف ناموں کے مخفف ہیں۔

①...... تو ایک گروہ کہتا ہے کہ بعینہٖ یہی اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ ان پر اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں تو یہ نہیں آتے تو اس کا جواب امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ابن کثیر میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں یہ دیا ہے کہ ننانوے نام تو اللہ تعالیٰ کے مشہور ہیں۔ اور غیر مشہور تو شمار سے باہر ہیں البتہ جو بذریعہ وحی نازل ہوئے ہیں ان کی تعداد خمسۃ الآف پانچ ہزار ہے۔ جو پہلی کتابوں اور صحیفوں میں نازل ہوئے ہیں۔

②...... دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ حروف بعینہٖ نام نہیں ہیں بلکہ ناموں کے مخفف ہیں مثلاً الف مخفف ہے اللہ سے اور لام مخفف ہے لطیف کا۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے۔ ذاتی نام تو اللہ جل جلالہٗ ہے باقی سب صفاتی نام ہیں۔ جیسے رحمٰن ہے رحیم ہے جبار ہے وکیل ہے۔

عملیات کا علم جاننے والے بتاتے ہیں کہ جس مرد یا عورت کی شادی میں رکاوٹ ہو تو وہ یا رحیم یا کریم یا لطیف کا وظیفہ کرے رکاوٹ دور ہو جائے گی۔ (طریقہ وظیفہ یہ ہے کہ جس نے وظیفہ کرنا ہے وہ اپنے نام اور اپنی والدہ کے نام کے عدد نکالے اس عدد کے برابر ان تینوں لفظوں کو کسی ایک نماز کے ساتھ اکتالیس دن پڑھے ان شاء اللہ تعالیٰ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ نواز بلوچ گوجرانوالہ)۔

اور اگر آپس میں عداوت کو دور کرنا ہو تو یا رحیم یا کریم یا ودود کا وظیفہ کرے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں اور ودود کا معنٰی ہے محبت کرنے والا۔ (اس وظیفے کی ترکیب بھی وہی ہے جو میں نے اوپر ذکر کی ہے۔ بلوچ)۔

اور اگر رزق کی تنگی ہو تو یا رحیم، یا کریم، یا رزاق ہر نماز کے ساتھ تین مرتبہ پڑھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء میں برکت ہے۔ اور ہر نام کی الگ الگ خاصیت ہے۔ تو الف سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور لام سے مراد لطیف ہے اور میم سے مراد مالک ہے۔ مالک بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جزا کے دن کا مالک ہے۔ اور میم سے مراد مقتدر بھی ہو سکتا ہے اور مقیت بھی ہو سکتا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔

③...... اور تیسری بات ان حروف مقطعات کے متعلق قاضی بیضاوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ انتیس سورتوں کی ابتداء میں جو حروف مقطعات ہیں سِرٌّ بَيْنَ اللهِ تَعَالٰى وَبَيْنَ رَسُوْلِهٖ ﷺ۔ یہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے درمیان راز ہیں۔ ان کے بغیر ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا اور ان کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ کہ الف سے مراد اٰلَآءُ اللهِ ہے۔ اٰلَآءُ، اِلْیٌ یا اِلْوٌ کی جمع ہے اٰلَآءُ کا معنٰی نعمتیں ہیں۔ قرآن پاک میں آتا ہے فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور لام سے مراد لطف اللہ ہے۔ اور میم سے مراد مُلْكُ اللهِ ہے۔ معنٰی ہے گا نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ کی، مہربانی بھی اللہ تعالیٰ کی اور ملک بھی اللہ تعالیٰ کا۔ یہ ان حروف کی مختلف تعبیریں بیان کی گئی ہیں۔ صحیح مفہوم اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ یہ کتاب جو ہمارے سامنے موجود ہے لَا رَیْبَ فِیْهِ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور منبع رشد و ہدایت ہے۔ اور اس کی ہر بات حقیقت پر مبنی ہے۔ اس پر بظاہر یہ سوال ہوتا ہے کہ شک کرنے والوں نے تو قرآن کریم پر شک کیا۔ چنانچہ خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ نکالو اسی پارے کا تیسرا رکوع اس کی دوسری آیت دیکھو۔ (ایسا میں اس لئے کرتا ہوں تا کہ تم صرف سنو ہی نہیں بلکہ خود دیکھو کہ تمہیں کچھ شد بدھ حاصل ہو جائے)۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اور اگر ہو تم شک میں اس جز کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمائی ہے تو لاؤ تم اس جیسی کوئی ایک سورت۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ شک کرنے والوں نے قرآن کریم پر شک کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

قرآنِ کریم میں شک کا مطلب :

لَا رَیْبَ فِیْهِ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں تو کوئی شک نہیں ہے یہ ان کے ذہنوں میں شک تھا تو یہ الگ الگ چیزیں ہیں آپس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس کی مثال تم اس طرح سمجھو کہ جیسے شہد ہے کہ اس کے میٹھے ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے لیکن صفراوی مزاج والے آدمی کو بخار ہو تو اسے شہد کڑوا لگتا ہے۔ شہد تو کڑوا نہیں ہے اس کا مزاج کڑوا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں تو کوئی شک نہیں ہے ان کے ذہنوں میں شک ہے۔

یا اس طرح سمجھو کہ بعض آدمی بھینگے ہوتے ہیں۔ ان کو ایک کی بجائے دو چیزیں نظر آتی ہیں تو چیز تو ایک ہوتی ہے مگر اس کی آنکھوں میں خلل ہوتا ہے۔ جیسے

کیمل پور (فیصل آباد) میں غلام جیلانی برق بھینگا تھا اس نے دو قرآن کے نام سے
ایک کتاب لکھی ہے اس بھینگے کو ایک قرآن دو نظر آتے تھے اسی طرح اس نے دو اسلام
نامی کتاب بھی لکھی ہے۔ اس کا جواب میں نے صرف ایک اسلام نامی کتاب لکھ کر دیا
ہے۔ اور یہ میں نے ملتان جیل میں لکھی تھی۔ تو اس بھینگے کو ایک کی بجائے دو اسلام نظر
آتے تھے۔ اور اس کی کتاب دو قرآن کا جواب قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیا
تھا۔ لہٰذا قرآن کریم میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ ان کے ذہنوں میں شک تھا۔

هُدًى یہ تو نری ہدایت ہے لِّلْمُتَّقِيْنَ پرہیزگاروں کے لئے۔ اس پر بھی
بظاہر اعتراض ہوتا ہے کہ جو پہلے ہی پرہیزگار ہیں ان کے لئے ہدایت ہونا کیا کمال
ہے۔ کمال یہ تو تھا کہ نافرمانوں اور مجرموں کے لئے یہ کتاب ہدایت ہوتی۔

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم ہدایت تو تمام انسانوں کے لئے ہے
جیسا کہ دوسرے پارہ میں ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى
لِّلنَّاسِ اور سورۃ فرقان میں ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ
لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا بابرکت ہے وہ ذات جس نے فرقان نازل فرمایا اپنے
بندے پر تاکہ تمام جہانوں کے لئے نذیر بنے۔ مگر چونکہ فائدہ اس سے پرہیزگار
اٹھاتے ہیں دوسرے لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے اس لئے ان کے لئے ہدایت پہنچنے کے
اعتبار سے کہ متقی اسی کو قبول کرنے والے ہیں آگے کون لوگ ہیں فرمایا.........

﴿مومنین کی صفات﴾

① ......متقیوں کی پہلی صفت :

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ پرہیزگار وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں بن

دیکھے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھی ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ذات ہے جو تمام صفات وکمالات کو جامع ہے اور سارا جہان اس کے تصرف اور قبضے میں ہے۔ اس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء ہے، نہ اس کا باپ ہے، نہ ماں ہے، نہ وہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ وہ بیمار ہوتا ہے، نہ اسکو موت آئے گی، وہ تمام کمزوریوں اور عیبوں سے پاک اور مبرا ہے۔

جس طرح ہم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا مگر اس پر ہمارا ایمان ہے اسی طرح ہم نے پیغمبروں کو بھی نہیں دیکھا مگر ان پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ سب سے پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام اور سب سے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے درمیان بھی جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں ان سب پر ہمارا ایمان ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے میں برحق پیغمبر تھے۔

اسی طرح ہم نے فرشتوں کو بھی نہیں دیکھا اور دعا کرو کہ جلدی جلدی نظر بھی نہ آئیں کیونکہ موت کے وقت فرشتے ہر ایک کو نظر آتے ہیں۔ مگر ہمارا ایمان ہے کہ فرشتے موجود ہیں۔

اسی طرح جنت و دوزخ پر بن دیکھے ہمارا ایمان ہے۔ پلصراط، میدان محشر کو بن دیکھے مانتے ہیں، قبر کی راحت اور تکلیف کو نہیں دیکھا مگر اس پر ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ قبر کی تکلیف سے سب کو محفوظ فرمائے۔ تو متقیوں کی پہلی صفت ایمان بالغیب ہے یعنی عقیدے کا درست ہونا۔

②..... متقیوں کی دوسری صفت :

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ اور وہ قائم کرتے ہیں نماز کو۔ قائم کرنے کا معنٰی ہے کہ

نماز کو تمام شرائط اور واجبات کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ جو لوگ رکوع، سجود، قومہ، جلسہ اطمینان کے ساتھ ادا نہیں کرتے ان کی نماز کامل نہیں ہوتی۔ ایسے ہی ٹکریں مارتے ہیں۔

اسی طرح جو آدمی بغیر مجبوری کے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا اکیلے پڑھ لیتا ہے۔ اس کی بھی کامل نماز نہیں ہوتی۔ اور جو لوگ مسجد کے قریب رہتے ہیں وہ اگر مسجد میں نماز نہ پڑھیں تو ان کی نماز بھی نہیں ہوگی۔

حدیث پاک میں آتا ہے لَاصَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہی ہوتی ہے۔ ہاں کوئی بڑھاپے کی وجہ سے گھٹنوں اور ٹخنوں سے رہ گیا ہے یا بیمار ہے یا بارش کی وجہ سے مسجد میں نہیں آسکتا یا سفر پر ہے یا اندھیرا ہے یا اور کوئی ایسی وجہ ہے تو اس کو گھر میں نماز پڑھنے پر بھی پوری نماز کا ثواب ملے گا۔

③...... متقیوں کی تیسری صفت :

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور اس چیز سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ اکثر حضرات تو فرماتے ہیں کہ چیز سے مراد مال ہے یعنی ہم نے ان کو جو مال دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں عشر نکالتے ہیں، فطرانہ ادا کرتے ہیں اور نفلی صدقات بھی کرتے رہتے ہیں بخاری شریف میں روایت ہے اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ بیشک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

بعض لوگ بڑے کنجوس ہوتے ہیں زکوٰۃ کے مال کے علاوہ مال خرچ کرنے

کیلئے تیار نہیں ہوتے رشتہ داریاں بھی زکوٰۃ کے ساتھ نبھاتے ہیں۔ مثلاً ان کے عزیزوں، رشتہ داروں کی شادیاں ہوں تو آ کر مسئلہ پوچھتے ہیں کہ ہمارے عزیز کے بچہ بچی کی شادی ہے وہاں ہماری زکوٰۃ لگ سکتی ہے؟۔ بھائی! ٹھیک ہے اگر وہ مستحق ہے تو اس کو زکوٰۃ لگ جائے گی مگر زکوٰۃ کے علاوہ دوسرا مال بھی تو تمہارے پاس موجود ہے وہ کیوں نہیں دیتے؟ زکوٰۃ پر کیوں ٹرخاتے ہو؟۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر :

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سے مراد صرف مال ہی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نعمت اور قوت عطا فرمائی ہے، علم ہے، عقل ہے، بدنی طاقت ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں۔ کسی کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے وہ اس کو خرچ کرتے ہیں کہ دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر تمہارے پاس شریعت کا ایک مسئلہ بھی ہے تو اس کو دوسروں تک پہنچانا تمہارے فریضہ میں داخل ہے۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے تو وہ دوسروں کو اچھا مشورہ دے ان کی راہنمائی کرے کسی کو رب تعالیٰ نے قوت بدنی عطا فرمائی ہے تو وہ کمزوروں کی بدنی مدد کرے کہ ان کے کام آئے ان کا ہاتھ بٹائے۔

۴......متقیوں کی چوتھی صفت :

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو نازل کی گئی آپ کی طرف۔ قرآن کریم اور حدیث شریف پر ایمان

لاتے ہیں۔ حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ کان کھول کر سن لو! مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن بھی دیا ہے اور حدیثیں بھی عطا کی ہیں۔

قرآن اور حدیث میں فرق یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے الفاظ وہ ہیں جو لوحِ محفوظ سے نازل ہوئے ہیں اور حدیث کے الفاظ وہ ہیں جو آپ ﷺ نے تلفظ فرمائے ہیں۔ اور مفہوم قرآن وحدیث دونوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور مفہوم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور حدیث میں مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی تعبیر آپ ﷺ اپنے الفاظ میں فرماتے تھے۔

جبرئیل علیہ السلام جو حکم آپ ﷺ تک پہنچاتے آپ اس کا ترجمہ اپنی زبان میں کر دیتے تو قرآن بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لہٰذا جس طرح قرآن کریم کا منکر کافر ہے اسی طرح مجموعی حیثیت سے احادیث کا منکر بھی پکا کافر ہے۔

⑤ ...... متقیوں کی پانچویں صفت :

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور اس چیز پر جو نازل کی گئی آپ سے پہلے۔ جتنی بھی آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں ان سب پر ہمارا ایمان ہے اور ایمان مفصل میں ہم پڑھتے ہیں اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو

ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو آپ ﷺ پر نازل کی گئی اور اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نازل کی گئی اگر آپ ﷺ کے بعد کسی نے آنا ہوتا تو فرماتے اور ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ ﷺ کے بعد نازل کی جائے گی مگر یہ نہیں فرمایا کیونکہ آپ ﷺ کے بعد نازل ہونے والی کوئی چیز تھی ہی نہیں اس لئے مِنْ بَعْدِكَ نہیں فرمایا۔ اگر آپ ﷺ کے بعد نبوت ہوتی اور وحی آنی ہوتی تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے متعلق بھی فرماتے۔

⑥...... متقیوں کی چھٹی صفت :

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ کہ قیامت حق ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور یاد رکھنا قیامت دور نہیں ہے آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ جو شخص مرتا ہے پس تحقیق اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے۔ جنت دوزخ سامنے آجائے گی بلکہ آنکھیں بند ہوئے سے پہلے دنیا کی زندگی کے آخری لمحات میں ہی فرشتے نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ مرنے والے کے علاوہ دوسرے لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ کیونکہ ایمان بالغیب ہے۔

اور مرنے والے کو جان نکالنے والا فرشتہ اور اس کے ساتھ جو اس کے معاون ہوتے ہیں، نظر آتے ہیں۔ نیک ہے تو جنت کا لباس اور خوشبوئیں لے کر آتے ہیں اور اگر بد ہے تو جہنم کے ٹاٹ اور بدبوئیں لے کر آتے ہیں۔ اس لئے قبر کو نہ بھولو جزا سزا کو نہ بھولو آخرت کو نہ بھولو۔

جوانی میں عبادت :

نوجوانو یاد رکھو! عبادت تو عبادت ہے نماز تو نماز ہی ہے چاہے نوجوان پڑھے یا بوڑھا مگر نوجوان کی عبادت اور نماز کا لطف ہی اور ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے کے نیچے جن لوگوں کو جگہ ملے گی ان میں ایک وہ شَابٌّ نوجوان ہوگا نَشَاءَ فِیْ عِبَادَۃِ اللہِ تَعَالٰی جس کی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزری ہوگی۔

لہٰذا جوانی کی حالت میں عبادت کا بڑا درجہ ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اس کو صرف سنو ہی نہیں بلکہ اس پر عمل بھی کرو۔ اللہ تعالیٰ سب کو اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ
عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى
سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ ع

لفظی ترجمہ :

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى یہی لوگ ہدایت پر ہیں مِّنْ رَّبِّهِمْ اپنے پروردگار کی طرف سے وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ برابر ہے ان پر ءَاَنْذَرْتَهُمْ کیا آپ ان کو ڈرائیں اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یا نہ ڈرائیں لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

خَتَمَ اللّٰهُ مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں پر وَعَلٰى سَمْعِهِمْ اور ان کے کانوں پر وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اور

ان کی آنکھوں پر پردہ ہے وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اوران کے لئے عذاب ہے بڑا۔

ربط کی اہمیت :

کل کے درس میں آپ نے سنا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اوراس میں کوئی شک نہیں ہے۔اور پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے۔پھر پرہیز گاروں کے اوصاف بیان فرمائے کہ پرہیز گار وہ لوگ ہیں.........

① ..... يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ جو بن دیکھے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہیں اس کے پیغمبر پر ایمان لاتے ہیں اس کی کتابوں کو مانتے ہیں۔

② ..... اوران کی دوسری خوبی یہ ہے کہ نماز قائم کرتے ہیں نماز ایسی عبادت ہے کہ جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے۔اگر نماز کو اسلام سے نکال دیا جائے تو اسلام کی عمارت کھڑی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے حدیث پاک میں آتا ہے اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ نماز دین کا ستون ہے۔ ستون کے بغیر عمارت کھڑی نہیں ہوسکتی۔

③ ..... اور تیسری صفت بیان فرمائی کہ ہم نے جوان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ مال ہے علم ہے قوۃ بدنی ہے مشورے کی صلاحیت ہے۔

④ ..... چوتھی صفت بیان فرمائی کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے، قرآن و سنت سے اس پر ایمان لاتے ہیں۔

⑤ ..... اور پانچویں صفت بیان فرمائی کہ آپ سے پہلے جو کچھ نازل ہوا ہے

توراۃ، انجیل، زبور اور صحیفے اس پر بھی ایمان لاتے ہیں۔

⑥...... اور چھٹی صفت یہ بیان فرمائی کہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

آگے اس کا نتیجہ بیان فرمایا......

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ یہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لیں وہ یہ کہ آیا قرآن کریم آپس میں مربوط ہے یا نہیں اس طرح کہ سورتوں کا سورتوں کے ساتھ ربط رکوعوں کا رکوعوں کے ساتھ ربط آیتوں کا آیتوں کے ساتھ آپس میں ربط اور جوڑ ہے یا نہیں۔ تو اس سلسلہ میں مفسرین کرام رحمہم اللہ کے دو گروہ ہیں۔

①...... ایک گروہ کا نظریہ ہے کہ کوئی ربط نہیں ہے، یہ شاہی فرمان ہے، بادشاہ اپنے ایک وزیر کو حکم دیتا ہے کہ تو نے یہ کام کرنا ہے دوسرے وزیر کو حکم دیتا ہے کہ تو نے وہ کام کرنا ہے۔ باورچی کو اس کے متعلق حکم دیتا ہے۔ دھوبی کو اس کے متعلقہ حکم دیتا ہے کہ تو نے کپڑے دھونے ہیں، ان کو استری کرنی ہے۔ کسی کو بوٹ پالش کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یعنی ہر ایک کے حال کے مطابق حکم دے گا۔ ان کے درمیان ربط کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بادشاہ کے احکام ہیں بس ٹھیک ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر ایک کے حال کے مطابق احکام جاری فرمائے ہیں ان میں ربط تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس شاہی فرمان ہے، اس کو مانو اور اس پر عمل کرو۔

②...... اور مفسرین کرام رحمہم اللہ کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ بیشک قرآن کریم

شاہی فرمان ہے مگر شاہی فرمان ہونے کے باوجود اس میں ربط موجود ہے۔ اور قرآن کریم کی تفسیر میں جو خاصی مشکل چیزیں ہیں ان میں ایک ''ربط'' بھی ہے۔

جو حضرات ربط کے قائل ہیں ان میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی رحمۃ اللہ علیہ ، مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے پیرومرشد مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (واں بھچراں والے) کے علاوہ کئی دیگر بزرگ شامل ہیں۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ اور سورۃ بقرہ میں یہ ربط ہے کہ سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم کا مطالبہ تھا۔ اور سورۃ بقرہ میں اس کی منظوری ہے کہ تم نے جو ہدایت مانگی تھی وہ میں نے اس کتاب کی شکل میں تمہیں دے دی ہے.........

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ اس کتاب میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور یہ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے جب بھی کوئی مصلح پروگرام لے کر لوگوں کے پاس آیا ہے تو اس کا واسطہ تین قسم کے لوگوں کے ساتھ پڑا ہے.........

①...... ایک وہ جنہوں نے اس کو دل اور زبان سے مانا اور یقین کیا یعنی انہوں نے اس کو ظاہراً اور باطناً تسلیم کیا أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ تک اس گروہ کا ذکر تھا۔ یہ مومن متقی کہلاتے ہیں۔

②...... اور دوسرا گروہ وہ ہوتا ہے جو نہ دل سے مانتا اور تسلیم کرتا ہے اور نہ زبان سے یہ کافر جابر کہلاتا ہے اگلی دو آیتوں میں اس گروہ کا ذکر

ہے۔

③...... اور تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو زبان سے مانتے ہیں مگر دل سے تسلیم نہیں کرتے، یہ منافق کہلاتے ہیں۔ اگلے سارے رکوع میں یعنی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ تک ان کا ذکر ہے۔ اور ایسے لوگوں سے چونکہ زیادہ خطرہ ہوتا ہے کہ یہ اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ ہوتے ہیں لوٹے کی طرح پھرتے رہتے ہیں اس لئے ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ ان دو آیتوں میں جابر کافروں کا ذکر ہے۔ جو نہ دل سے مانتے ہیں اور نہ زبان سے اقرار کرتے ہیں۔ یعنی انہوں نے قرآن کریم کو اور رسول ﷺ کو نہ دل سے مانا اور نہ زبان سے اقرار کیا۔ فرمایا.........

منکرین کا انجام :

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ برابر ہے ان پر ءَاَنْذَرْتَهُمْ کیا آپ ان کو ڈرائیں اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یا نہ ڈرائیں لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس آیتِ کریمہ پر دو اشکال وارد ہوئے ہیں.........

①...... ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کفار کو آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے تو جب ان کے حق میں ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے تو ان کو ایمان کی دعوت دینا اور تبلیغ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ذمہ ایسا مہمل کام کیوں لگایا ہے؟۔

اس کے جواب میں قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ فرمایا ہے سَوَآءٌ عَلَیْکَ نہیں فرمایا۔ یعنی ان کافروں کے لئے برابر ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے لئے تبلیغ کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کو دعوت اور تبلیغ کا ثواب ملے گا۔ کوئی مانے یا نہ مانے اور اب بھی یہی مسئلہ ہے کہ جو مبلغ حق کی تبلیغ کرتا ہے اس کو بیان کرنے کا ثواب ملے گا اگر کوئی خوش قسمت مان لے تو نور علیٰ نور اور اگر کوئی نہ بھی مانے تو اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

②...... دوسرا اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا یُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ حالانکہ بہت سارے کافر ایمان لائے دیکھو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے کافر مشرک ہی تو تھے اس کے جواب میں مفسرین کرام علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس کا مصداق وہ کافر ہیں کہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان کی استعداد خراب ہے اور ان کا خاتمہ کفر پر ہونے والا ہے۔ جیسے ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ، عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ جن کا خاتمہ کفر پر ہی ہوا اور جن کی قسمت میں ایمان تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ اس میں داخل نہیں ہیں۔

اگلی آیت کریمہ کو ذرا غور اور توجہ کے ساتھ سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مہر لگادی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر وَعَلٰی سَمْعِھِمْ اور ان کے کانوں پر وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں۔

دلوں پر مہر کا مطلب :

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی

کانوں میں ڈاٹے چڑھا دیئے اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے یعنی ان کی ہدایت کے سارے راستے بند کر دیئے تو اس کے بعد اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان کا کیا قصور ہے؟ وہ رب تعالیٰ سے زور آور تو نہیں ہیں کہ خود پردے اٹھالیں، ڈاٹے نکال لیں اور دلائل کو دیکھ سن کر ایمان لے آئیں۔ رب، رب ہے اس سے زیادہ طاقت ور کون ہے۔ اور کافر بھی رب کو رب مانتے تھے اور مشرک بھی رب تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے بلکہ ظاہر طور پر اگر دیکھا جائے تو نام کے مسلمانوں سے مشرکوں کو رب تعالیٰ سے عقیدت زیادہ تھی۔ اور یہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

شرک کا وسیلہ :

چنانچہ آٹھویں پارے میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا دستور بتایا ہے فرمایا وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ نَصِيْبًا اور بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی پیدا کی ہوئی کھیتی سے اور مویشیوں سے ایک حصہ فَقَالُوْا پھر کہتے ہیں هٰذَا لِلّٰهِ یہ حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ بِزَعْمِهِمْ اپنے خیال کے مطابق وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے۔

تو مشرک پہلے رب تعالیٰ کا حصہ نکالتے تھے پھر خود ساختہ معبودوں کا حصہ نکالتے تھے جبکہ یہ نام کے مسلمان جن کو دین کی حقیقت کا علم نہیں ہے یہ صرف بزرگوں کے پیچھے پھرتے رہتے ہیں انہیں کا دھواں دھاتے رہتے ہیں پھر تھک ہار کے رب تعالیٰ کی طرف آتے ہیں۔

اور سورۃ یونس میں آتا ہے کہ مشرک کہتے تھے هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات بہت

بلند ہے اور ہم بڑے گھٹیا اور حقیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ یہ ہماری سفارش کرتے ہیں۔ کہتے تھے کہ اس طرح سمجھو کہ صدر مملکت کو رعیت کا ہر آدمی تو بغیر واسطہ کے نہیں مل سکتا بلکہ ڈی، سی، کمشنر، وزیر اعلیٰ وغیرہ کا واسطہ تلاش کرے گا۔ جن کے ذریعے سے وہاں تک پہنچے گا اسی طرح ہم ان کے ذریعے خدا تک پہنچتے ہیں۔

اور سورۃ زمر میں ہے کہ وہ کہتے تھے مَا نَعْبُدُ هُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللهِ زُلْفٰى ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے یہ ہماری سیڑھیاں ہیں۔ ہماری ان کے آگے اور ان کی خدا کے آگے۔ مشرک ان کو رب نہیں مانتے تھے بلکہ رب تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بناتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل میں فرمایا فَلَاتَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ط پس تم خدا کے لئے ایسی مثالیں نہ بیان کرو اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہارے حالات اور ضروریات کا علم ہے۔ اس کو کسی کے ذریعہ سے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور تمہارے صدر وغیرہ کچھ نہیں جانتے۔ بلکہ وہ تو پہلے ملاقاتیوں کی تسلی کرے گا کہ کہیں کوئی مجھے گولی مارنے کے لئے تو نہیں آرہا، پھر ملاقات کی اجازت دے گا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی مثال بھی دیتے تھے کہ مکان کی چھت پر چڑھنے کے لئے سیڑھیوں کی ضرورت ہوتی ہے اُڑ کر تو کوئی نہیں جاسکتا تو یہ بزرگ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے ہماری سیڑھیاں ہیں۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس طرح دیا فرمایا.........

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تو یہاں کون سی سیڑھی لگاؤ گے اس ساری گفتگو سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مشرک رب تعالیٰ کا منکر نہیں ہوتا بلکہ بظاہر بڑا عقیدت مند ہوتا ہے۔ اور رب تعالیٰ کو بڑا سمجھتا ہے تو جب رب تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی، کانوں پر مہر لگادی، آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو وہ ان کو ہٹا کر کیسے ایمان لا سکتے ہیں؟ تو وہ ایمان نہ لائیں تو ان کا کیا قصور ہے؟ ایمان لانے کے راستے بھی بند کر دیئے جائیں اور ان کو کہا جائے کہ ایمان لاؤ یہ تو اس طرح ہے جس طرح فارسی زبان کا شاعر کہتا ہے

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

کہ کسی شخص کے ہاتھ پاؤں باندھ کر پانی میں پھینک دیا جائے اور اسے کہا جائے کہ تر نہ ہونا۔ بھائی! وہ پانی سے تر نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ تو جب رب تعالیٰ نے مہریں لگا کر ان کے راستے بند کر دیئے تو اب وہ اگر ایمان نہ لائیں تو ان کا کیا گناہ ہے؟۔

اسی طرح سورۃ مدثر میں آتا ہے یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ تو ہدایت اور گمراہی تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہے تو پھر گمراہیوں کا کیا قصور ہے؟۔ اس کا جواب سمجھنے سے پہلے ایک اصول سمجھ لیں وہ یہ کہ قرآن کریم میں ایک جگہ اجمال ہوتا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے کسی مسئلے میں اشتباہ

نہیں رہنے دیا بلکہ دوسری جگہ اس کی وضاحت کردی ہے کوئی نہ سمجھے تو اس کی مرضی ہے۔

اس اشکال کا جواب سمجھنے کے لئے آپ سورۃ حم سجدہ نکالیں یہ پہلی آیات تو میں تبرک کے طور پر پڑھتا ہوں۔ حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ رحمٰن اور رحیم کی طرف سے اتارا گیا ہے کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ یہ قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کی آیات تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا قرآن عربی زبان میں ہے۔ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ اس قوم کے لئے جو جانتی ہے کہ یہ قرآن ہے۔ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا یہ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔ لیکن قرآن کریم کے ساتھ قوم نے کیا، کیا؟ فرمایا.........

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ پس ان کی اکثریت نے اعراض کیا اس جملے کو نہ بھولنا کہ ان کی اکثریت نے قرآن کریم سے اعراض کیا اس سے چہرہ پھیرلیا۔ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ پس وہ سنتے نہیں ہیں یعنی مانتے نہیں ہیں اور کہتے کیا ہیں۔ وَقَالُوْا اور انہوں نے کہا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ ، اَكِنَّةٌ ، كِنَانٌ کی جمع ہے اور کنان کا معنٰی ہے پردہ اور غلاف۔ معنٰی ہوگا ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔

مِمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ اس چیز سے جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو یعنی ہم نے اپنے دلوں کو پردوں میں سنبھال رکھا ہے تمہاری دعوت کا ہمارے اوپر کوئی اثر نہیں ہے۔ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹے ہیں، ہم نے کانوں میں ڈاٹے چڑھائے ہوئے ہیں۔

وَمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ اور ہمارے اور تیرے درمیان پردہ ہے

ہم نے اپنی آنکھوں کے آگے پردہ لٹکایا ہوا ہے ہم ان نگاہوں سے تجھے دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں جن نگاہوں سے تجھے ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) دیکھتے ہیں۔

فَاعْمَلْ پس تو اپنا کام کر اِنَّنَا عَامِلُوْنَ ہم اپنا کام کرنے والے ہیں۔

اب دیکھو! جن لوگوں نے اپنے کسب، اختیار اور ارادے سے اپنے دلوں پر غلاف چڑھا لئے، کانوں میں ڈاٹے ٹھونک لئے، اپنی آنکھوں پر پردے لٹکائے اور اپنے سینے ہدایت کے تمام راستے بند کر لئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ ویسا ہی عمل کیا کیونکہ قانونِ خداوندی ہے.........

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى جدھر کوئی جانا چاہتا ہے ہم اس کو ادھر ہی بھیج دیتے ہیں۔

تو جب انہوں نے پردے لٹکا لئے تو اللہ تعالیٰ نے کہا ٹھیک ہے تم اس پر راضی ہو تو خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر وَعَلٰى سَمْعِهِمْ اور ان کے کانوں پر وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں۔ جو انہوں نے پسند کیا اللہ تعالیٰ نے ویسا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر جبر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے کے بعد اختیار دیا ہے۔

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو دونوں راستے دکھا دیئے، فرمایا وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ اور ہم نے اس کو دکھا دیئے دونوں راستے خیر کا بھی اور شر کا بھی۔

اسی طرح قرآن کریم کی اس آیت کریمہ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے کی تفصیل

بھی متعدد مقامات پر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کو ہدایت دیتا ہے اور کس کو گمراہ کرتا ہے۔ تیرہواں پارہ سورۃ رعد میں ارشادِ ربانی ہے.........

وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ اور اپنی طرف کا راستہ اسے دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو ہدایت اس کو نصیب ہوتی ہے جو رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور گمراہ کس کو کرتا ہے؟ فرمایا.........

فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (سورۃ صف) پس جب ان لوگوں نے کجی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے جبراً کسی کو گمراہ نہیں کیا ان آیات کو یاد کرو اور سمجھو تاکہ کوئی تمہیں دھوکہ نہ دے سکے کہ بندے کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ تو مجبور ہیں یہ بات بالکل غلط ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اختیار دیا ہے.........

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے جبر اور اختیار کے متعلق دو فرقے ہیں ان کے نظریات بھی سمجھ لیں.........

معتزلہ اور جبریہ کے عقائد باطلہ :

① ...... ایک فرقہ ہے معتزلہ، معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ اگر ہم تقدیر مانتے ہیں تو ہمیں کس نیکی کا صلہ ملے گا؟ کیونکہ جو لکھا ہے وہی کرتے ہیں اس میں ہمارا کیا اختیار ہے؟۔ لہٰذا انہوں نے سرے سے تقدیر کا انکار کر دیا۔

② ...... اور دوسرا فرقہ ہے جبریہ وہ کہتے ہیں کہ ہم رب تعالیٰ کے ہاتھ میں کٹھ

پتلی ہیں ہم کچھ نہیں کر سکتے رب تعالیٰ ہی ہم سے سب کچھ کرواتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مجبورِ محض ہیں۔

لیکن اہلِ حق اہل السنۃ والجماعت کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو مجبور محض بھی نہیں بنایا اور ہر چیز کا اختیار بھی نہیں دیا اور جتنا اختیار دیا ہے اس سے اتنا ہی پوچھا جائے گا۔ (کتنا اختیار دیا ہے اس کو اس طرح سمجھو کہ ایک ٹانگ اٹھانے کا اختیار دیا ہے بیک وقت دونوں ٹانگوں کو اٹھانے کا اختیار نہیں دیا۔ اگر ایسا کرے گا تو گر جائے گا۔ بلوچ)۔

البتہ ایک سوال خاصا مشکل ہے وہ یہ کہ دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے یا ہو رہا ہے سب کچھ پہلے سے تقدیر میں لکھا ہوا ہے اور اس لکھے ہوئے کو ہم بدل نہیں سکتے تو پھر ہم مجبور محض ہوئے۔ یہ بات اسی طرح ہے کہ سب کچھ پہلے سے تقدیر میں لکھا ہوا ہے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ علماءِ متکلمین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہے وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور عَلِيْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے وہ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے۔ اسے علم تھا کہ کس نے اپنی مرضی سے ایمان لانا ہے اور کس نے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرنا ہے کس نے نیکی کرنی ہے اور کس نے بدی کرنی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے سب کچھ لکھ دیا ہے کہ یہ کچھ ہوگا اور کریں گے اپنی مرضی سے اس طرح نہیں لکھا فلاں کو اس طرح کرنا پڑے گا جو انہوں نے کرنا تھا وہ لکھا ہوا ہے۔ لہٰذا آدمی مختار ہے ایمان لانے میں اور کفر اختیار کرنے میں مجبور نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کا نتیجہ بھی بیان فرما دیا کہ جو متقی ہیں اُولٰٓئِكَ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی فلاح پانے والے ہیں اور جو کافر ہیں وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اوران کے لئے بہت بڑا عذاب ہوگا۔اللہ تعالیٰ کفر سے بھی اوراس کے نتائج سے بھی ہر مسلمان کو محفوظ فرمائے۔اوراللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر طرح کے عذاب سے بچائے اور محفوظ فرمائے......آمین۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ ؕ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ
فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ بِمَا
كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿١٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا
فِي الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿١١﴾
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا
يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ
النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ
اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾
وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ صلے وَاِذَا
خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

لفظی ترجمہ :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اورلوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر وَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اورآخرت کے دن پر وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ اورنہیں ہیں وہ ایمان لانے والے۔

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ دھوکہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اوران لوگوں کوجوایمان لائے وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ اوروہ نہیں دھوکہ دیتے مگراپنی جانوں کو وَمَا یَشْعُرُوْنَ اوروہ شعورنہیں رکھتے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان کے دلوں میں بیماری ہے فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا پس زیادہ کردیااللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اوران کے لئے عذاب ہوگادردناک بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اورجس وقت کہاجاتا ہےان کو لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ نہ فسادمچاؤزمین میں قَالُوْٓا کہتے ہیں اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ

پختہ بات ہے ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں اَلَآ اِنَّھُمْ خبردار بے شک وہ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وہی ہیں فساد کرنے والے وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ اور لیکن ان کو شعور نہیں ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا اور جس وقت کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ جیسے ایمان لائے ہیں لوگ قَالُوْآ کہتے ہیں اَنُؤْمِنُ کیا ہم ایمان لائیں کَمَا اٰمَنَ السُّفَھَآءُ جیسا کہ ایمان لائے ہیں بے وقوف۔

اَلَآ خبردار! اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ بے شک یہی ہیں بے وقوف وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ اور لیکن وہ جانتے نہیں ہیں وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور جس وقت ملاقات کرتے ہیں ایمان والوں سے قَالُوْآ اٰمَنَّا کہتے ہیں ہم بھی مومن ہیں۔

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ اور جس وقت جاتے ہیں اپنے شیطانوں کی طرف قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ پختہ بات ہے ہم تو مومنوں سے مذاق کرتے ہیں اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ اللہ تعالیٰ ان کو استہزاء کا بدلہ دے گا وَیَمُدُّھُمْ اور ان کو مہلت دیتا ہے فِیْ طُغْیَانِھِمْ ان کی سرکشی میں یَعْمَھُوْنَ وہ سرگرداں اور حیراں پھرتے ہیں۔

ربط :

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا سوال کیا تھا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا اور ہدایت عطا کردی اور فرمایا ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اس کتاب میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور یہ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ ہدایت نامے کو قبول کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں تین گروہ ہیں۔

①...... ایک وہ جو دل سے تسلیم کرتے ہیں اور زبان سے اقرار کرتے ہیں أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک ان کا ذکر تھا۔

②...... دوسرا گروہ ہے جو نہ تو زبان سے اقرار کرتا ہے اور نہ دل سے تسلیم کرتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے لے کر وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ تک ان کا ذکر تھا۔

③...... اور تیسرا گروہ وہ جو زبان سے اقرار کرتا ہے مگر دل سے تسلیم نہیں کرتا جس کو شریعت کی اصطلاح میں منافق کہتے ہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تک ان کا ذکر ہے۔ فقہاء کرام، محدثین عظام، اور مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔

منافقین کے دو طبقے :

(۱)...... ایک نفاق اعتقادی ہے۔ (۲)...... اور دوسرا نفاق عملی ہے۔

①...... اعتقادی منافق وہ ہوتا ہے جو دل سے بالکل تسلیم نہیں کرتا یعنی اس

کے دل میں بالکل ایمان نہیں ہوتا۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے کہتا ہے کہ میں مومن ہوں۔ یہ منافق کافر اور مشرک سے بھی بدتر اور خطرناک ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی سزا بھی سب سے زیادہ سخت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے جو سب سے زیادہ سزا والا طبقہ ہے۔

(۲)...... دوسرا نفاق عملی ہے۔ عملی منافق اسے کہتے ہیں کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہوتا ہے مگر عمل منافقوں والے کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عملی نفاق کی چار علامتیں بیان فرمائی ہیں جس شخص میں ایک علامت ہوگی وہ ایک درجے کا منافق ہوگا۔ جس میں دو علامتیں ہوں گی وہ دوسرے درجے کا منافق ہوگا۔ جس میں تین علامتیں پائی گئیں وہ تین درجوں کا منافق ہوگا۔ اور جس میں چاروں علامتیں پائی گئیں......

كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وہ پکا منافق ہے ہمیں خالی الذہن ہو کر ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ کہیں ان میں سے کوئی علامت ہمارے اندر تو نہیں ہے۔ اگر ہے تو بہت بری بات ہے۔ وہ علامتیں کیا ہیں؟۔ فرمایا......

منافقین کی نشانیاں :

۱)...... اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ یہ منافق کی پہلی علامت ہے۔ جھوٹ کسے کہتے ہیں ہر وہ بات جو واقعہ کے خلاف ہو شریعت اسے جھوٹ کہتی ہے۔ اب ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ ہم نے کبھی زندگی میں جھوٹ تو نہیں بولا اگر بولا ہے تو ہمیں اپنے آپ کو ایک

درجے کا منافق سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان بالکل حق اور سچ ہے۔

ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جگہ تشریف لے جارہے تھے کہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بڑے بلند پائے کی صحابیہ ہیں ان کا بچہ بچوں میں کھیل رہا تھا ان کو اپنے بچے سے کوئی کام تھا اس کو بلایا وہ نہ آیا بچوں کو کھیل پیارا ہوتا ہے۔ بار بار بلانے کے باوجود جب نہ آیا تو انہوں نے کہا کہ آؤ میں تمہیں کوئی چیز دوں گی یہ بچے کو لالچ دیا تو وہ بچہ آگیا۔ آنحضرت ﷺ کھڑے ہوگئے کہ بچے کو کوئی چیز دیتی ہے کہ نہیں؟۔

پھر فرمایا مائی اس کو کوئی چیز دے تاکہ تو جھوٹ سے نکل جائے۔ اگر نہیں دے گی تو یہ تیرا جھوٹ ہوگا۔ یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے۔ خصوصاً عورتوں کو کہ یہ بچوں کو لالچ دیتی ہیں۔ مگر دیتی کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور یہ جھوٹ ہے۔ اور چیز بھی وہ ہو جس سے بچہ مطمئن ہو ریت مٹی نہ ہو، اس طرح جھوٹ سے نہیں نکلو گے۔

اور ہماری حالت تو یہ ہے کہ جھوٹ بول بول کر جھوٹ سے نفرت ہی ختم ہوگئی ہے۔ اور ہیں ہم پکے مومن۔ ہونٹوں کے پاس فرشتے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ذمہ ڈیوٹیاں ہیں کوئی درود شریف پہنچانے پر مقرر ہے، کوئی سبحان اللہ، الحمد للہ پہنچانے والا ہے۔ مگر جھوٹ کی اتنی بدبو ہوتی ہے کہ جب کوئی آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے ایک میل دور بھاگ جاتے ہیں۔ لہٰذا جھوٹ سے بچنا چاہیے۔

۲)...... منافق کی دوسری نشانی فرمایا اِذَا وَعَدَ خَلَفَ جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے۔ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ اور جب وہ معاہدہ کرتا ہے تو غداری کرتا ہے۔ وعدہ اور معاہدہ میں فرق ہے جب کسی سے انفرادی طور پر وعدہ ہو تو وعدہ

کہلاتا ہے۔اور جماعتی شکل میں یا قومی شکل میں یا حکومتی سطح پر کسی سے کوئی بات طے کی جائے تو اس کو معاہدہ کہتے ہیں۔ وعدے اور معاہدے کی خلاف ورزی کرنا یہ بھی منافق کی علامت ہے۔آج اس وقت دنیا میں جتنی بھی حکومتیں ہیں ساری اس مد میں ہیں الا ماشاء اللہ کہ ان کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں آتا ہے......

اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا وعدے کے بارے میں سوال ہوگا لہٰذا وعدہ کسی سے کرو تو سوچ سمجھ کر کرو کہ میں اس کو پورا بھی کرسکوں گا کہ نہیں اگر پورا نہیں کر سکتے تو وعدہ کرو ہی نہ اور اگر کسی سے وعدہ کرلیا ہے تو اسے پورا کرو البتہ ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس وقت وعدہ کیا تھا اس وقت نیت اور ارادہ اس کو پورا کرنے کا تھا مگر بعد میں کوئی عارضہ پیش آگیا ہے تو وہ الگ بات ہے۔

۳)...... منافق کی تیسری نشانی ہے اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔پھر امانت کی کئی قسمیں ہیں علم بھی امانت ہے اور علمی خیانت یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح بات نہیں بتاتا غلط باتیں بتاتا ہے۔مشورہ بھی امانت ہے اور مشورے میں خیانت یہ ہے کہ جب کوئی شخص تمہارے سے مشورہ طلب کرتا ہے تو تم اسے صحیح مشورہ نہیں دیتے غلط رائے دیتے ہو جب کوئی مشورہ طلب کرے تو اسے صحیح رائے دو بات بھی امانت ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی مجلس میں ادھر ادھر دیکھ کر بات کرے تو سمجھ جاؤ کہ یہ بات اس کی امانت ہے۔اس مجلس کی بات باہر کسی سے نہیں کرنی۔مال بھی امانت ہے۔اور مالی خیانت یہ ہے کہ اس میں کچھ خرچ کرے یا اس

کو تبدیل کرے۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے درہم یا دینار کا تھیلا کسی کے پاس امانت رکھا ہے، درہم چاندی کے سکے کو کہتے ہیں اور دینار سونے کے سکے کو کہتے ہیں اور پہلے زمانے میں لوگ یہ تھیلوں میں رکھتے تھے تو اگر وہ تھیلا کسی کے پاس امانت رکھا ہے اور اس کا منہ جس دھاگے سے بندھا ہوا ہے اور وہ دھاگا میلا ہو گیا ہے تو یہ شخص اس دھاگے کو بدلنے کا مجاز نہیں ہے۔ رقم کو چھیڑنا تو درکنار اگر اس دھاگے کو بدلے گا تو یہ بھی خیانت ہے۔

۴)...... منافق کی چوتھی نشانی یہ ہے کہ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ جب کسی سے جھگڑا کرتا ہے تو گالیاں دیتا ہے۔ یاد رکھنا! آج کے معاشرے میں ہم نے تو منافق کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ تو جب لڑتا ہے تو گالیاں دیتا ہے اور ہم تو ہنسی مذاق میں گالیاں دیتے ہیں۔ جس طرح پہلے نیک لوگوں کی زبان سے سبحان اللہ نکلتا تھا اس طرح ہماری زبان سے گالیاں نکلتی ہیں۔ چھوٹوں کو بڑوں کو یہاں تک کہ گدھوں اور مرغیوں کو گالیاں دیتے ہیں۔

تو آپ ﷺ نے منافق کی یہ چار نشانیاں بیان فرمائی ہیں اگر کسی بدبخت میں یہ چاروں علامتیں پائی جاتی ہیں تو وہ پکا منافق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی منافق کی کچھ علامتیں بیان فرمائی ہیں، فرمایا..........

اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہونے میں سستی کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس میں نفاق کی علامت ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ..........

وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا منافق اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔
ناولوں کے پیچھے پڑے رہیں گے، کھیلوں میں مشغول رہیں گے یعنی اور سارے کام ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے وقت نہیں ہوتا۔ یہ منافق کی موٹی موٹی علامتیں ہیں چار حدیث شریف میں اور یہ حدیث بخاری شریف اور مسلم شریف کی ہے۔ اور دو علامتیں قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں۔ اپنے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ لو اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم میں سے کسی میں یہ علامتیں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ ، مِنْ تبعیضیہ ہے معنیٰ ہوگا اورلوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن پر (رب تعالیٰ فرماتے ہیں)...... وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ صرف زبانی، زبانی کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں۔ دل سے انہوں نے تسلیم نہیں کیا۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو۔

سوال :

اب سوال یہ ہے کہ دھوکہ تو اس کو دیا جا سکتا ہے جس کو علم نہ ہو اور رب تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ تو یہ رب تعالیٰ کو کس طرح دھوکہ دے سکتے ہیں؟۔

جواب :

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں صَنِيْعُهُمْ كَصَنِيْعِ خَادِعٍ ان کا یہ معاملہ اس طرح ہے جس طرح دھوکے بازوں کا ہوتا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ایسا

معاملہ کرتے ہیں جو دغابازی کا ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کو دھوکہ کون دے سکتا ہے؟۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اٰمَنَّا کہہ کر کہ ہم بھی مومن ہیں۔ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ اور وہ نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو۔ کیونکہ اس کا وبال ان کی جانوں پر ہی پڑے گا وَمَا يَشْعُرُوْنَ اور وہ شعور نہیں رکھتے۔

ایک ہوتا ہے علم اور ایک ہوتا ہے شعور۔ علم تو عقل والی مخلوق کے ساتھ خاص ہے جیسے انسان جنات ہیں فرشتے ہیں اور شعور کا معنٰی ہے اپنے اوپر آنے والے حالات کا احساس وادراک کرنا جیسا کہ حیوانوں کو گرمی سردی کا احساس ہوتا ہے۔ بھوک پیاس کو محسوس کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے متعلق فرمایا کہ وہ شعور نہیں رکھتے۔ یعنی یہ منافق ایسے ہیں کہ ان کو حیوانوں جیسا شعور بھی نہیں ہے کہ اپنے نقصان کا اتنا بھی شعور واحساس کرلیں جتنا کہ حیوان کو ہوتا ہے۔ فرمایا..........

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے۔ جوں جوں دن گزرتے ہیں نیک لوگ نیکیاں کما رہے ہیں اور اعمالِ صالحہ میں آگے بڑھ رہے ہیں اور منافق..........

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا پس زیادہ کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو ان کا نفاق دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ان کے لئے عذاب ہوگا دردناک۔ سب سے زیادہ سخت عذاب منافقوں کے لئے ہے۔

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ جھوٹ اس طرح کہ زبانی، زبانی کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان لائے اور آخرت کے دن پر بھی۔ اور دل سے نہیں مانتے تو اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوگا کہ زبان کسی طرف اور دل کسی طرف۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اور جس وقت کہا جاتا ہے ان کو لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ نہ فساد مچاؤ زمین میں۔ کیونکہ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، خیانت کرنا فساد فی الارض ہے۔

پاکستان اور منافقت کا نتیجہ :

آج بدقسمتی سے دنیا میں جتنے بھی ملک ہیں مسلم یا غیر مسلم پاکستان ان تمام ملکوں میں سے بددیانتی میں نمایاں ہے۔ اخبارات میں تجزیہ شائع ہوا ہے کہ تمام بددیانت ملکوں میں پاکستان دوسرے نمبر پر ہے۔ یہاں بڑے چھوٹے سب بددیانت ہیں۔ بڑے بددیانتی کرتے ہیں بڑوں کو دیکھ کر چھوٹے بھی بددیانتی کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اور تیز ہو جاتے ہیں۔ اگر بڑے احتیاط کریں اور دیانت داری سے کام لیں تو چھوٹوں کو جرأت نہیں ہوسکتی تو جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ مچاؤ تو.........

قَالُوْا کہتے ہیں اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ پختہ بات ہے ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ جس طرح آج کل کے لیڈر کرتے فساد ہیں اور اس کو نام امن کا دیتے ہیں۔ بھائی امن کے نام سے تو کچھ نہیں بنے گا دنیا تو حقیقت کو دیکھتی ہے۔ افسوس! آج دنیا فساد سے بھری پڑی ہے اخبارات دیکھو تو سو میں سے ایک بات

اچھی ہوگی اور ننانوے باتیں بُری ہوں گی۔ یعنی قتل، اغوا، ڈاکے، بدمعاشیاں، بدکرداریاں، فراڈ اور وہ بھی معمولی قسم کے نہیں بلکہ اربوں، کھربوں کے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

یہ سب کچھ اس ملک میں ہورہا ہے جو لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ جس مقصد کے لئے اس کو حاصل کیا گیا اگر اس کے مطابق چلتا تو آج اس کا یہ حشر نہ ہوتا۔ اور نہ ہی بنگال ہم سے کبھی جدا ہوتا وہ لوگ بڑے دیندار ہیں، پاکستانی سو سال تک بھی اتنے دیندار نہیں ہو سکتے وہ محض ہماری بددیانتیوں اور خیانتوں کو دیکھ کر ہم سے جدا ہوئے ہیں۔

پاکستان ہمیں مفت میں تو نہیں ملا اس کے پیچھے مسلمانوں کی بڑی قربانیاں ہیں۔ اور علماء کرام کی شہادتیں ہیں۔ تحریک شہیدین، ١٨٥٧ء کی تحریک اور تحریک ریشمی رومال ہے۔ جنہوں نے انگریز کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا۔ مگر بظاہر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم لیگ کی تحریک کے نتیجے میں بلاشرکت غیرے پاکستان معرض وجود میں آیا ہے اور یہ مسلم لیگ کا کارنامہ ہے۔

البتہ یہ بات حقیقت ہے کہ پاکستان میں بلاشرکت غیرے کئی سال مسلم لیگ کی بااختیار حکومت رہی ہے۔ ان سالوں میں اگر وہ کسی درخت کے پتے پر بھی اسلامی قانون کے نافذ ہونے کا حکم لکھ دیتے تو اسلامی قانون نافذ ہو جاتا کیونکہ ان کے لئے کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ نہ ان کے سامنے کوئی سر اٹھا سکتا تھا، نہ ہی کوئی جماعت نمایاں تھی۔ مگر یہ لوگ اسلام کے لئے مخلص نہیں تھے اور ان کے دل صاف نہیں تھے سوائے چند حضرات کے، کہ وہ مخلص تھے کہ پاکستان میں اسلامی

قانون نافذ ہو۔ اگر تمام حضرات مخلص ہوتے تو آج ہمیں یہ حالات نہ دیکھنے پڑتے۔تو خیر فرمایا......

لَاتُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ نہ فساد مچاؤ زمین میں۔ قَالُوْٓا کہتے ہیں اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ پختہ بات ہے ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔رب تعالیٰ فرماتے ہیں.........

اَلَآ خبردار اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ بے شک وہی ہیں فساد کرنے والے وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ اور لیکن ان کو شعور نہیں ہے وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا اور جس وقت کہا جاتا ہے ان کو کہ سچا ایمان لے آؤ کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ جیسے ایمان لائے ہیں لوگ قَالُوْٓا کہتے ہیں اَنُؤْمِنُ کیا ہم ایمان لائیں کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ جیسا کہ ایمان لائے ہیں بے وقوف۔

منافق لوگ سچے، مخلص اور دیانتدار مومنوں کو بے وقوف کہتے تھے، کہتے تھے کہ کوئی عقل مندی ہے کہ جس طرح وہ ان کو کہتا ہے بے سوچے سمجھے اسی طرح کرتے چلے جاتے ہیں۔ گھر، بار سب کچھ اس کے کہنے پر قربان کر دیا ہے۔ اگر عقل مند ہوتے تو کوٹھیاں بناتے دولت اکٹھی کرتے، تجارت بڑھاتے انہوں نے تو پہلا بھی سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔ پہلے کتنے آسودہ حال تھے اور ایمان لانے کے بعد اب ان کا کیا حال ہے؟۔ یہ بے وقوف ہیں ہم ان بے وقوفوں جیسا کام کیوں کریں؟۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا.........

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ خبردار! بے شک یہی ہیں بے وقوف وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ اور لیکن وہ جانتے نہیں ہیں وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور جس وقت

ملاقات کرتے ہیں ایمان والوں سے تو ان کو دھوکہ دینے کے لئے قَالُوْٓا اٰمَنَّا کہتے ہیں ہم بھی مؤمن ہیں۔

جس طرح آج کل ووٹ مانگنے والے منتیں سماجتیں کرتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں چومتے ہیں۔ پوری ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور ممبر بن جانے کے بعد کبھی شکل بھی نہیں دکھاتے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم کون اور تم کون؟۔ یقین جانو جتنے منافق پاکستان میں ہیں شاید دنیا کے کسی اور خطے میں ہوں۔

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ اور جب یہ اپنے لیڈروں کے پاس جاتے ہیں، اپنے سرداروں، راجوں، چوہدریوں، خانوں اور وڈیروں کے پاس جاتے ہیں تو قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ باقی تم نے سنا ہوگا کہ ہم نے مومنوں کو کہا کہ ہم بھی مومن ہیں تو یقین جانو............

مومنوں سے استہزاء :

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ پختہ بات ہے ہم تو مومنوں سے مذاق کرتے ہیں۔ دل لگی کرتے ہیں، ہم کہاں مومن ہیں؟ وڈیرے جب کان کھینچتے ہیں تو ان کو اس طرح مطمئن کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں............

اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ اللہ تعالیٰ ان کو استہزاء کا بدلہ دے گا وَیَمُدُّهُمْ اور ان کو مہلت دیتا ہے فِیْ طُغْیَانِهِمْ ان کی سرکشی میں یَعْمَهُوْنَ وہ سرگرداں اور حیراں پھرتے ہیں۔ جتنا دھوکہ دے سکتے ہیں دے لیں، جو حرام کما، کھا سکتے ہیں

کرلیں۔رسی ڈھیلی چھوڑ دی ہے۔احادیث میں آتا ہے.........

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیُمْلِی ظَالِمًا حَتّٰی اِذَا اَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ

بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کی رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کو سختی سے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں ہے آگے منافقوں کی بدکاریوں اور بدمعاشیوں کا ذکر ہوگا۔

ان شاء اللہ تعالیٰ۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا
رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾
مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا
أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ
وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ
بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ
كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَ
بَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ
الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ
بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ
أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ
وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع

لفظی ترجمہ :

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ یہ وہی لوگ ہیں اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ جنہوں نے خریدا گمراہی کو بِالْهُدٰى ہدایت کے بدلے میں فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ پس نفع مند نہ ہوئی تجارت ان کی وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ اور نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والے۔

مَثَلُهُمْ مثال ان کی كَمَثَلِ الَّذِى اس شخص کی طرح ہے اسْتَوْقَدَ نَارًا اس نے آگ جلائی فَلَمَّآ اَضَآءَتْ پس جب روشن کر دیا اس آگ نے مَا حَوْلَهٗ اس جلانے والے کے ارد گرد کو ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ لے گیا اللہ تعالیٰ ان کی روشنی کو وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ اور چھوڑ دیا ان کو اندھیروں میں لَّا يُبْصِرُوْنَ وہ نہیں دیکھ سکتے صُمٌّۢ بہرے ہیں بُكْمٌ گونگے ہیں عُمْىٌ اندھے ہیں فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ وہ نہیں لوٹتے۔

اَوْ كَصَيِّبٍ یا ان کی مثال ہے بارش کی طرح مِّنَ السَّمَآءِ جو آسمان کی طرف سے نازل ہوئی ہے فِيْهِ ظُلُمٰتٌ اس میں اندھیرے ہیں وَّرَعْدٌ اور کڑک ہے وَّبَرْقٌ اور بجلی ہے يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ کرتے ہیں اپنی انگلیاں فِىْٓ اٰذَانِهِمْ اپنے کانوں میں

مِّنَ الصَّوَاعِقِ بجلی کی وجہ سے حَذَرَ الْمَوْتِ موت سے ڈرتے ہوئے وَاللّٰہُ مُحِیْطٌ ۔ اور اللہ تعالیٰ گھیرنے والا ہے بِالْکٰفِرِیْنَ کافروں کو یَکَادُ الْبَرْقُ قریب ہے کہ بجلی یَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ اچک لے ان کی آنکھوں کو کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ جب کبھی روشنی ہوتی ہے ان کے لئے مَّشَوْا فِیْہِ اس میں چل پڑتے ہیں وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر قَامُوْا تو ٹھہر جاتے ہیں وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے لَذَھَبَ بِسَمْعِھِمْ البتہ لے جائے ان کے کانوں کو وَاَبْصَارِھِمْ اور ان کی آنکھوں کو اِنَّ اللّٰہَ بے شک اللہ تعالیٰ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہر چیز پر قادر ہے۔

منافقوں کا ذکر چلا آ رہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

منافقین کا مقاطع :

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یہ وہی لوگ ہیں اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ جنہوں نے خریدا گمراہی کو بِالْھُدٰی ہدایت کے بدلے میں ۔یعنی ہدایت دی اور اس کے بدلے میں گمراہی لے لی اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو پہلے کافر تھے ان کے پاس تو ہدایت نہیں تھی تو انہوں نے ہدایت دے کر گمراہی کیسے خرید لی؟۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کے دو جواب نقل کرتے ہیں.........

پہلا جواب :

① ...... ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بچے میں پیدائشی طور پر صحیح فطرت رکھی

ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ ہر پیدا ہونے والا بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ پھراس کے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے ہیں یا عیسائی بنادیتے ہیں یا اس کو مجوسی بنادیتے ہیں۔ اگر بچے کو اسی فطرت پر چھوڑا جائے جس پر وہ پیدا ہوا ہے تو بالغ ہونے کے بعد اگر اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے تو وہ فوراً قبول کرے گا۔ فطرت صحیحہ اس کو قبول کرنے پر آمادہ کرے گی۔

دوسرا جواب :

②...... فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا (سورۃ روم) اللہ تعالیٰ کی فطرۃ جس پر پیدا کیا لوگوں کو۔ یعنی ان میں حق قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد رکھی لیکن ماحول کی وجہ سے لوگوں نے اس فطرۃ سلیمہ یعنی حق کو قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد کو خراب کرلیا تو اب مطلب یہ بنے گا کہ ان منافقین نے وہ صلاحیت اور استعداد دے دی اور اس کے بدلے میں گمراہی خرید لی۔

کفار کے نابالغ بچے :

یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ کافروں اور مشرکوں کے وہ بچے جو چھوٹی عمر میں فوت ہوجاتے ہیں وہ جنتی ہیں یا دوزخی؟۔ اس سلسلے میں فقہاءِ کرام رحمہم اللہ کے تین قول نقل کیے گئے ہیں......

پہلا قول :

①...... یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہوکر دوزخ میں جائیں گے یہ

حضرات اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو باب الجہاد میں آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ہم کافروں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے لڑ رہے ہوتے ہیں کہ ان کے بچے بھی آجاتے ہیں رات کے وقت افراتفری میں چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں ہوتی تو اس دوران جو بچے مرجاتے ہیں ان کا کیا بنے گا؟۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ان کو قصداً نہ مارو ضمنی طور پر مارے گئے تو هُمْ تَبْعٌ لِّاٰبَآئِهِمْ وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر دوزخ میں جائیں گے۔ محققین حضرات اس روایت کا مفہوم بیان فرماتے ہیں کہ روایت جہاد کے موقع کی ہے کہ مارنا تو تم نے بڑوں کو تھا اتفاقاً اس موقعہ پر جو چھوٹے قتل ہو گئے ہیں ان کی وجہ سے تم پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ کیونکہ لڑائی کے دوران ایسا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہیں۔

دوسرا قول :

②...... فقہاء کرام رحمہم اللہ کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ کافروں اور مشرکوں کے بچے جنتی ہیں کیونکہ جب تک بچہ بالغ نہ ہو جائے وہ مکلف نہیں ہوتا یعنی اس پر شریعت کے احکام لاگو نہیں ہوتے حدیث پاک میں آتا ہے کہ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھالی گئی ہے۔ ان میں اَلصَّبِیُّ حَتّٰی یَحْتَلِمْ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اس پر شریعت کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔ جب اس پر شرعی احکام ہی لاگو نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ اس کو دوزخ میں پھینکے۔

پھر طبرانی شریف جو حدیث کی کتاب ہے اس میں روایت آتی ہے آنحضرت

ﷺ سے سوال کیا گیا کہ حضرت کافروں کے جو چھوٹے بچے فوت ہو جاتے ہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟۔تو آپ ﷺ نے فرمایا اَطْفَالُ الْمُشْرِکِیْنَ خَدَمُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مشرکوں کے بچے جنتیوں کے خادم ہوں گے۔

مودودی صاحب مرحوم کا غلط مؤقف :

اور مودودی صاحب مرحوم سے حوروں کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ حوریں کافروں کی لڑکیاں ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوگئی ہیں۔ یہ بات انہوں نے قرآن پاک کی تفسیر میں لکھی ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ حوروں کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے.........

خُلِقَتْ مِنَ الْمِسْکِ حوریں کستوری سے پیدا کی گئی ہیں۔لہٰذا جو علماء مسائل میں مودودی صاحب کی تردید کرتے ہیں وہ غلط نہیں کرتے بلکہ صحیح کرتے ہیں۔قاضی حسین احمد بڑا ہوشیار آدمی ہے وہ کہتا ہے کہ ہم نے اپنے منشور میں لکھوا دیا ہے کہ ہم مودودی صاحب کے غلط مسائل کی تردید کرتے ہیں ویسے ہم سیاسی طور پر ان کی اتباع کرتے ہیں۔ یہ اس نے بڑی جرأت کی بات کی ہے۔اس نے منشور بدل دیا ہے۔اور اس بات کی وجہ سے اب عوام ان کے ساتھ مل گئی ہے بہر حال حوروں کا مادہ مٹی نہیں ہے وہ جنت ہی کی مخلوق ہیں۔

تیسرا قول :

③...... فقہاءِ کرام رحمہم اللہ کا تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اللہ تعالیٰ جس طرح چاہیں گے فیصلہ فرمائیں گے۔ بخاری شریف میں روایت آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کافروں کے بچے جو چھوٹی عمر میں فوت

ہو جاتے ہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟۔ جنتی ہیں یا دوزخی ہیں؟۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا عَامِلِیْنَ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے بڑے ہو کر کیا کرنا تھا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان :

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم ان کو نہ تو قطعی طور پر جنتی کہتے ہیں اور نہ قطعی طور پر دوزخی کہتے ہیں۔ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ بہر حال بات یہ ہو رہی تھی کہ کافروں کے پاس تو ہدایت تھی ہی نہیں تو انہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی کس طرح خرید لی؟۔

تو مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس کے درج ذیل جوابات دیئے ہیں.........

① ...... اس کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فطرۃ سلیمہ اسلام کے قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد عطا ہوئی تھی اس کے بدلے میں انہوں نے گمراہی خرید لی۔

② ...... دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اس جہان کی حیثیت منڈی اور دوکان کی ہے کہ دوکان میں ایک نمبر کی چیزیں بھی ہوتی ہیں اور دو نمبر چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ مہنگی چیزیں بھی ہوتی ہیں اور سستی چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ تو ان بے وقوفوں نے ایک نمبر چیز ہدایت کو خریدنے کی بجائے دو نمبر کی چیز گمراہی خرید لی کیونکہ دنیا میں ہدایت بھی ملتی ہے گمراہی بھی ملتی ہے۔ اس طرح انہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدی ایسا نہیں ہے کہ پہلے ان کے پاس ہدایت تھی وہ دے کر اس کے بدلے گمراہی لے لی۔

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ پس نفع مند نہ ہوئی تجارت ان کی۔ کیونکہ تجارت تو ہوتی ہے فائدے کے لئے اور انہوں نے اچھی چیز کے بدلے بری چیز لے لی یہ تو بڑے خسارے کا سودا ہوا ہے۔

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ اور نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے دو مثالوں کے ذریعہ ان کی حالت کو بیان فرمایا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے......

مَثَلُهُمْ مثال ان کی كَمَثَلِ الَّذِيْ اس شخص کی طرح ہے جس نے اندھیرے اور تاریکی میں اسْتَوْقَدَ نَارًا آگ جلائی تا کہ اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کرے فَلَمَّآ اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ پس جب روشن کر دیا اس آگ نے اس جلانے والے کے ارد گرد کو اور وہ خوش ہو گیا کہ روشنی ہو گئی ہے تو اچانک آندھی اور طوفان آیا اس نے آگ بجھادی۔

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ لے گیا اللہ تعالیٰ ان کی روشنی کو نہ وہ آگے کے رہے نہ پیچھے کے۔ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ اور چھوڑ دیا ان کو اندھیروں میں لَّا يُبْصِرُوْنَ وہ نہیں دیکھ سکتے۔

منافقین کی پہلی مثال :

یہ مثال ان پر اس طرح فٹ آتی ہے کہ یہ منافق کفر، شرک کے اندھیروں میں پھنسے ہوئے تھے تو جس طرح اندھیرے میں پھنسا ہوا آدمی آگ جلاتا ہے کہ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھائے انہوں نے کلمہ پڑھا تا کہ اس سے فائدہ اٹھائیں چنانچہ اس سے ان کو مالِ غنیمت ملا، زکاتیں ملیں، صدقات اور خیراتیں حاصل ہوئیں۔

مسلمانوں کی سختی سے بچے۔ زبانی کلمہ پڑھنے سے ان کو یہ کچھ حاصل ہوا۔مگر کتنی دیر تک صرف سانس نکلنے کے وقت تک اس روشنی نے نہ تو ان کا ساتھ قبر میں دیا نہ حشر میں ساتھ دے گی۔ اگر وہ کلمہ اخلاص کے ساتھ پڑھتے تو ہمیشہ کے لئے ساتھ دیتا۔

اب جب اللہ تعالیٰ نے ان کی جان نکال لی تو اندھیرے میں رہ گئے......

بہرے، گونگے، اندھے کا معنیٰ :

صُمٌّ ، بہرے ہیں بُکْمٌ گونگے ہیں عُمْیٌ اندھے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں جتنے کافر اور منافق ہیں وہ نہ تو سنتے ہیں نہ بولتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ حق بات سننے سے بہرے ہیں حق بات کہنے سے گونگے ہیں، حق کے نشانات دیکھنے سے اندھے ہیں۔جیسا کہ ہمارے حکمران ہیں کہ ساری باتیں سنتے ہیں مگر مظلوم کی فریاد نہیں سنتے۔ لمبی لمبی تقریریں کریں گے کہ سننے والا کہے گا کہ ان سے زیادہ مخلص کوئی نہیں ہے لیکن حق کی بات زبان سے نہیں نکلے گی۔حق کے معاملے میں گونگے ہیں۔

زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، پہاڑ، دریا سب ان کو نظر آتے ہیں مگر کمزوروں پر ظلم ہوتا ان کو نظر نہیں آتا۔غریب اور مظلوم عوام کی غربت اور بے کسی ان کو نظر نہیں آتی۔لوگوں کی تکلیفوں اور پریشانیوں کو نہیں دیکھ سکتے۔اس سلسلے میں اندھے ہیں۔

آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے کی بات ہے جامع مسجد شیرانوالہ باغ میں، میں پڑھتا تھا حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے استاد تھے گکھڑ میں بھی میرے پاس کئی دفعہ تشریف لائے ہیں کچھ عرصہ ہوا ہے فوت ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان

کی مغفرت فرمائے۔ مشکوٰۃ شریف کے سبق کے دوران ایک حدیث آئی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں پر ایسے لوگ حکمرانی کریں گے جو صُمٌّ ، بُکْمٌ عُمْیٌ بہرے گونگے اندھے ہوں گے۔ہم نے استاذِ محترم سے پوچھا کہ حضرت اس وقت آنکھوں والے ، کانوں والے اور بولنے والے نہیں ہوں گے؟ کہ لوگ اندھوں، بہروں، گونگوں کو اپنا بادشاہ بنائیں گے۔

بخاری شریف میں حدیث کے الفاظ ہیں کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اَنْ تَرٰی صُمًّا بُکْمًا عُمْیًا مُلُوْکَ الْاَرْضِ یہ کہ تو دیکھے گا بہرے، گونگے ، اور اندھے زمین کے بادشاہ ہیں۔

حضرت کا تکیہ کلام ہوتا تھا ''میاں'' فرمایا میاں آنکھیں ہوں گی، کان بھی ہوں گے اور زبانیں بھی ہوں گی مگر حق کو سنیں گے نہیں، حق بولیں گے نہیں۔حق کے نشانات دیکھیں گے نہیں۔آنحضرت ﷺ کی ایک ایک بات حق بن کر سامنے آرہی ہے۔تو معنیٰ ہوگا صُمٌّ وہ حق بات سننے سے بہرے ہوں گے بُکْمٌ حق بولنے سے گونگے ہوں گے عُمْیٌ صحیح بات کو دیکھنے سے اندھے ہوں گے۔

منافقین کی دوسری مثال :

اَوْ کَصَیِّبٍ یا ان کی مثال ہے بارش کی طرح مِّنَ السَّمَآءِ جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے فِیْهِ ظُلُمٰتٌ اس میں اندھیرے ہیں۔ظاہر بات ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو اس وقت اندھیرا سا چھا جاتا ہے۔

وَّ رَعْدٌ اور کڑک ہے وَّ بَرْقٌ اور بجلی ہے۔بات سمجھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی بارش نازل ہوئی۔قرآن پاک کی شکل میں اس میں کفر پر جو وعیدیں ہیں

اور عذاب کا ذکر ہے اس کو تشبیہ دی ہے رَعْدٌ کڑک کے ساتھ اور قرآن کریم میں جو حقانیت کے دلائل ہیں ان کو بَرْقٌ چمک کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

یعنی جب قرآن کریم نازل ہوا ہے ہر طرف کفر کی تاریکی چھائی ہوئی تھی تو قرآن کریم نے کفر شرک پر وعید سنائی اور قرآن کریم میں بڑے واضح دلائل ہیں جن سے حق اور باطل میں تمیز ہوسکتی ہے لیکن جب دلائل کی بجلی چمکتی ہے تو یہ منافق......

یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ کرتے ہیں یعنی ڈالتے ہیں اپنی انگلیاں فِیْٓ اٰذَانِهِمْ اپنے کانوں میں مِّنَ الصَّوَاعِقِ بجلی کی وجہ سے۔ کیونکہ جب بجلی گرتی ہے تو اس سے آدمی جانور بھی مر جاتے ہیں اور بھی بڑا نقصان ہوتا ہے تو یہ قرآن کریم کے دلائل کو بجلی سمجھتے ہیں۔

حَذَرَ الْمَوْتِ موت کے ڈر سے ایسا کرتے ہیں۔ ان میں طاقت نہیں ہے کہ قرآن کریم کی آیتیں سنیں۔ اس لئے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں۔ اور ساتویں پارے میں آتا ہے............

وَهُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَیَنْئَوْنَ عَنْهُ اور وہ کافر قرآن پاک کو سننے سے منع کرتے ہیں۔ اور وہ خود قرآن کریم سے دور بھاگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ نہ سنو اس قرآن کو اور جب قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو تو وَالْغَوْ فِیْهِ شور مچاؤ۔ تاکہ کوئی اور بھی نہ سن سکے۔

وَاللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ اور اللہ تعالیٰ گھیرنے والا ہے کافروں کو۔ قدرت کے لحاظ سے بھی اور علم کے اعتبار سے بھی۔

یَكَادُ الْبَرْقُ قریب ہے کہ وہ بجلی یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ اچک لے ان

کی آنکھوں کو۔ وہ بجلی اتنی تیز ہے کہ ان کی آنکھوں کی روشنی کو ختم کر دے۔ حکماء نے لکھا ہے کہ جب بجلی چمکے اس کی طرف نہ دیکھو اور اطباء نے بھی لکھا ہے کہ اس کی چمک اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس کی طرف دیکھنے سے بینائی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سورج گرہن ہو تو اس وقت سورج کی طرف دیکھنے سے بھی بینائی ختم ہو جاتی ہے۔

نظامِ قدرت بڑا عجیب ہے۔ فرمایا............

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ جب کبھی روشنی ہوتی ہے ان کے لئے، بجلی کے چمکنے سے۔ مَّشَوْا فِيْهِ اس میں چل پڑتے ہیں وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر قَامُوْا تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ان منافقوں کو جب مالِ غنیمت میں سے یا صدقہ، خیرات اور مال زکوٰۃ میں سے کچھ مل جاتا ہے تو اس کی چمک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب کچھ نہیں ملتا تو اندھیرا چھا جاتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اور کافروں کو کہتے ہیں اِنَّا مَعَكُمْ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ البتہ لے جائے ان کے کانوں کو وَاَبْصَارِهِمْ اور ان کی آنکھوں کو اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہر چیز پر قادر ہے۔

پنڈت دیانند سرسوتی کا اعتراض:

یہاں ایک بات ذہن نشین کر لیں وہ یہ کہ قرآن کریم جب سے نازل ہوا ہے بد باطن لوگ اس پر اعتراض کرتے آئے ہیں اور اپنے منہ کی کھاتے آئے ہیں۔

اعتراض کرنے والوں میں سے ایک بہت بڑا خبیث پنڈت دیانند سرسوتی گزرا ہے یہ آریا سماج کا لیڈر تھا۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے ستیارتھ پرکاش اس کے چودھویں باب میں قرآن پاک پر اعتراضات کئے ہیں۔ اور بڑی گندی زبان استعمال کی ہے۔

قرآن کریم کے نازل کرنے والے یعنی رب تعالیٰ کو اس نے بے ایمان، جاہل اور بدو کہا ہے العیاذ باللہ۔ اور اپنے آپ کو محقق کہتا ہے۔ اور اس کا انداز یہ ہے کہ پہلے قرآن کریم کی آیت کا ترجمہ نقل کرتا ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے کہ محقق کہتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس آیت کریمہ پر بھی اعتراض کیا ہے لکھتا ہے...... اے مسلمانو! تم قرآن میں پڑھتے ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے مجھے یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ چوری اور زنا پر بھی قادر ہے؟ تو ہمارے اور اللہ کے درمیان کیا فرق ہوا؟۔ اور اگر قادر نہیں ہے تو پھر تمہارا قرآن سچا نہیں ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب :

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو انہوں نے اس دور میں بہت ساری کتابیں لکھی ہیں ان میں سے ایک کتاب انتصار الاسلام ہے جس میں انہوں نے اس کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ اس اعتراض کا حضرت نے جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ پنڈت جی چوری کی تعریف ہے کہ آپ غیر کی ملک میں ہاتھ ڈالیں۔ اپنی ملک میں سے کسی چیز کے لینے کو چوری نہیں کہتے پہلے کسی چیز کے متعلق یہ ثابت کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملک نہیں ہے۔ اور فلاں کی ملک ہے، پھر چوری کی

بحث آئے گی جب دنیا کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مِلک ہیں تو ان میں چوری کا سوال کس طرح پیدا ہو گیا؟۔

اور رہی بات زنا کی تو زنا کے لئے زنانہ مردانہ آلات کی ضرورت ہے پہلے رب تعالیٰ کے لئے وہ آلات ثابت کرو پھر زنا کی بات ہو گی۔ رب تعالیٰ کی ذات ان تمام چیزوں سے پاک ہے رب تعالیٰ تمام اوصاف سے متصف ہے اور اس کی وہ صفتیں ہماری طرح نہیں ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے............

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اس کے مثل کوئی شئ نہیں ہے۔ اس کے کان ہمارے کانوں کی طرح نہیں ہیں۔ اس کی زبان ہماری زبان کی طرح نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کی طرح نہیں ہیں۔ اس کے پاؤں ہمارے پاؤں کی طرح نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسمانیات سے پاک ہے۔ اور پنڈت جی اس بات کو تم بھی مانتے ہو لہٰذا تمہارا یہ سوال کرنا حماقت ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ
وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾
ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ فِرَٰشًا وَّٱلسَّمَآءَ بِنَآءً
وَّأَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِۦ مِنَ
ٱلثَّمَرَٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ أَندَادًا وَّ
أَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ وَإِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّمَّا
نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ
وَٱدْعُوا۟ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ
صَٰدِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ وَلَن تَفْعَلُوا۟
فَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِى وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ ۖ
أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٤﴾ وَبَشِّرِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟
وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن
تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا۟ مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ

رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

لفظی ترجمہ :

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو! اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ عبادت کرو اپنے رب کی الَّذِیْ خَلَقَكُمْ جس نے تم کو پیدا کیا ہے وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہوئے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم بچ جاؤ الَّذِیْ وہ ذات ہے جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً اور آسمان کو بنایا چھت وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور اس نے اتارا آسمان کی طرف سے پانی فَاَخْرَجَ بِهٖ پھر اس نے نکالے اس پانی کے ذریعے مِنَ الثَّمَرٰتِ پھل رِزْقًا لَّكُمْ تمہارے لئے روزی فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا پس نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کے لئے شریک وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور تم جانتے ہو۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ اور اگر ہو تم شک میں مِّمَّا اس چیز کے بارے میں نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا جو اتاری ہم نے اپنے بندے پر فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ پس لاؤ تم کوئی سورت اس جیسی وَادْعُوْا شُهَدَآءَ

كُمْ اور بلالو اپنے امدادیوں کو مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر ہو تم سچے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا پس اگر تم نہ کرسکو وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور ہرگز نہ کرسکو گے فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ پھر ڈرو تم اس آگ سے وَقُوْدُهَا جس کا ایندھن ہوں گے النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ لوگ اور پتھر اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور آپ خوشخبری سنا دیں ان لوگوں کو جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور عمل کئے اچھے اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ بے شک ان کے لئے ایسے باغات ہوں گے تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا جب بھی ان کو دیا جائے ان جنتوں میں مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا پھلوں سے رزق قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ کہیں گے یہ تو وہی ہے رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ جو اس سے پہلے ہمیں روزی دی گئی وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا اور وہ اس میں دیئے جائیں گے ایک دوسرے سے ملتا جلتا وَلَهُمْ فِيْهَآ اور ان کے لئے ہوں گے ان جنتوں میں اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ جوڑے پاکیزہ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

ربط :

سورۃ فاتحہ میں ہدایت کا مطالبہ تھا اور سورۃ بقرہ کے شروع میں اس ہدایت

نامے کے ملنے کی بشارت تھی ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کہ جو ہدایت تم مانگتے ہو وہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی شکل میں تمہیں دے دی ہے۔ پھر اس ہدایت کے متعلق تین گروہوں کا ذکر ہوا۔

۱)...... ایک وہ جو ظاہراً باطناً ماننے والے ہیں۔

۲)...... دوسرے وہ جو نہ دل سے مانتے ہیں اور نہ زبان سے اقرار کرتے ہیں۔

۳)...... اور تیسرے منافق جو زبان سے تو مانتے ہیں مگر دل سے تسلیم نہیں کرتے۔

قرآنِ کریم کی بنیادی دعوت :

اب یہ بتلایا جا رہا ہے کہ وہ ہدایت نامہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ملا ہے وہ کہتا کیا ہے؟ اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ اصل الاصول عقیدے تین ہیں.........

① ...... توحید ② ...... رسالت ③ ...... قیامت

باقی جتنے عقیدے ہیں وہ ان تین کی طرف لوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس رکوع میں ان تینوں بنیادی عقیدوں کا ذکر فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا میں توحید کا ذکر ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ میں رسالت کا ذکر ہے۔ اور وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ اَمْوَاتًا میں قیامت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے.........

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے انسانو! آنحضرت ﷺ کی بعثت تو جنوں اور انسانوں

سب کے لئے ہے۔اور خطاب صرف انسانوں کو اس لئے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی خلافت انسانوں کے سپرد فرمائی ہے حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول کے بعد زمین پر خلیفہ انسان ہی ہے۔اور جنات انسانوں کے تابع ہیں۔اور خطاب اصل کو ہی ہوتا ہے۔اس لئے فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے انسانو!۔اور یہ خطاب تمام انسانوں کو ہے کالے گورے اور عربی، عجمی کی تخصیص کے بغیر.........

اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ عبادت کرو اپنے پروردگار کی الَّذِیْ خَلَقَكُمْ جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی صفت خلق اتنی واضح ہے کہ جو پکے سکہ بند مشرک تھے وہ بھی مانتے تھے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔قرآن پاک میں آتا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ اور اگر آپ ان سے سوال کریں مَنْ خَلَقَهُمْ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟۔ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عبادت اس کی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور صرف تمہیں ہی نہیں پیدا کیا بلکہ.........

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہوئے۔اللہ تعالیٰ ہر ایک کا خالق ہے۔پہلوں کا بھی اور پچھلوں کا بھی قیامت تک سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت کا حکم اس لئے دیا ہے کہ.........

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم بچ جاؤ۔اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے۔اللہ تعالیٰ اگرچہ نظر نہیں آتا مگر اس کی قدرت کی دلیلیں اتنی واضح ہیں کہ کوئی اندھا بھی انکار نہیں کرسکتا البتہ ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔

وجودِ باری تعالیٰ پر دلائل :

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر تین واقعات نقل فرمائے ہیں............

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال :

①...... پہلا واقعہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اس علاقے میں کچھ لوگ دہریے تھے جن کا نظریہ تھا کہ یہ نظام خود بخود چل رہا ہے اس کا چلانے والا کوئی نہیں ہے۔ یعنی وہ خدا تعالیٰ کے وجود کے منکر تھے۔ یہ لوگ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم رب تعالیٰ کو نہیں مانتے آپ ہمیں رب تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل دیں کہ رب کہاں ہے اور اس کی صورت کیا ہے؟۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں ایک فکر میں ہوں (اور یاد رکھنا کہ بات سمجھانے کے لئے کوئی کہانی بیان کی جائے تو وہ جائز ہے)۔

فرمایا کہ میں ایک فکر میں ہوں کہ میرے سامنے ایک درخت تھا میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ گر گیا اور خود بخود اس کے پھٹے اور تختیاں بن گئیں اور خود بخود وہ آپس میں جُڑ گئیں اور کشتی تیار ہو کر دریا میں آ گئی اور لوگوں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے لے جاتی اور کرایہ بھی خود ہی وصول کرتی کوئی اس کا ملاح نہیں اور مسافروں کو ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر پہنچا رہی ہے۔

امام صاحب نے جب یہ بات فرمائی تو وہ دہریے ملحد اور بے دین ٹھاہ ٹھاہ کر کے ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو آپ کی بہت تعریف سنی تھی کہ بڑے صاحب علم اور بصیرت والے ہیں۔ اور امام اعظم ہیں۔ مگر آپ نے جو گفتگو کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے بڑا کوئی بے وقوف نہیں ہے۔ بھلا یہ کس طرح

ہوسکتا ہے کہ درخت خود بخود کٹے اور خود بخود اس کے تختے بن کے جڑنے لگ جائیں اور خود بخود ان میں میخیں لگ جائیں اور وہ خود بخود کشتی بن کر دریا میں چلی جائے اور خود بخود مسافروں کو ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر پہنچانے لگ جائے اور کرایہ بھی خود ہی وصول کرے یہ بھی کوئی کرنے والی بات ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک کشتی کا بغیر بنانے والے کے خود بخود بن جانا اور بغیر چلانے والے کے چلنا تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔

او ظالمو! یہ آسمان اور زمین اور پہاڑ بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود کس طرح بن گئے۔ ایک کشتی کا بغیر ملاح کے چلنا تو تمہاری سمجھ میں نہیں آتا تو یہ سارا کارخانہ کائنات خود بخود کس طرح چل رہا ہے بغیر کسی چلانے والے کے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں کہ فَاَسْلَمُوْا عَلٰی یَدَیْہِ پس وہ تمام کے تمام امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔ یہ دیکھو میرے سامنے تپائی پڑی ہے اس کو کسی نے بنایا ہے تو بنی ہے خود بخود تو نہیں بن گئی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

کوئی چیز خود بخود چیز نہیں بن سکتی اور کوئی لوہا خود بخود تلوار نہیں بن سکتا۔ بلکہ بنانے والا بناتا ہے تو بنتی ہے۔ یہ مثنوی کا شعر ہے پہلے زمانے میں مرد عورتیں گھروں میں مثنوی پڑھتے تھے اور اب ناولوں نے لوگوں کے دماغ خراب کردیئے ہیں۔ پھر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نہ شد

میں ویسے ہی تو مولوی نہیں بن گیا شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں سیدھی کی ہیں ان کی خدمت کی ہے تو مجھے علم حاصل ہوا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال :

②...... دوسرا واقعہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نقل فرمایا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے فرمایا کہ یہ شہتوت کا درخت ہے کہ اس کے پتے کو ریشم والے کیڑے کھاتے ہیں تو ان کے جسموں سے ریشم کے دھاگے نکلتے ہیں اگر شہد کی مکھیاں کھاتی ہیں تو شہد بنتا ہے اور انہیں پتوں کو اگر گائیں اور بکریاں کھائیں تو گوبر اور مینگنیاں بنتی ہیں اور اگر ہرنی کھائے تو کستوری بنتی ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پتے وہی ہیں باقی سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال :

③...... اور تیسرا واقعہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نقل فرمایا ہے کہ ان سے کسی نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟۔ فرمایا ایک قلعہ ہے جس کا نہ تو کوئی دروازہ ہے اور نہ کھڑکی ہے اوپر سے چاندی کی طرح سفید ہے اور اندر سے سونے کی طرح ہے پس اچانک اس کی دیواریں پھٹ جاتی ہیں اور اس میں سے ایک خوبصورت پیاری آواز والا حیوان نکل آتا ہے جو دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے۔ قلعہ سے مراد انڈہ ہے اور اس سے چوزہ نکل آتا ہے

جو بڑا خوبصورت اور پیاری آواز والا ہوتا ہے۔جس ذات نے بند قلعے سے جس میں نہ خوراک کا راستہ اور نہ ہوا یہ بچہ پیدا فرمایا ہے وہی اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا بنانے والا ہے۔تو اللہ تعالیٰ کے وجود کو بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں

ہر گیاہ کہ از زمین روید

وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

جو گھاس زمین سے پیدا ہوتا ہے وہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔کیونکہ گھاس یا کوئی بھی پودا زمین سے اگتا ہے تو پہلے اس کی ایک کونپل نکلتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک لہ ہونے پر دلالت کرتی ہے پھر شاخیں اور ٹہنیاں نکلتی ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عبادت اس کی کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے سب کو پیدا فرمایا ہے تاکہ تم اس کے عذاب سے بچ جاؤ۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً اور آسمان کو چھت۔اور تم اسی زمین میں رہ رہے ہو اور اسی چھت کے نیچے چلتے پھرتے ہو۔

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور اس نے اتارا آسمان کی طرف سے پانی بارش کی صورت میں فَاَخْرَجَ بِهٖ پھر اس نے نکالے اس پانی کے ذریعے مِنَ الثَّمَرٰتِ پھل رِزْقًا لَّکُمْ تمہارے لئے روزی۔براہ راست بھی پھل کھاتے ہو اور پھلوں کو فروخت کر کے اناج خرید کر بھی کھاتے ہو اور دیگر اپنی ضروریات بھی پوری کرتے ہو۔یہ تمام انتظام کرنے والا کون ہے زمین، آسمان کس نے بنائے؟ بارش کس نے برسائی؟ اور اس کے ذریعے سے پھل کس نے زمین سے نکالے؟

روزی کا انتظام کس نے کیا؟ جب یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے تو..........

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا پس نہ بناؤ تم اللہ تعالیٰ کے لئے شریک وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ حالانکہ تم جانتے ہو کہ خالق وہی ہے پھر شریک کیوں بناتے ہو؟۔

آگے رسالت کے مسئلہ کا بیان ہے۔کافر، مشرک لوگ کبھی تو آنحضرت ﷺ کو ساحر اور کبھی مجنون کہتے تھے۔(معاذ اللہ تعالیٰ)۔اور کبھی کہتے کہ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہمیں سناتا ہے۔بے شک قرآن کریم میں آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ہیں مگر ان واقعات سے محض دماغی عیاشی نہیں ہے بلکہ ان کے اندر ایک حقیقت ہے جس سے عبرت اور سبق حاصل ہوتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے..........

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ پس آپ ﷺ واقعات بیان کریں تاکہ یہ لوگ غور و فکر کریں اور کبھی کہتے کہ یہ مفتری ہے یعنی قرآن خود بنا کے ہمیں سنا دیتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

مقابلہ کے لئے قرآن کا چیلنج :

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ اور اگر ہو تم شک میں مِّمَّا اس چیز کے بارے میں نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا جو اتاری ہم نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ، سُوْرَةٍ میں تنوین قلت کے لئے ہے معنی ہوگا پس لاؤ تم کوئی چھوٹی سی سورت۔ مِّنْ مِّثْلِهٖ اس قرآن جیسی۔

قرآن پاک میں تین سورتیں تمام سورتوں سے چھوٹی ہیں۔

(۱)...... سورۃ العصر　(۲)......سورۃ الکوثر　(۳)......سورۃ النصر

اور قرآن کریم کی کوئی سورت تین آیتوں سے کم نہیں ہے۔اسی لئے فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کی ایک رکعت میں کم از کم تین آیتیں پڑھنی چاہییں۔یا ایک آیت اتنی لمبی ہو کہ جو تین آیتوں کے برابر ہو تو پھر بھی صحیح ہے۔مطلب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد اگر آیت بھی اتنی بڑی پڑھ لیں کہ جو کم از کم تین آیتوں کے برابر ہو تو نماز صحیح ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چیلنج دیا اگر تمہیں اس چیز کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے تو تم اس قرآن کے مثل کوئی چھوٹی سی سورت ہی لے آؤ۔یہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری چیلنج تھا۔پہلے یہ چیلنج دیا کہ.........

لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا یعنی انسان اور تمام جن مل کر بھی اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے اگرچہ یہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں گویا ساری مخلوق عاجز ہے۔اس بات سے کہ قرآن جیسا کوئی کلام پیش کر سکیں۔پھر چیلنج دیا کہ اگر سارے قرآن کی مثل نہیں لا سکتے تو تمہیں مزید چھوٹ دے دیتے ہیں۔وہ اس طرح کہ قرآن کریم کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں ایک سو چار سورتیں تمہیں معاف ہیں.........

فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ پس اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لے آؤ۔معلوم ہو جائے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے بلکہ انسان بھی اس جیسا کلام پیش کر سکتا ہے۔مگر کوئی بھی اس چیلنج کا جواب نہ دے سکا۔پھر آخر میں یہ چیلنج دیا کہ اس قرآن جیسی کوئی چھوٹی سی سورۃ ہی لے آؤ اور پہلے تو انسانوں اور جنوں کو چیلنج تھا اور

اب فرمایا.........

وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، شُهَدَآءَ، شَهِيْد کی جمع ہے اور یہاں شہید کے معنی مددگار کے ہیں معنی ہوگا اور بلالو اپنے امدادیوں کو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ چاہے انسان ہوں چاہے جنات ہوں، چاہے فرشتے ہوں۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر ہو تم سچے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا پس اگر تم نہ کرسکو۔ یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور ہرگز نہ کرسکو گے۔ پندرہویں صدی شروع ہے آج تک کوئی ماں کا لال قرآن پاک جیسی ایک سورت بھی نہ لا سکا۔ حالانکہ سحبان وائل جیسے بڑے بڑے فصیح اور بلیغ اس دنیا میں آئے ہیں۔

فصیح عرب سحبان وائل قرآن کے سامنے مہر بلب :

سحبان وائل تمام فصحاء کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ اتنا فصیح تھا کہ اس نے بالغ ہونے کے بعد ساری زندگی مکرر جملہ نہیں بولا۔ یعنی اپنے مطلب کی ادائیگی کے لئے اس نے جو جملہ ایک دفعہ بولا ہے دوبارہ اسے زبان پر نہیں لایا۔ اگر وہ بات دوبارہ بیان کی ہے تو دوسرے جملہ کے ساتھ بیان کی ہے۔ مگر اس کو بھی قرآن جیسی سورۃ لانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ نہ آج تک کوئی لا سکا نہ قیامت تک کوئی لا سکے گا۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ پھر ڈرو تم اس آگ سے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ جس کا ایندھن ہوں گے لوگ اور پتھر۔ یعنی جس طرح اس میں انسان جلیں گے اسی طرح پتھر بھی جلیں گے اور وہ آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہوگی۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے، منکروں کے لئے، یہ تو کافروں کا انجام ہوگا اب ماننے والوں کا انجام بھی سن لو تا کہ دونوں باتیں سامنے

آجائیں فرمایا..........

مومنوں کو بشارت :

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اورآپ خوشخبری سنادیں ان لوگوں کو جوایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اورعمل کئے اچھے۔کس چیز کی خوشخبری؟فرمایا..........

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ بے شک ان کے لئے ایسے باغات ہوں گے تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا جب بھی ان کو دیا جائے ان جنتوں میں پھلوں سے رزق قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ جواس سے پہلے ہمیں روزی دی گئی تھی وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا اوروہ اس میں دیئے جائیں گے ایک دوسرے سے ملتا جلتا۔

مثلاً تیسرے دن جو پھل ملے گا اس کی شکل وصورت وہی ہوگی جو داخل ہونے کے بعد دوسرے دن ملا تھا مگر ذائقہ الگ الگ ہوگا اورلذت روز بروز بڑھتی جائے گی پہلے دن کے پھل کا جو ذائقہ ہوگا دوسرے دن کا اس سے زیادہ ہوگا تیسرے دن کا اس سے زیادہ ہوگا اسی طرح روز بروز بڑھتا جائے گا۔جس طرح کافروں کے متعلق فرمایا......

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا پس چکھو تم ہرگز نہیں بڑھائیں گے تمہارے لئے مگر عذاب ہی۔یعنی ان کے عذاب میں دن بدن اضافہ ہوتا جائے گا۔ اورمومنوں کے لئے مزید کیا ہوگا؟۔فرمایا..........

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اوران کے لئے ہوں گے ان جنتوں

میں جوڑے پاکیزہ۔ ایمان والوں کو وہاں حوریں بھی ملیں گی اور دنیا والی عورتیں بھی ملیں گی اور ان کا درجہ حوروں سے زیادہ ہوگا۔

دنیا کی عورتوں اور حوروں کا مکالمہ :

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دنیا والی عورتوں کو حوریں کہیں گی کہ ہم جنت کی مخلوق ہیں کوئی کستوری سے پیدا ہوئی ہوگی کوئی عنبر سے کوئی کافور سے کوئی زعفران سے اور تم خاکی مخلوق ہو۔ مگر تمہارا درجہ اور حسن ہمارے سے زیادہ ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔

یہ عورتیں جواب دیں گی بِصَلٰوتِنَا وَصِيَامِنَا ہم نمازیں پڑھتی تھیں اور روزے رکھتی تھیں۔ اس وجہ سے ہمیں یہ مقام ملا ہے تم تو یہاں مفت میں کھاتی پیتی ہو۔ دنیا والی عورتوں کو نمازوں اور روزوں کی برکت سے اور دین کے سلسلے میں مشقتیں برداشت کرنے کی وجہ سے حوروں پر سرداری ملے گی۔ اور ان کا حسن و جمال حوروں کے حسن و جمال کو مات کردے گا مگر شرط یہ ہے کہ مومن ہوں۔ کیونکہ آخرت کی کامیابی کے لئے ایمان شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور مہربانی سے عورتوں کو سہولت عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنے گھر میں ہی نماز پڑھیں۔

عورتوں کو بطورِ خاص نصیحت :

وہ عورت بڑی خوش قسمت ہے جس کا خاوند نماز روزے کا پابند ہے۔ اور یہ اس کی خدمت کرتی ہے روٹی پکا کر دیتی ہے۔ کپڑے دھو کر استری کر کے دیتی ہے۔ خاوند کے گھر مال، عزت کی حفاظت کرتی ہے۔ تو یہ خاوند کے ثواب میں برابر کی شریک ہے۔ یعنی جتنی وہ نیکیاں کرتا ہے جتنا ثواب اس کو ملے گا اس کو بھی اتنا ثواب

ملے گا۔ وہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھے گا اس کو گھر میں بیٹھے ہوئے اس کے برابر ثواب ملے گا۔

اور بیبیو اور بیٹیو! یہ مسئلہ یاد رکھنا کہ نفلی روزوں اور نفلی نمازوں سے گھر کے کام کاج کا ثواب زیادہ ہے۔ مگر آج کل عورتیں کم کوس ہیں گھروں میں مشینیں آگئی ہیں سارا کام مشینوں سے لیتی ہیں۔ ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتیں۔ اس وجہ سے صحت پر بھی برا اثر پڑھتا ہے۔ ہاتھ پاؤں حرکت نہیں کریں گے تو جسم میں ضعف اور کمزوری آئے گی۔ بیماریاں حملہ کریں گی تجربہ شاہد ہے کہ بوڑھی عورتیں آج کل کی نوجوان عورتوں سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ اور بوڑھے نوجوانوں سے زیادہ طاقت اور ہمت رکھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے بدن کو حرکت دی ہے اور ہاتھ پاؤں کے ساتھ کام کیے ہیں۔ اور ہاتھ اور پاؤں کے ساتھ کام کرنے میں اللہ تعالیٰ نے صحت رکھی ہے اور اجر و ثواب بھی رکھا ہے۔ لیکن آج کل کے تمام کام مشینوں کے ذریعے سرانجام دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ صحت اور طاقت نہیں ہے۔

تو خیر! فرمایا کہ ایمان والوں کو جنتوں میں جوڑے ملیں گے عورتوں کو خاوند اور مردوں کو پاکیزہ بیویاں ملیں گی وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان کے انعامات میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا
بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
فَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ
بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ
وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ
يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ
يَقْطَعُوْنَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ
فِي الْأَرْضِ ؕ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ
تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ۗ
ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ

سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

لفظی ترجمہ :

اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ لَا يَسْتَحْيٖٓ نہیں شرماتا اَنْ يَّضْرِبَ یہ کہ بیان کرے مَثَلًا مَّا کوئی مثال بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا مچھر کی ہو یا اس سے بڑی فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے فَيَعْلَمُوْنَ پس وہ جانتے ہیں اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ کہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور بہرحال وہ لوگ جو کافر ہیں فَيَقُوْلُوْنَ پس وہ کہتے ہیں مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا کیا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ساتھ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے بہتوں کو وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا اور ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے بہتوں کو وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اور نہیں گمراہ کرتا اس کے ذریعے اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ مگر نافرمانوں کو۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ نافرمان وہ ہیں جو توڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کو مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ اس کو مضبوط کرنے کے بعد وَيَقْطَعُوْنَ اور توڑتے ہیں مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اس چیز کو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اَنْ يُّوْصَلَ یہ کہ اس کو جوڑا جائے

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اور فساد مچاتے ہیں زمین میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اور یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ کیسے تم انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کا وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا حالانکہ تم بے جان تھے فَاَحْيَاكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تم کو زندہ کیا ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ پھر تمہیں مارے گا ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ پھر تمہیں زندہ کرے گا ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا جو کچھ زمین میں ہے سارا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ پھر اس نے ارادہ کیا آسمان کی طرف فَسَوّٰىهُنَّ پس برابر کر دیا ان کو سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سات آسمان وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

ربط :

اس سے پہلے درس میں میں نے بتایا تھا کہ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ توحید، رسالت اور معاد کا اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ اگر تمہیں شک ہے اس قرآن کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے تو قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے کسی ایک چھوٹی سی سورت کے مثل کوئی سورت لے آؤ۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا پس اگر تم لوگ عربی اور فصیح و بلیغ ہونے کے باوجود سب

مل کر بھی نہ لاسکو وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور تم ہرگز نہ لاسکو گے تو بچو تم اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

قرآنِ کریم پر مشرکین کا اعتراض :

مشرکین مقابلہ کرنے سے تو عاجز آگئے مگر دنیا کی عادت ہے کہ خاموش کوئی نہیں رہتا۔ جب ان سے کچھ نہ بن پڑا تو قرآن پاک پر اعتراض اور شوشے چھوڑنے شروع کر دیئے۔ کہنے لگے کہ تم قرآن کی بڑی تعریف کرتے ہو کہ یہ بڑی عظیم کتاب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو پھر اس میں مکھی، مچھر، مکڑی، کتے اور خنزیر کا ذکر کیوں آتا ہے؟۔ کیونکہ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر موقع محل کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا......

قرآنِ کریم کی عام فہم مثالیں :

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ حرام کر دیا گیا تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کی بے بسی کو ذکر کرتے ہوئے سورۃ الحج میں فرمایا......

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو! ضُرِبَ مَثَلٌ ایک مثال بیان کی جاتی ہے فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اس کو غور سے سنو اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بے شک جس کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس سمجھ کر پکارتے ہو لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وہ ہرگز نہیں بنا سکتے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں۔ اور اسی طرح شرک کی تردید کرتے ہوئے بیسویں پارے کے آخر میں

فرمایا.........

مَثَلُ الَّذِیْنَ مثال ان لوگوں کی اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ جنہوں نے بنائے اللہ تعالیٰ کے سوا کارساز کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ مکڑی کی طرح ہے اِتَّخَذَتْ بَیْتًا جس نے بنایا اپنا گھر وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ اور بے شک تمام گھروں سے کمزور البتہ مکڑی کا گھر ہے یہ مکڑی کا جالا نہ اس کو گرمی سے بچا سکتا ہے۔ نہ سردی سے اور معمولی سا تنکا لگنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔

غرضیکہ تمام گھروں میں کمزور ترین گھر مکڑی کا جالا ہے۔ مکڑی سے کوئی پوچھے کہ اتنا بڑا مکان کوٹھی مضبوط قلعہ تیرے لیئے کافی نہیں ہے کہ اس کی چھت کے نیچے یہ جالا بناتی ہے۔ یہی حال ہے مشرکوں کا کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق پر اس کو یقین نہیں آتا اس سے نیچے نیچے چھوٹے چھوٹے کارساز حاجت روا، مشکل کشا، دستگیر بناتے ہیں۔ جو نہ ان کا کچھ بنا سکتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ہیں۔

پھر یہ جو مکڑی جالا بناتی ہے اس کا میٹریل باہر سے نہیں لاتی بلکہ اسکا میٹریل اس کے پیٹ سے لعاب کی شکل میں باہر نکلتا ہے۔ ایسے ہی مشرک کے پاس اپنے شرکیہ عقیدے پر خارج سے کوئی دلیل نہیں ہوتی نہ قرآن کریم سے، نہ سنت رسول سے، نہ اعمالِ صحابہ سے، نہ بزرگوں کے اقوال سے بلکہ جو کچھ نکلتا ہے اندر سے ہی نکلتا ہے......

کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ (سورۃ الکہف) بڑی سخت بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔ ظالم مشرک اپنے شرک پر ساری دلیلیں اپنے پیٹ سے ہی نکالتا ہے اسی طرح قرآن کریم میں کتے کا بھی ذکر آتا ہے۔ تو

مشرکوں نے اعتراض کیا ہے کہ جب قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اس میں ان چیزوں کا ذکر کیوں ہے؟۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں، فرمایا..........

اِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ لَایَسْتَحْیٖٓ نہیں شرماتا اَنْ یَّضْرِبَ یہ کہ بیان کرے مَثَلًا مَّا کوئی مثال، جو تمہیں سمجھانے کے لئے ہو۔ بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (فرض کرو) مچھر کی ہو یا اس سے بڑی ہو۔ باریک ہونے میں اس سے بڑی ہو۔ یا موٹا ہونے میں اس سے بڑی ہو۔ مثالیں تو سمجھانے کے لئے ہوتی ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہودیوں کے پیروں اور مولویوں نے دین کا نقشہ بگاڑ دیا تھا۔ جس طرح آج کل اہلِ بدعت نے صحیح دین اسلام کا نقشہ بگاڑ دیا ہے۔ یہودی اس طرح کرتے تھے کہ چھوٹی باتوں کی طرف توجہ دیتے تھے لیکن بڑی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو سمجھانے کے لئے فرمایا کہ ''تم مچھروں کو چھانتے ہو اور اونٹوں کو نگلتے ہو''۔ یعنی چھوٹی باتوں کا خیال کرتے ہو اور بڑی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔

لطیفہ :

ایسا ہی ایک واقعہ **''المستطرف فی کل فن مستظرف''** نامی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اس کتاب میں وعظ ونصیحت کی باتیں بھی ہیں اور ہنسی مذاق کی باتیں بھی ہیں۔ واقعہ یہ لکھا ہے کہ ایک آدمی نے کنواری عورت کے ساتھ بدکاری کی جس سے وہ حاملہ ہوگئی اس بدکار نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ ولادت ہو جائے گی اور میری بدنامی ہوگی لہٰذا مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اس کو مشورہ دیا گیا کہ کسی دائی سے مل کر

اسقاط حمل کر دے کہنے لگا کہ حمل گرانا تو مکروہ ہے۔اس نے اتنا خیال نہ کیا کہ حمل گرانا مکروہ اور کیا بدکاری جائز ہے۔یہی حال تھا یہودیوں کا کہ چھوٹی چیزوں کا خیال کرتے تھے اور بڑی چیزوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔تو مثالیں سمجھانے کے لئے ہوتی ہیں............

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پس بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے فَیَعْلَمُوْنَ پس وہ جانتے ہیں اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ کہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے وَ اَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور بہرحال وہ لوگ جو کافر ہیں فَیَقُوْلُوْنَ پس وہ کہتے ہیں مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا کیا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ساتھ کہ کہیں مکڑی کا ذکر کیا، کہیں مکھی کا۔ان کے دماغ ٹیڑھے تھے اس لئے اس طرح کے اعتراض کرتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں............

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے بہتوں کو۔جن کے دماغ صاف نہیں، ضدی ہیں۔اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا اور ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعے بہتوں کو۔جو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سمجھانے کے لئے مثالیں دی ہیں۔ وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ اور نہیں گمراہ کرتا ان مثالوں کے ذریعے مگر نافرمانوں کو۔ جو حق کو نہیں مانتے اور فاسق، فاجر ہیں۔آگے فاسقین کی صفات کے ساتھ ان کی وضاحت فرمائی ہے............

﴿فاسقین کی علامات﴾

①......فاسقین کی پہلی صفت :

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ فاسق، فاجر، نافرمان وہ ہیں جو توڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کو مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ اس کو مضبوط کرنے کے بعد۔ اس عہد سے کون سا عہد مراد ہے؟ تو مفسرین کرام رحمہم اللہ کے درج ذیل مختلف اقوال ہیں.........

①...... مفسرین کرام رحمہم اللہ کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انسانوں سے لیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک جو بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں پیدا ہونے والے تھے چیونٹیوں کی مانند سب کو ظاہر فرمایا اور ان کو عقل اور شعور دیا پھر ان سے پوچھا.........

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سہیل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کو "قولِ الست" کا یاد ہونا :

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ قَالُوْا بَلٰی سب نے کہا کیوں نہیں تو ہمارا رب ہے۔ بعض ملحدوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر ہم نے یہ عہد کیا ہوتا تو ہمیں یاد ہوتا۔ ہمیں تو یہ عہد یاد نہیں ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن کے حافظے کمزور ہیں ان کو تو یاد نہیں ہے اور جن کے حافظے مضبوط ہیں ان کو یاد ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے الست والا عہد یاد ہے۔ اسی طرح حضرت سہیل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اولیاء میں سے گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ وہ عہد مجھے بھی یاد ہے۔ اور کئی بزرگ ہیں جو فرماتے ہیں کہ الست والا عہد ہمیں یاد ہے۔

رہی ہماری تمہاری بات تو ہمارے حافظے کا حال تو یہ ہے کہ ہمیں تو یہ بھی یاد نہیں ہے کہ روٹی کا لفظ ہمیں کس نے بتایا، پانی کا لفظ ہمیں کس نے بتایا، ماں نے بتایا، باپ نے بتایا، بھائی نے بتایا۔ آخر کسی کے بتانے سے ہی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ روٹی ہے اور یہ پانی ہے۔ اسی طرح ہاتھ ہے، آنکھ ہے، ناک ہے، پاؤں ہے کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ ہمیں کس نے سکھائے ہیں۔ اور کس وقت بتائے ہیں۔ رات کے وقت بتائے ہیں دن کے وقت بتائے ہیں۔ کس جگہ بتائے ہیں۔ آخر کسی کے بتانے سے ہی معلوم ہوئے ہیں۔ لہٰذا اگر وہ عہد یاد نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عہد لیا ہی نہیں گیا۔ بلکہ عالمِ ارواح میں وہ عہد لیا گیا ہے۔ تو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ''عہد'' سے وہ عہد مراد ہے۔

② ..... مفسرین کرام رحمہم اللہ کا دوسرا گروہ فرماتا ہے کہ اس عہد سے کلمے والا عہد مراد ہے۔ کہ ہم جب کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو اس میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو معبود نہیں مانیں گے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہم ان کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ باقی کتنے لوگ ہیں جو اس عہد کو قائم رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ اور کتنے عہد کو توڑنے والے ہیں یہ سب کے سامنے ہے

عیاں را چہ بیاں

کھلی چیز کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تو یہ عہد مراد ہے کہ وہ اس عہد کو توڑتے ہیں۔

اور اسی طرح جب ہم ایمان مجمل اور ایمان مفصل پڑھتے ہیں تو اس میں بھی

عہد کرتے ہیں وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اور میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو قبول کیا۔ اس پر بھی غور کرلو اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو کہ ہم نے کتنے احکام مانے ہیں اور کتنے توڑے ہیں۔ الست والے عہد پر کتنے قائم ہیں۔ اور کلمے والے عہد پر کس قدر قائم ہیں۔ اور قَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ والے عہد پر کتنا عمل کر رہے ہیں؟ غور کرلو کیونکہ عہد توڑنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فاسقون فرمایا ہے۔

②...... فاسقین کی دوسری صفت :

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اور توڑتے ہیں اس چیز کو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اَنْ يُّوْصَلَ یہ کہ اس کو جوڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور اپنا تعلق میرے ساتھ جوڑو میرے پیغمبروں کے ساتھ تعلق جوڑو، میری کتابوں کے ساتھ تعلق جوڑو، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق جوڑو اور صلہ رحمی کرو۔ یہ نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں، نہ اس کے پیغمبروں کے ساتھ، نہ اس کی کتابوں کے ساتھ، نہ رشتہ داروں کے ساتھ اور صلہ رحمی کی بجائے قطع رحمی کرتے ہیں۔

③...... فاسقین کی تیسری صفت :

وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اور فساد مچاتے ہیں زمین میں۔ خلافِ شریعت کام کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، چوریاں کرتے ہیں، قتل، زنا، جوا کھیلتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں فساد فی الارض ہیں۔ اور ناپ تول میں کمی کرنا، ملاوٹ کرنا بھی فساد فی الارض ہے۔ ملاوٹ کا تو یہ حال ہے کہ نمک، مرچ، ہلدی، دودھ، گھی تک کوئی چیز خالص نہیں ملتی۔ دنیا میں فساد ہی فساد ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ فرمایا.........

اُولٰٓـئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اور یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے۔ یہاں تک توحید، رسالت اور قرآن کریم پر اعتراض کا جواب دیا گیا آگے معاد کا بیان ہے۔فرمایا......

كَيْفَ تَـكْـفُرُوْنَ بِاللّٰهِ کیسے تم انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کا۔یعنی اس کی قدرت اور اس کے احکامات کا وَكُـنْـتُمْ اَمْوَاتًا حالانکہ تم بے جان تھے۔رحم مادر میں تخلیق انسان کی کیفیت یہ ہے کہ چالیس دن تک نطفہ ہی رہتا ہے۔ پھر خون کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ پھر لوتھڑا گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔ پھر گوشت کا ٹکڑا ہڈیاں بن جاتا ہے۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھ جاتا ہے۔ جب انسانی شکل بن گئی تو چار ماہ بعد اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔اب اس میں جان آگئی۔اور اس نے ماں کے پیٹ میں نقل وحرکت شروع کردی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی خوراک کا انتظام اس طرح کیا کہ حیض والی نالی کا اس کی ناف کے ساتھ ناڑو لگادیا۔ ماں کے بدن کے ساتھ اس کو جوڑ دیا اس کے ذریعے سے اس کو خوراک ملتی ہے۔ جان پڑنے کے بعد پانچ ماہ تک ماں کے پیٹ میں رہتا ہے، پلتا ہے، سانس بھی لیتا ہے، خوراک بھی مل رہی ہے۔

خدا کی قدرت دیکھو! نہ کوئی کھڑکی ہے، نہ دروازہ ہے، نہ گرمی سردی سے بچنے کا انتظام ہے۔ مگر وہ پل رہا ہے، موٹا بھی ہو رہا ہے اور اس قابل ہو جاتا ہے کہ پیدائش کے بعد آواز بھی نکالتا ہے۔ جبکہ دنیا میں حالت یہ ہے کہ گرمی میں چھوٹے سے کمرے کی کھڑکیاں، روشن دان، دروازے بند کردیں تو انسان کو سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ دم نکلتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ اس نے کس طرح انتظام

فرمایا ہے کہ وہ ماں کے چھوٹے سے پیٹ میں سانس بھی لے رہا ہے، خوراک بھی مل رہی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھو وہ قادرِ مطلق ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ فرمایا........

فَاَحْیَاکُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں زندہ کیا۔ کہ ماں کے پیٹ میں جان ڈالی ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ پھر تمہیں مارے گا ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ پھر وہ تمہیں قبر میں زندہ کرے گا۔

قبر میں زندگی :

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زندگی سے مراد قبر کی زندگی ہے۔ انسان جب فوت ہوتا ہے تو اس کی روح نکل جاتی ہے پھر جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو تُعَادُ رُوْحُہٗ فِیْ جَسَدِہٖ اس کی روح اس کے جسم میں ڈالی جاتی ہے فرشتے آ جاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں........

مَنْ رَّبُّکَ تیرا رب کون ہے؟۔ مَنْ نَبِیُّکَ تیرا نبی کون ہے؟۔ مَادِیْنُکَ تو کس دین پر تھا؟۔ وہ سوالوں کو سمجھتا بھی ہے اور جواب بھی دیتا ہے۔ اس کے بعد اگر نیک ہے تو اس کو قبر میں جو راحت اور آرام ملتا ہے اس کو وہ سمجھتا بھی ہے اور محسوس بھی کرتا ہے اور اگر بد ہے تو اس کو جو سزا ملتی ہے اس کو وہ سمجھتا بھی ہے اور محسوس بھی کرتا ہے۔

ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ قیامت قائم کی جائے گی۔ تمام کے تمام رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے رتی رتی کا حساب ہوگا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی چند نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہارے پہلوؤں کو پیدا کیا اس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا، آسمان کی طرف سے بارش نازل فرمائی۔ اور اس کے ذریعے پھل پھول پیدا فرمائے۔ آگے دیگر انعامات کا ذکر ہے، فرمایا.........

کوئی چیز بے فائدہ نہیں :

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا جو کچھ زمین میں ہے سارا۔ زمین میں جو کچھ ہے انسان کے فائدے کے لئے ہے۔

فائدہ کی مختلف صورتیں :

بعض ملحدین اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بتاؤ سانپ کے پیدا کرنے میں انسان کو کیا فائدہ ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سانپ کے فوائد تو بہت ہیں، میں آپ کو سمجھانے کے لئے صرف ایک فائدہ بتاتا ہوں۔

دیکھو! عذابِ قبر کے بارے میں آتا ہے کہ بروں کے پیچھے ننانوے اژدھے لگے ہوں گے وہ اتنے زہریلے ہوں گے کہ اگر ایک دفعہ سانس لیں تو دنیا میں کوئی چیز ہری نہ رہے۔ تو ان کا ڈنگ کتنا زہریلا ہوگا۔ اب اگر دنیا میں سانپ نہ ہوتا تو یہ بات کس طرح سمجھ آتی اور انسان عبرت کس طرح حاصل کرتا؟۔

حالت یہ ہے کہ مجمع میں اگر چھوٹا سا سانپ نظر آجائے تو مجمع بدحواس ہو کر بکھر جاتا ہے۔ اور قبر میں اتنے زہریلے سانپ ہوں گے وہ ڈنگ ماریں گے اور آدمی بھاگ بھی نہیں سکے گا۔ تو یہ فائدہ ہے کہ نہیں کہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔

فائدے کا معنٰی صرف یہ نہیں ہے کہ آدمی پیٹ میں ڈالے۔ بلکہ عبرت حاصل کرنا بھی فائدے میں شامل ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ پھر اس نے ارادہ کیا آسمان کی طرف۔ زمین کی طرح آسمان بھی آٹے کے پیڑے کی طرح گول تھا۔

فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ پس برابر کردیا ان کو سات آسمان اپنی قدرت سے۔ یہ تمام چیزیں زمین، آسمان اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدے کے لئے بنائے ہیں۔

وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور وہ ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔ کوئی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى

وَاسْتَكْبَرَ ۚ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٤﴾

لفظی ترجمہ :

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ اور جب فرمایا تیرے رب نے لِلْمَلٰٓئِكَةِ فرشتوں کو اِنِّیْ جَاعِلٌ بے شک میں بنانے والا ہوں فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً زمین میں نائب قَالُوْٓا کہا فرشتوں نے اَتَجْعَلُ فِيْهَا کیا تو بناتا ہے اس زمین میں مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا اس کو جو فساد مچائے گا زمین میں وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ اور بہائے گا خون وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ اور ہم فرشتے تیری پاکی بیان کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ وَنُقَدِّسُ لَكَ اور ہم تیری پاکیزگی کا اقرار کرتے ہیں قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بے شک میں جانتا ہوں مَا لَا تَعْلَمُوْنَ جو تم نہیں جانتے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ اور تعلیم دی آدم (علیہ السلام) کو الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سب ناموں کی ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ پھر ان کو پیش کیا فرشتوں پر فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دو بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ ان چیزوں کے ناموں کی اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ کہا فرشتوں نے تیری ذات پاک ہے لَا عِلْمَ لَنَآ ہمیں کوئی علم نہیں ہے اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھایا ہے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ بے شک تو ہی ہے علم والا اور حکمت والا قَالَ

يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے آدم خبر دے ان کو بِاَسْمَآئِهِمْ ان چیزوں کے ناموں کی فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ پس جب خبر دی آدم (علیہ السلام) نے ان کو بِاَسْمَآئِهِمْ ان چیزوں کے ناموں کی قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا اِنِّیْۤ اَعْلَمُ بے شک میں جانتا ہوں غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کے غیبوں کو وَاَعْلَمُ اور میں جانتا ہوں مَا تُبْدُوْنَ اس چیز کو جس کو تم ظاہر کرتے ہو وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ اور اس چیز کو جس کو تم چھپاتے ہو۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سجدہ کرو تم آدم (علیہ السلام) کو فَسَجَدُوْۤا پس انہوں نے سجدہ کیا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ مگر ابلیس نے اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ اس نے انکار کر دیا اور تکبر کیا وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ اور تھا وہ کافروں میں سے۔

ربط :

ان آیات کا پچھلی آیات کے ساتھ کیا ربط ہے؟۔اس کے متعلق علماء کرام فرماتے ہیں کہ نعمتیں دو قسم کی ہیں.........

①...... ایک ظاہری اور حسی کہ نظر آتی ہیں اور محسوس ہوتی ہیں۔ جیسے آسمان، زمین، انسان کا وجود، خوراک اور لباس ہے کہ یہ نظر بھی آتی ہیں اور محسوس بھی ہوتی ہیں۔

②...... دوسری نعمتیں باطنی اور معنوی ہیں جو نہ تو نظر آتی ہیں اور نہ محسوس

ہوتی ہیں جیسے علم، اخلاقِ حسنہ وغیرہ ہیں۔ کہ جو نہ تو نظر آتے ہیں اور نہ محسوس ہوتے ہیں۔ کیونکہ اخلاقِ حسنہ کا پتہ تو معاملہ کرنے کے بعد چلے گا۔ ویسے نہیں معلوم ہوسکتا۔

خلافت ارضی :

تو پہلے ظاہری اور حسی نعمتوں کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا، آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور اب باطنی اور معنوی نعمتوں کا ذکر ہے کہ اے انسانو! تم اس بزرگ کی نسل سے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نوازا جس کی بدولت وہ فرشتوں سے آگے نکل گیا اور مسجود الملائکہ بنا۔ اور انسانوں کی توجہ اس طرف بھی کرائی ہے کہ تم شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہو اس نے جو تمہارے ساتھ کیا تھا وہ بھی سن لو۔ اور اس کے نقش قدم پر چلنا چھوڑ دو اور اپنی اصل کو نہ بھولو۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ اور جب فرمایا تیرے رب نے لِلْمَلٰٓئِكَةِ فرشتوں کو۔ مَلٰٓئِكَةٌ، اَلُوْكَةٌ سے مشتق ہے۔ اور اَلُوْكَةٌ کا معنیٰ ہے پیغام پہنچانا۔ اور فرشتوں کے ذمہ بھی مختلف ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ کوئی وحی لاتا ہے کوئی رحمت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ کوئی نیکوں کے لئے رحمت کی دعائیں کر رہا ہے۔ کوئی مجرموں پر لعنتیں پہنچا رہا ہے۔ کوئی احکامات پہنچانے کی ذمہ داری پوری کر رہا ہے۔ اس لئے ان کو ملائکہ کہا جاتا ہے۔ اور فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی ہے۔

فرشتوں کے ''نور'' سے مراد :

چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ فرشتے نور سے پیدا کئے

گئے ہیں لیکن یہ نور وہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام نور بھی ہے یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس سے کوئی چیز نہیں نکلی فرشتے جس نور سے پیدا کئے گئے ہیں وہ مخلوق ہے جس طرح مٹی مخلوق ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ آگ مخلوق ہے جو جنات کی اصل ہے۔

اسی طرح نور بھی مخلوق ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا ہے۔ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ اور نہ ان میں جنسی خواہشات ہیں وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ اور ان کی اعلیٰ ترین عبادت ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ تو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا..........

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں نائب۔ خلیفہ کا معنیٰ ہے نائب۔ اللہ تعالیٰ کی نیابت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اللہ تعالیٰ سے وصول کر کے اس کی مخلوق پر نافذ کرے۔ مخلوق کو پہنچائے تاکہ وہ اس پر عمل کریں۔

فرشتوں کا اشکال :

قَالُوْٓا کہا فرشتوں نے اَتَجْعَلُ فِیْهَا کیا تو بناتا ہے اس زمین میں مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا اس کو جو فساد مچائے گا زمین میں وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ اور بہائے گا خون وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ اور ہم فرشتے تیری پاکی بیان کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھتے رہتے ہیں۔

وَنُقَدِّسُ لَكَ اور ہم تیری پاکیزگی کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ تو تمام عیبوں اور کمزوریوں سے پاک اور صاف ہے۔ اس سے فرشتوں کا مدعا یہ تھا کہ اے پروردگار! کسی اور مخلوق کو جو خلیفہ بنانا چاہتا ہے ہمیں بنادے ہم ہر وقت تیری تسبیح اور تقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔

انسان کی فضیلت :

قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بے شک میں جانتا ہوں مَا لَاتَعْلَمُوْنَ جو تم نہیں جانتے۔ تمہارے ذہن میں صرف فرمانبرداری اور اطاعت ہے کہ جس کو تو نے پیدا کرنا ہے اس نے بھی تیری فرمانبرداری اور اطاعت کرنی ہے۔ اور وہ ہم کر رہے ہیں لہٰذا اس کو بنانے کی کیا ضرورت ہے؟۔

ٹھیک ہے تم فرمانبردار ہو اور رہو گے کیونکہ تمہارے خمیر میں خواہشات نہیں ہیں۔ میں ایک ایسی مخلوق بنانا چاہتا ہوں جس میں ہر طرح کی خواہشات بھی ہوں گی لیکن اس میں ایسی قابلیت اور صلاحیت ہوگی کہ وہ ان تمام خواہشات کو دبا کر میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے فرمانبردار رہے گا۔ اس بات کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اور اس وجہ سے انسان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے کہ فرشتے لمبی راتوں میں بھی ساری رات سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھتے رہتے ہیں۔ کوئی قیام میں پڑھ رہا ہے، کوئی رکوع میں اور کوئی سجدے میں۔ نہ ان کو وضو کی ضرورت ہے کیونکہ ان کا وضو ٹوٹتا ہی نہیں ہے۔ نہ ان کو نیند کی حاجت ہے اور انسان کے ساتھ یہ ساری حاجتیں اور ضرورتیں لگی ہوئی ہیں۔ پھر وہ فرمانبردار ہے۔ اس لئے اس کی عبادت کا درجہ فرشتوں کی عبادت سے زیادہ ہے۔

مسلم شریف میں حدیث ہے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اور پھر فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو یوں سمجھو کہ اس نے ساری رات عبادت میں گزاری ہے۔یعنی عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر سو گیا اور صبح کو اٹھ کر فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی۔تو اس کا سونا بھی عبادت شمار ہوگا۔کیونکہ یہ گرمی، سردی کی پرواہ کیے بغیر اٹھتا ہے، وضو کرتا ہے پھر چل کر مسجد میں جاتا ہے۔اور فرشتوں کو نہ گرمی کی تکلیف اور نہ سردی کا احساس، نہ چلنے سے تھکاوٹ اس لئے انسان کی پانچ منٹ کی عبادت فرشتوں کی ساری رات کی عبادت سے افضل ہے۔اگر چہ مقدار میں تھوڑی ہے۔اور فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ یہ زمین میں فساد مچائے گا اور خون ریزی کرے گا۔

فرشتوں کے اشکال کی وجہ؟ :

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس چیز کا فرشتوں کو کس طرح پتہ چل گیا۔غیب کا علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔تو انہوں نے قبل از وقت یہ بات کس طرح کر دی؟۔اس سلسلے میں مفسرین کرام رحمہم اللہ نے بہت ساری باتیں بیان فرمائی ہیں۔ان میں سے ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ............

① ...... آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے زمین میں جنات کی حکومت تھی اور وہ قتل وغارت اور فساد وغیرہ سب کچھ کرتے تھے تو ان پر قیاس کرتے ہوئے کہ جو ان کی جگہ آ رہے ہیں یہ بھی وہی کچھ کریں گے گویا کہ فرشتوں نے ایک نوع کا دوسری نوع پر قیاس کیا قَاسَ اَحَدَ النَّوْعَیْنِ عَلَی الْاٰخَرِ انہوں نے ایک نوع کا

دوسری نوع پر قیاس کیا۔

②...... اور اس کے جواب میں دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ لفظ خلیفہ سے انہوں نے یہ سمجھا کہ حاکم اور خلیفہ کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں جھگڑا ہو فتنہ فساد ہو اور جہاں جھگڑا، فساد نہ ہو وہاں خلیفے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ساری جنت میں ایک بھی تھانیدار نہیں ہوگا۔

③...... اور تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ فرشتوں نے لوح محفوظ میں دیکھا تھا کیونکہ جب سے دنیا بنی ہے اس وقت سے لے کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے لوحِ محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لکھ دیا ہے کہ فلاں یہ کرے گا، فلاں یہ کرے گا، فلاں یہ کرے گا۔ تو اس کے ذریعے فرشتوں کو معلوم ہوا کہ آنے والی مخلوق یہ کچھ کرے گی۔ ملائکۃ المقربین نے لوحِ محفوظ کو دیکھا تھا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لکھا تھا اور فرشتوں نے پڑھا تھا۔ وہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

اس وقت فتنے عروج پر ہیں اور جوں جوں قیامت قریب آئے گی فتنے زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی ہے کہ جوں جوں قیامت قریب آئے گی فتنے زیادہ ہوں گے لوگ اتنے پریشان ہو جائیں گے کہ آدمی قبر کو دیکھ کر کہے گا کاش! یہ میری قبر ہوتی۔ یعنی میں مر چکا ہوتا۔ اور فتنوں سے محفوظ ہو جاتا۔

اور آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکلا ہے وہ کبھی خطا نہیں جا سکتا۔ جوں جوں قیامت قریب ہوگی دن بدن فتنوں میں اضافہ ہوگا۔ کمی کی توقع نہیں ہے۔ کمی تب ہوگی جب امام مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے اور ان کی کنائی کریں گے بدمعاش ختم ہوں گے اور اللہ والے کونوں سے باہر نکل آئیں گے۔ تو فرشتوں نے کہا

اے پروردگار! تو ایسے کو بنانا چاہتا ہے جو زمین میں فساد مچائے گا اور خون ریزی کرے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بے شک ان میں ایسے بھی ہوں گے۔ مگر بے شمار ان میں نیک بھی ہوں گے۔

انقلابِ روس اور استقامت دین :

پہلے زمانے تو خیر کے تھے ہر طرف نیک لوگ تھے مگر اس زمانے میں بھی زمین کے ہر کونے میں نیک لوگ موجود ہیں۔ اور انہوں نے مظالم کو برداشت کر کے بھی ایمان بچایا ہے اور اسلام کا تحفظ کیا ہے۔

روسی انقلاب کو ہی دیکھ لو کہ انہوں نے اسلام پر پابندی لگا دی ستر سال تک روسی مظالم نے لوگوں کے ذہن مسخ کیے حکومت سے منظوری لئے بغیر نومولود بچے کا نام کوئی نہیں رکھ سکتا تھا۔ کہ کوئی مسلمانوں والا نام نہ رکھ دے کہ بڑا ہو کر اس کو معلوم ہو جائے کہ ہم مسلمان ہیں اس حد تک پابندیاں تھیں۔ اس کے باوجود وہاں لوگوں نے تہہ خانوں میں چھپ کر اپنے بچوں کو دین سکھایا اور ایمان کا تحفظ کیا۔ الحمد للہ! اس وقت بھی ان علاقوں میں مسلمان موجود ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتوں کا امتحان :

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اور تعلیم دی آدم (علیہ السلام) کو سب ناموں کی ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ پھر ان کو پیش کیا فرشتوں پر فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دو بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ ان چیزوں کے ناموں کی اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو کہ ہم خلافت کے حقدار ہیں۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ کہا فرشتوں نے تیری ذات پاک ہے لَا عِلْمَ لَنَآ ہمیں

کوئی علم نہیں ہے اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھایا ہے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ بے شک تو ہی ہے علم والا اور حکمت والا۔

قَالَ يٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے آدم خبر دے ان کو بِاَسْمَآئِهِمْ ان چیزوں کے ناموں کی فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ پس جب خبر دی آدم (علیہ السلام) نے ان کو بِاَسْمَآئِهِمْ ان چیزوں کے ناموں کی قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ بے شک میں جانتا ہوں غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کے غیبوں کو لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ اس سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

وَاَعْلَمُ اور میں جانتا ہوں مَا تُبْدُوْنَ اس چیز کو جس کو تم ظاہر کرتے ہو وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ اور اس چیز کو جس کو تم چھپاتے ہو۔ ظاہر تو یہ کرتے تھے کہ اے پروردگار! ہم تیری تسبیح پڑھتے ہیں، تیری پاکیزگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور چھپاتے تھے کہ ہمیں خلافت ملنی چاہیے۔

آدم علیہ السلام کی برتری کی وجہ بمعہ امثلہ :

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے تعلیم تو دی آدم علیہ السلام کو اور امتحان میں فرشتے بھی مبتلا کیے گئے۔ بظاہر یہ بات انصاف کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ یا تو فرشتوں کو بھی تعلیم دی جاتی پھر امتحان لیا جاتا۔

① ...... مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اس کا بڑا مختصر جواب دیا ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی موجودگی میں آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کے نام بتائے۔ مثلاً آدم علیہ السلام کو سمجھایا کہ یہ دہی ہے، یہ ہانڈی ہے، اس کو

چمچہ کہتے ہیں، یہ نمک ہے، اس کو ہلدی کہتے ہیں، یہ مرچ ہے وغیرہ، وغیرہ۔ تو جب آدم علیہ السلام کو نام بتائے فرشتے وہاں موجود تھے مگر وہ سمجھ نہ سکے۔ کیونکہ یہ چیزیں ان کی ضرورت کی نہیں تھیں۔ اور آدم علیہ السلام سمجھ گئے کیونکہ یہ چیزیں ان کی ضرورت کی تھیں۔

﴿۲﴾...... پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو اس طرح سمجھو کہ جیسے کوئی استاد اقلیدس (جیومیٹری) پڑھائے اور کہے کہ ایک زاویہ قائمہ ہوتا ہے اور ایک زاویہ کادہ ہوتا ہے، ایک شکل خماسی ہوتی ہے اور ایک مربع ہوتی ہے، ایک مثلث ہوتی ہے اور ایک مسدس ہوتی ہے۔ یہ وہی سمجھیں گے جن کو اس سے کچھ نسبت ہوگی۔ وہاں بیٹھے ہوئے عوام بے چارے کیا سمجھیں گے کہ زاویہ کیا ہوتا ہے؟ اور مثلث کیا ہوتی ہے؟۔ اور مربع کیا ہوتا ہے؟۔ اسی طرح فرشتے بھی نہ سمجھ سکے، کیونکہ ان کا ان چیزوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔

﴿۳﴾..... یا اس طرح سمجھو کہ جس آدمی کو پشتو کے ساتھ تعلق نہ ہو وہ عبدالرحمٰن بابا کے شعر کو نہیں سمجھ سکتا۔ صوبہ سرحد میں ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں عبدالرحمٰن بابا۔ یہ بڑے اونچے درجے کے اشعار بولتے تھے۔ ان کا دیوان بھی پشتو زبان میں بڑا مشہور ہے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

مار چہ سورے لہ ورشی ہلہ سم شی
تو پگور ڈڈے تہ سم شولے رحمانا ھہ

اب جن کو پشتو کے ساتھ تعلق ہے اور پشتو جانتے ہیں وہ تو سمجھ گئے ہوں گے اور جن کو تعلق نہیں وہ نہیں سمجھ سکے۔ بابا جی فرماتے ہیں کہ سانپ جب بل میں داخل ہوتا ہے تو بالکل سیدھا ہو کر داخل ہوتا ہے۔ اے عبدالرحمٰن تو مرنے کے قریب ہو گیا

ہے، قبر کے قریب ہوگیا ہے اور تیرے بل نہیں نکلے جو دنیا سے عشق اور محبت کے بل تیرے بدن میں ہیں۔

تو انہوں نے تصوف کی بہت بلند بات فرمائی ہے اور یاد رکھنا جو صحیح تصوف ہے اس کے بغیر بھی مسلمان کو چارہ نہیں ہے۔ نفس کا تزکیہ کرنا اخلاق حسنہ کو اخذ کرنا بڑی چیز ہے۔ مگر آج کے دور میں اس کو سمجھنا خاصا مشکل ہے۔

فرشتوں کو سجدہ کا حکم :

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سجدہ کرو تم آدم (علیہ السلام) کو فَسَجَدُوْٓا پس انہوں نے سجدہ کیا اِلَّآ اِبْلِيْسَ مگر ابلیس نے اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ اس نے انکار کر دیا اور تکبر کیا وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ اور تھا وہ کافروں میں سے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے کا حکم تو فرشتوں کو دیا تھا۔ اور ابلیس تو جنات میں سے تھا كَانَ مِنَ الْجِنِّ تو اس کے متعلق کیوں فرمایا کہ اس نے انکار کر دیا۔ اور تکبر کیا تو جب اس کو حکم ہی نہیں تھا تو اس نے انکار کس طرح کیا تو یاد رکھنا! قرآن کریم میں ایک جگہ اجمال ہوتا ہے اور دوسری جگہ اس کی تفصیل ہوتی ہے۔ یہاں تو صرف فرشتوں کو سجدے کا حکم ہے اور سورہ اعراف کے دوسرے رکوع میں آتا ہے کہ..........

ابلیس کا انکار و تکبر :

يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ اے ابلیس! تجھے کس نے منع کیا سجدہ کرنے سے جب میں نے تجھے حکم دیا تو اس سے معلوم ہوگیا کہ ابلیس

کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا۔ مگر اس نے انکار کر دیا اور فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔ اور......

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ پس تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا جس طرح جماعت میں امام کے پیچھے سارے مقتدی اکٹھے رکوع سجود کرتے ہیں۔ کیونکہ اَجْمَعُوْنَ کا لفظ ہے جو کہ یہ بتا رہا ہے کہ سب نے اکٹھا سجدہ کیا اور کیا بھی تمام فرشتوں نے ایسا نہیں ہے کہ بعضوں نے کیا ہو اور بعضوں نے نہ کیا ہو۔ کیونکہ كُلُّهُمْ کا لفظ بتا رہا ہے کہ کوئی فرشتہ اس حکم سے خارج نہیں ہے۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس نے نہ کیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے کہا تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو کہنے لگا کہ......

① ... اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے آگ میں شعلہ اور بلندی ہے۔ اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے جو پاؤں کے نیچے کچلی جاتی ہے اس کو میں کیوں سجدہ کروں۔ اور دوسرے مقام پر ہے کہنے لگا......

②...... ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سب سے پہلے بشر کو حقیر سمجھنے والا ابلیس ہے۔ پندرہویں پارے میں ہے، کہنے لگا......

③... اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ یہ وہ ہے جس کو تو نے میرے اوپر فضیلت دی ہے۔ رب تعالیٰ کے ساتھ طعن بازی کی ہے۔ جیسے عورتیں لڑتی ہیں تو طعنے دیتی ہیں۔ اور بشر کی تعریف اور تعظیم سب سے پہلے فرشتوں نے کی ہے۔ بشر کا

مقام بہت بلند ہے، لہٰذا اے انسانو! تم مسجود الملائکہ کی نسل سے ہو۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر جو فضیلت حاصل ہوئی تو علم کی وجہ سے ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں معنوی اور روحانی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس کو یاد رکھو اور اعمالِ صالحہ کرو.................. واللہ الموفق۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا
هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا
فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ
اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ
فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾
قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا
يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

لفظی ترجمہ :

وَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اور کہا ہم نے اے آدم! اسْکُنْ اَنْتَ رہ تو وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اور تیری بیوی جنت میں وَكُلَا مِنْهَا اور کھاؤ تم دونوں اس جنت سے رَغَدًا وسعت اور کشادگی سے حَيْثُ شِئْتُمَا جس جگہ سے چاہو وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اور قریب نہ جانا اس درخت کے فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ پس ہو جاؤ گے ناانصافوں میں سے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا پس پھسلایا ان دونوں کو شیطان نے اس درخت سے فَاَخْرَجَهُمَا پس نکالا ان دونوں کو مِمَّا كَانَا فِيْهِ ان خوشیوں سے جن کے اندر وہ تھے وَقُلْنَا اهْبِطُوْا اور کہا ہم نے اترو تم بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ بعض تمہارے دوسرے بعض کے لئے دشمن ہوں گے وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ اور فائدہ ہے ایک مدت تک۔

فَتَلَقّٰى اٰدَمُ پس حاصل کئے آدم علیہ السلام نے مِنْ رَّبِّهٖ اپنے رب سے كَلِمٰتٍ چند کلمات فَتَابَ عَلَيْهِ پس اللہ تعالیٰ نے رجوع کیا ان پر اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بے شک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا کہا ہم نے اترو تم یہاں سے سارے

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ پس اگر آئے تمہارے پاس مِّنِّیْ هُدًى میری طرف سے ہدایت فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ پس جس نے پیروی کی میری ہدایت کی فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ پس ان پر نہ خوف ہوگا وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اور نہ وہ غم کریں گے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا اور جنہوں نے کفر کیا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ وہ دوزخ والے ہیں هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ اس دوزخ میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے۔

ربط:

پچھلے سبق میں آپ نے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور فرشتوں کا امتحان لیا اس علمی امتحان میں آدم علیہ السلام کامیاب ہوگئے اور فرشتے کامیاب نہ ہوسکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ فرشتوں نے بغیر کسی قیل وقال کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اپنے سے گھٹیا اور پسماندہ کو سجدہ کیوں کروں؟۔ میں اس سے بہتر ہوں۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک حکایت بیان کر کے فرماتے ہیں کہ کاش! ابلیس سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے غلام ایاز سے ہی سبق سیکھ لیتا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بڑے عجیب قسم کے بزرگ تھے انہوں نے مثنوی شریف میں کہانیوں کی شکل میں توحید وسنت اخلاص تصوف بہت کچھ سمجھایا ہے اور سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے

زمرہ میں تو نہیں آتا جس طرح سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان بایزید یلدرم (ترکی) اور سلطان الپ ارسلان سلجوقی رحمۃ اللہ علیہم خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے نہیں تھے مگر بڑے نیک اور مجاہد قسم کے بادشاہ گزرے ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں یورپ والوں کو لگام ڈال رکھی تھی۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ حکومت میں ایک نوعمر لڑکا جس کا نام ایاز تھا اور یہ بہت ذہین اور سمجھ دار تھا کو مجلس میں اپنے ساتھ بٹھاتے تھے۔ اور وزیروں کو مشیروں کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی انہوں نے کہا کہ حضرت یہ چھوٹا سا بچہ آپ کے پاس بیٹھا رہتا ہے۔ کسی بڑے آدمی کو اپنے پاس بٹھایا کریں اس وقت تو غزنوی رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے۔

مگر جب انہوں نے ہندوستان پر حملہ کیا اور سومنات کا مندر گرایا اور ہندوستان کے قیمتی ہیرے اور جواہرات افغانستان پہنچے ان میں ایک بڑا قیمتی ہیرا تھا اپنے غلام کو حکم دیا کہ ایک پتھر اور ہتھوڑا لاکر میرے سامنے رکھ دو۔ غلام نے پتھر اور ہتھوڑا لاکر رکھ دیا جب مجلس جم گئی تو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جیب سے وہ قیمتی ہیرا نکالا اور ایک وزیر کو کہا کہ اس کو پتھر پر رکھ کر توڑ دو اس نے کہا بہت قیمتی ہیرا ہے اس کو نہیں توڑنا چاہیے۔ اور نہ توڑا۔ دوسرے وزیر کو کہا اس نے بھی نہ توڑا۔ تیسرے کو کہا اس نے بھی نہ توڑا۔

الغرض! وزیروں، مشیروں میں سے جب کسی نے ہیرے کو نہ توڑا تو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایاز کو کہا لو بیٹے تم اس ہیرے کو توڑ دو ایاز نے ہیرے کو پتھر پر رکھ کر ہتھوڑے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایاز کو کہا بیٹا یہ بڑا قیمتی ہیرا تھا سب مشیروں، وزیروں نے توڑنے سے انکار کر دیا اور تو نے اس کو کیوں توڑ دیا ہے؟۔ ایاز نے کہا بے شک ہیرا قیمتی تھا مگر میرے آقا کا حکم اس سے زیادہ قیمتی تھا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ نقل کر کے فرماتے ہیں کہ کاش! کہ ابلیس ایاز سے ہی سبق سیکھ لیتا ایک منٹ کے لئے مان لیتے ہیں کہ تو بہتر ہے۔ اگر چہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ آگ سے خاک بہتر ہے مگر یہ تو دیکھتا کہ تجھے حکم کون دے رہا ہے مگر یہ ساری باتیں سمجھ سے تعلق رکھتی ہیں۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ اور کہا ہم نے اے آدم! رہ تو وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اور تیری بیوی (حوا علیہا السلام) جنت میں۔

جنت سے مراد :

جنت سے مراد اصل جنت ہی ہے نہ کہ ملک اردن کا باغ جیسا کہ بعض ملحدوں نے کہا ہے کہ اردن میں ایک باغ تھا اس میں ان کو بھیج دیا یہ سب خرافات ہیں بلکہ وہی جنت ہے جس میں حساب کے بعد مومنوں نے داخل ہونا ہے۔ اور وہ آسمانوں کی طرف ہے جس کے مقابلہ میں دوزخ ہے۔ جس میں کافروں اور مشرکوں نے داخل ہونا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی سمجھی ہے۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا اور کھاؤ تم دونوں اس جنت سے وسعت اور کشادگی سے حَيْثُ شِئْتُمَا جس جگہ سے چاہو۔ اور جو چاہو کھاؤ، پیو کوئی پابندی نہیں ہے مگر وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اور قریب نہ جانا اس درخت کے۔ کیونکہ اگر تم نے اس درخت کا پھل کھا یا تو......

شجر ممنوعہ کون سا تھا؟ :

فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ پس ہو جاؤ گے ناانصافوں میں سے۔ یہ کس چیز کا درخت تھا تفسیروں میں مختلف اقوال منقول ہیں.........

۱)...... انگور اور کھجور کا ذکر بھی ہے۔

۲)...... بادام اور املوک کا ذکر بھی ہے۔

۳)...... لیکن اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ گندم کا درخت تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ گندم کا تو درخت نہیں ہوتا بلکہ پودہ ہوتا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ جنت کا معاملہ الگ ہے۔ دنیا میں جو پودے ہیں وہ جنت میں درخت ہوں گے ان کو اس درخت سے کھانے پر ابلیس نے اکسایا تھا۔ قرآن کریم میں ہے.......

وَقَاسَمَهُمَا اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ابلیس لعین نے دونوں کے سامنے قسم اٹھائی کہ میں تمہارا بڑا خیر خواہ ہوں اور تمہاری بھلائی کی بات تم سے کر رہا ہوں۔ وہ یہ کہ اس درخت سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے منع فرمایا ہے اگر تم اس درخت سے کھالو گے تو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو گے الٹی گنگا چلائی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ ہے تو ابلیس مگر رب تعالیٰ کی قسم اٹھا کر تو جھوٹ نہیں بولتا ہوگا۔ پھر حضرت حوا علیہا السلام نے بھی اکسایا۔ بخاری شریف میں حدیث آتی ہے کہ ’’اگر حوا علیہا السلام خیانت نہ کرتیں تو کوئی عورت خیانت نہ کرتی‘‘۔ بہر حال دنیا میں آنا مقدر تھا۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ پس جب انہوں نے اس درخت کے پھل کو چکھا بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا کھل گئے ستر ان کے وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ

وَّرَقِ الْجَنَّةِ (اعراف) وہ لگے اپنے اوپر جوڑنے بہشت کے پتے کھانا تو دور کی بات ہے دونوں نے چکھا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان دونوں کے کپڑے اتار دو۔ دونوں ننگ دھڑنگ ہو گئے اللہ تعالیٰ کی شان کہ درخت بھی بگڑ گئے ستر پوشی کے لئے پتے پتے کے لئے جس درخت کے قریب جاتے اس کی ٹہنیاں اوپر ہو جاتیں۔ بالآخر انجیر کے درخت نے قربانی دی کہ پتے توڑ دیئے۔ اب انہوں نے پتوں کے ساتھ پتے جوڑ کر آگے پیچھے رکھ کر ستر ڈھانپا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا.........

حضرت آدم علیہ السلام کا اعتراف وتوبہ :

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ میں نے تمہیں اس درخت کے قریب جانے سے منع نہیں کیا تھا وَاَقُلْ لَّكُمَا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اور تمہیں کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے سامنے کوئی حجت بازی نہیں کی۔ حالانکہ اگر منطق لڑاتے تو کہہ سکتے تھے کہ اے پروردگار! ابلیس سے پوچھو اس نے جھوٹی قسمیں کھا کر کیوں دھوکہ دیا ہے؟۔ اصل مجرم تو وہ ہے اور بھی بہت کچھ کہہ سکتے تھے مگر آدم علیہ السلام نے سوچا کہ تمام چکر کاٹنے کے بعد بھی عاجزی کا اقرار کرنا ہے۔ تو شروع سے ہی تسلیم کرو۔ قیل وقال کی کیا ضرورت ہے؟۔ اس سے انسان کی شرافت کا پتہ چلتا ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ دونوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ تو ہمیں معاف کر دے تو اگر ہمیں معاف نہیں کرے گا تو ہم کس سے معافی

معانگیں گے تو اگر ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم خسارے میں ہوں گے یہی انسان کی شرافت ہے کہ رب تعالیٰ کے حکم کے سامنے اکڑتا نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ آدم علیہ السلام سے یہ خطاء کیوں ہوئی کہ اس درخت کا پھل کھالیا؟۔

① ...... **امام بغوی** رحمۃ اللہ علیہ بڑے مفسر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا لَاتَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اس درخت کے قریب نہ جانا تو جس درخت کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا انہوں نے وہ مخصوص درخت سمجھا اور اس کے قریب نہیں گئے۔ اس نوع کے دوسرے درخت سے کھالیا یہ غلطی ہوگئی۔

② ...... **دوسری وجہ** یہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس نہی کو نہی تحریمی نہیں سمجھا بلکہ نہی تنزیہی سمجھا اور نہی تنزیہی کا مطلب یہ ہے کہ اس سے بچنا بہتر ہے اگر کرلو تو گناہ نہیں ہے۔

③ ...... **تیسری وجہ** یہ بیان فرماتے ہیں کہ شیطان کی قسم سے مغالطہ ہوا کہ یہ جو قسم اٹھا کر کہہ رہا ہے کہ تم کھالو۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ نے پہلا حکم اٹھالیا ہے اور ابلیس کو اس حکم کے منسوخ ہونے کا علم ہوگیا ہے۔

بہر حال کچھ بھی ہوا ہو یہ مقدر تھا کہ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام نے زمین پر اترنا تھا۔ سو اتار دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ......

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا پس پھسلایا ان دونوں کو شیطان نے اس درخت سے۔ نتیجہ یہ نکلا فَاَخْرَجَهُمَا پس نکالا ان دونوں کو مِمَّا كَانَا فِيْهِ ان خوشیوں سے جن میں وہ تھے وَقُلْنَا اهْبِطُوْا اور کہا ہم نے اتر جاؤ تم

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ بعض تمہارے دوسرے بعض کے لئے دشمن ہوں گے۔ یعنی تمہاری نسل میں ایک دوسرے کی دشمنی چلے گی۔ یہ بات سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج دنیا میں انسان ایک دوسرے کی کتنی گردنیں کاٹ رہے ہیں شمار سے باہر ہیں۔

حضرت آدم وحواعلیہما السلام کے اترنے کی جگہیں:

کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو سری لنکا کے جزیرہ سراندیپ میں اتارا گیا اور حوا علیہا السلام کو سرزمین عرب میں دونوں ایک دوسرے کو تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ عرفات کے میدان میں دونوں کی ملاقات ہوگئی۔

''عرفات'' کا معنیٰ:

"عرفات" کو عرفات اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کیونکہ عرفات کا معنیٰ ہے ''شناخت کی جگہ''۔ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے ایک دوسرے کی اس جگہ شناخت کی تھی۔ فرمایا......

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے۔ یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے وَّمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ اور فائدہ اٹھانا ہے ایک مدت تک۔ ایک عرصہ تک زمین میں رہو۔ پھر دنیا سے جانا ہے۔

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَّبِّهِ كَلِمٰتٍ پس حاصل کئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات۔ وہ کلمات یہ ہیں رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ یہ آٹھویں پارے میں موجود ہیں۔

فَتَابَ عَلَيْهِ پس اللہ تعالیٰ نے رجوع کیا ان پر۔ یعنی ان کی توبہ قبول

فرمائی۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بے شک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا کہا ہم نے اترو تم یہاں سے سارے۔ یعنی آدم علیہ السلام حوا علیہا السلام اور ان کے ضمن میں جو ان کی اولاد ہے وہ تمام کے تمام سب کو خطاب ہے۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت۔ اِمَّا اصل میں اِنْ مَا ہے۔ "اِنْ" شرطیہ ہے اگر ہدایت آئے۔ یہ اس واسطے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبر بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے پر مجبور نہیں تھا۔ اگر نہ بھیجتا تو اس سے کون پوچھ سکتا ہے اگر ضرورت ہوئی تو تمہاری طرف پیغمبروں اور کتابوں کی شکل میں ہدایت بھیجوں گا......

خوف/حزن میں فرق :

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ پس جس نے پیروی کی میری ہدایت کی فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ پس ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غم کریں گے۔ آئندہ کسی شی کا خدشہ ہو تو اس کو خوف کہتے ہیں۔ اور گزشتہ کسی چیز پر افسوس ہو تو اس کو غم کہتے ہیں۔ جب میں داخل ہونے کے بعد نہ تو آئندہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ گزشتہ زندگی پر کسی قسم کی پریشانی ہوگی کیونکہ نیکیاں کر کے گئے ہوں گے۔

سوال :

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت والے دن تو اتنا ہولناک منظر ہوگا کہ سب کے طوطے اڑے ہوں گے۔ یہاں تک کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ کہہ رہے ہوں گے۔ اے رب سلامتی فرما، اے رب سلامتی فرما۔ تو پھر

لَا خَوْفٌ کا مطلب کیا ہوگا؟۔

جواب :

اس کے جواب میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن ؒ فرماتے ہیں کہ خوف دو طرح کا ہوتا ہے............

① ...... کبھی تو خوف کا باعث ڈرنے والے میں پایا جاتا ہے جیسے مجرم بادشاہی جو بادشاہ سے ڈرتا ہے۔ اس خوف کا سبب مجرم ہے جو مجرم کی طرف رجوع کرتا ہے۔

② ...... اور کبھی خوف کا سبب مخوف عنہ یعنی جس سے ڈرتے ہیں اس میں کوئی امر ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص صاحب جاہ و جلال بادشاہ کے سامنے ہو تو اس کے خوف زدہ ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ اس نے بادشاہ کا کوئی جرم کیا ہے بلکہ اس کا قہر و جلال سلطانی اور ہیبت خوف کا سبب ہے۔

آیت کریمہ میں پہلی قسم کی نفی ہوتی ہے جو خوف کسی جرم کی وجہ سے ہو۔ یہ خوف ان پر نہیں ہوگا اور نیک لوگوں پر جو خوف ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کا ہوگا۔ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ اور لوگوں پر اعمال کی وجہ سے جو گھبراہٹ ہوگی نیک لوگوں پر وہ نہیں ہوگی۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور جنہوں نے کفر کیا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اور جھٹلایا

ہماری آیتوں کو اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ وہ دوزخ والے ہیں هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اس دوزخ میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے۔ اور جلیں گے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

13/13

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ

رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع

لفظی ترجمہ :

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اے بنی اسرائیل! اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ یاد کرو میری نعمتوں کو الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ جو میں نے تم پر انعام کیں وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اور پورا کرو میرے عہد کو اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ میں پورا کروں گا تمہارے عہد کو وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ اور خاص مجھ ہی سے ڈرو۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ اور ایمان لاؤ اس چیز پر جو میں نے نازل کی ہے مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ جو تصدیق کرنے والی ہے اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ اور نہ ہو جاؤ تم پہلے منکر اس کے وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ اور نہ خریدو میری آیتوں کے بدلے ثَمَنًا قَلِیْلًا تھوڑی قیمت وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ اور خاص مجھ ہی سے ڈرو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اور خلط ملط نہ کرو حق کو باطل کے ساتھ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ اور نہ چھپاؤ تم حق کو وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور حالانکہ تم جانتے ہو وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور قائم کرو تم نماز کو اور ادا کرو تم زکوٰۃ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ اور رکوع کرو تم رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو نیکی کا وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ اور بھول جاتے ہو اپنی جانوں کو وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو اَفَلَاتَعْقِلُوْنَ کیا پس تم سمجھتے نہیں ہو۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اور مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ وَاِنَّھَا لَكَبِیْرَۃٌ اور بے شک یہ نماز البتہ بھاری ہے اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ مگر ان لوگوں پر جو عاجزی کرنے والے ہیں۔

الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ بے شک وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے وَاَنَّھُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

ربط :

ان آیات کا پچھلی آیات کے ساتھ ربط یہ بیان فرماتے ہیں کہ پہلے نعمت عامہ برعامہ کا ذکر تھا یعنی نعمتیں بھی عام اور تھیں بھی عام مخلوق پر۔ اور اب نعمت خاصہ بر خاصہ کا ذکر ہے یعنی نعمتیں بھی خاص اور جس قوم پر ہوئی ہیں وہ بھی خاص ہے۔ یعنی بنی اسرائیل۔ ان نعمتوں کی تفصیل آگے کئی رکوعوں تک بیان ہوگی۔

''اسرائیل'' کا معنٰی :

''اسرائیل'' حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ اسراء کا معنٰی ہے عبد اور ایل کا معنٰی ہے اللہ۔ مکمل معنٰی بنے گا ''عبداللہ''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بارہ بیٹے عطا فرمائے تھے بیٹی کوئی نہیں تھی۔ ان بارہ بیٹوں میں سے صرف حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر تھے باقی بھائی جمہور کے نزدیک پیغمبر نہیں تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد در اولاد کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً چار ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے۔ ان کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جن کا ذکر قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے

بنی اسرائیل پر انعامات :

وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اور چار مشہور آسمانی کتابوں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید میں سے تین پہلی ان کو دی گئیں۔ اور مشہور اس لئے فرمایا کہ ان کے علاوہ اور کتابیں اور صحیفے بھی ہیں مگر وہ مشہور نہیں ہیں۔

تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام کو، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان میں ایسے پیغمبر بھی تھے جن کو نبوۃ کے ساتھ ساتھ بادشاہت بھی ملی۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام آخری دور میں مصر کے بادشاہ بھی تھے۔ اور پیغمبر بھی تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پیغمبر بھی تھے بادشاہ بھی تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر بھی تھے بادشاہ بھی تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری باطنی نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ اور عام بنی اسرائیلیوں پر جو انعامات ہوئے ان کا ذکر اگلے دو رکوعوں میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اے اسرائیل علیہ السلام کی اولاد! اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ یاد کرو میری نعمتوں کو الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ جو میں نے تم پر انعام کیں۔ یاد کرنے کا

مطلب ہے کہ ان کا شکر ادا کرو۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْ اور پورا کرو میرے عہد کو جو تم نے میرے ساتھ کیا ہے۔ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ میں پورا کروں گا تمہارے وعدے کو جو میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ یہاں پر اجمال ہے اور چھٹے پارے کے ساتویں رکوع میں اس کی تفصیل ہے کہ انہوں نے رب تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کیا تھا اور رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا وعدہ کیا تھا.........

بنی اسرائیل کا میثاق :

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور البتہ تحقیق پختہ عہد لیا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنِّىْ مَعَكُمْ میں تمہارے ساتھ ہوں لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ اگر تم نے قائم کی نماز وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ اور تم زکوٰۃ دیتے رہے وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ اور تم ان کی عزت اور قدر کرتے رہے وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اور تم اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیتے رہے یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے رہے۔ یہ کام بنی اسرائیلوں کے ذمہ تھے وہ پورا کرتے رہیں۔

وَاُوْفِ بِعَهْدِكُمْ اور میں نے جو تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے اے بنی اسرائیلیو! وہ میں پورا کروں گا وہ وعدہ کیا ہے؟۔ فرمایا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ البتہ میں ضرور مٹادوں گا تمہاری خطائیں وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ اور میں تمہیں ضرور داخل کروں گا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ اس معاہدے کی تفصیل ہے۔ فرمایا.........

وَاِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ ، فَارْهَبُوْنِ اصل میں فَارْهَبُوْنِیْ تھا۔ یا کو تخفیف کے طور پر حذف کر دیا گیا۔ معنی بنے گا اور خاص مجھ ہی سے تم ڈرو۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ اور ایمان لاؤ اس چیز پر جو میں نے نازل کی ہے۔ یعنی قرآن کریم۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ اور یہ قرآن کریم تصدیق کرتا ہے ان چیزوں کی جو تمہارے پاس ہیں۔ توراۃ، انجیل، زبور جو اصل آسمانی کتابیں تھیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ ۭ بِهٖ اور نہ ہو جاؤ تم پہلے منکر اس کے۔ اے بنی اسرائیل! اگر تم انکار کرو گے تو تمہاری طرف دیکھ کر دوسرے بھی انکار کریں گے۔ تو ان کا وبال بھی تمہارے اوپر پڑے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے.........

لوگوں کے سامنے اچھی چیز کا پیش کرنا :

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً جس کسی نے اچھی چیز لوگوں کے سامنے پیش کی کسی سنت کو زندہ کیا اور اس کو دیکھ کر اور لوگوں نے بھی عمل کیا تو ان لوگوں کے برابر اس کو بھی اجر ملے گا۔ اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اور جس نے کوئی برا طریقہ رائج کیا۔ اس پر جتنے لوگ چلیں گے۔ جتنا گناہ ان کو ہوگا اس رائج کرنے والے کو بھی ان سب کے برابر گناہ ہوگا۔ اور ان کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اس ضابطے کے مطابق یہ امت جتنی نیکیاں کر رہی ہے وہ تمام کی تمام آنحضرت ﷺ کے نامہ اعمال میں درج ہو رہی ہیں۔ اور جو لوگ نیکیاں نہیں کرتے نماز نہیں پڑھتے روزے نہیں رکھتے، وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم صرف اپنا نقصان کر رہے ہیں بلکہ وہ آنحضرت ﷺ کا بھی نقصان کر رہے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کو جو دعائیں پہنچنی تھیں وہ نہیں پہنچ رہیں تو ان کا بھی حق مار رہے ہیں۔

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول :

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ ساتویں یا آٹھویں صدی کے بڑے بزرگ اور بڑے عالم تھے۔ طالب علموں کو سبق پڑھا رہے تھے بڑا مجمع تھا۔ فرمانے لگے اگر میں قاضی اور جج ہوتا اور کوئی شخص میرے پاس آکر مقدمہ درج کراتا کہ فلاں آدمی نے نماز نہ پڑھ کر میرا حق مارا ہے تو میں مقدمہ درج کر کے اس کے خلاف کارروائی کرتا کہ واقعی اس نے اس کا حق مارا ہے۔

طالب علموں نے کہا حضرت نماز تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس میں بندے کا حق کیسے آگیا؟۔ فرمایا بخاری شریف اور مسلم شریف میں حدیث آتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب دعا کرتے تھے تو اس طرح کہتے تھے......

اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبرِیل اَلسَّلَامُ عَلٰی میکائیل اَلسَّلَامُ عَلٰی عِزرَائیل ...... اِلٰی آخِرِہٖ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَاتَقُولُوا اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ نہ کہو اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے سلامتی کی دعا تو اس کو دی جاتی ہے جس کو کوئی خطرہ اور خدشہ ہو۔ اس لئے کہ السلام علیکم کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ تجھے سلامتی میں رکھے تو اللہ تعالیٰ کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے کہ تم اس کے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہو۔

اور فرشتوں کا نام لے، لے کر کتنوں پر سلام بھیجو گے اور پھر کتنے فرشتوں کے نام تمہیں آتے ہیں پھر اسکے بعد پیغمبر ہیں تو کتنے پیغمبروں کا نام لے کر سلام بھیجو گے۔ لہٰذا تم اس طرح کہو اَلسَّلَامُ عَلَینَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِینَ کہ ہم پر سلامتی ہو تو اس جملے میں انبیاء علیہم السلام، صلحا، جن، فرشتے تمام آجائیں گے اور یہ دعا

اَصَابَ کُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ لِلّٰهِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کے ہر نیک بندے کو پہنچتی ہے۔ چاہے وہ آسمانوں میں یا زمین میں شرق میں ہو یا غرب میں، شمال میں ہو یا جنوب میں۔

لہٰذا جو بندہ نماز نہیں پڑھتا وہ سب کا حق مارتا ہے کہ وہ اس دعا سے محروم ہو گئے۔ تو علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں فیصلہ کرتا کہ واقعی اس نے اس کا حق مارا ہے۔ کہ اس کو دعا سے محروم رکھا ہے۔ یا اس طرح سمجھو کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس نے درود شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ بھی نہیں پڑھا۔ آل محمد سے مراد تمام مومن ہیں تو اس نے تمام مومنوں کا حق مارا ہے۔ لہٰذا بے نماز صرف رب تعالیٰ کا ہی حق نہیں مارتا بلکہ مخلوق کا بھی حق مارتا ہے۔

دنیا کی حیثیت :

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اور نہ خریدو میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زیادہ قیمت کے بدلے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب قلیل ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف میں روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس کی قیمت اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتا۔ ہمارے نزدیک تو سونے، چاندی، ڈالرز اور پونڈز کی قیمت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی اس کی حیثیت نہیں ہے۔

لہٰذا ساری دنیا بھی قرآن کریم کی ایک آیت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ یوں

سمجھو کہ ''ق'' ایک آیت ہے سارے دنیا کے خزانے جمع ہو کر ''ق یا حم'' کی قیمت نہیں بن سکتے۔ فرمایا وَ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ اور خاص مجھ ہی سے ڈرو۔

کتمانِ حق کی مختلف صورتیں :

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اور خلط ملط نہ کرو حق کو باطل کے ساتھ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ یہاں لَا مقدر ہے، اصل میں ہے وَلَا تَكْتُمُوا الْحَقَّ اور نہ چھپاؤ تم حق کو۔ حق کے مٹنے کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں......

① ...... ایک یہ کہ حق کو بیان نہ کیا جائے اور ظاہر بات ہے کہ جب حق کو بیان نہیں کیا جائے گا تو آنے والی نسلوں کو کیا پتہ چلے گا کہ حق کیا ہے؟۔ اور باطل کیا ہے؟۔

② ...... اور دوسرا یہ ہے کہ حق کو ملغوبہ بنا دیا جائے کہ حق اور باطل کو اس طرح خلط ملط کر دیا جائے کہ پتہ ہی نہ چلے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟۔ اسی لئے بدعت کا بہت سخت گناہ ہے کہ بدعت سے دین خلط ملط ہو جاتا ہے کتنا سخت گناہ ہے۔

بدعت کی نحوست :

ایک آدمی مسجد میں بیٹھ کر سو بوتلیں شراب کی پیئے تو اس کا کتنا گناہ ہے۔ ویسے تو ایک بوتل کا بڑا گناہ ہے۔ سمجھانے کے لئے کہہ رہا ہوں کہ سو بوتلیں شراب کی پیئے تو کتنا گناہ ہوگا ایک بدعت کا گناہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ گناہ سے دین کا نقشہ نہیں بدلتا۔ گناہ کرنے والا بھی گناہ کو گناہ سمجھتا ہے اس سے توبہ بھی کر سکتا ہے۔ دین نہیں سمجھتا۔ اور بدعت سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ بدعتی

، بدعت کو دین سمجھ کر کرتا ہے۔ اور ثواب سمجھتا ہے اس لئے اس کو توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ اور جن لوگوں نے دین کو سنبھالا ہوا ہے بدعات ان کا دین ہیں۔ اگر تم بدعات کا رد کرو تو وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے دین کی مخالفت کی ہے۔ اس لئے سو گناہ کبیرہ ایک طرف اور ایک بدعت ایک طرف ہو تو بدعت کا گناہ زیادہ ہے۔ کیونکہ اس سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ اور بدعتی، بدعت کو ثواب سمجھ کر کرتا ہے۔ اسی لئے اس کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اس کو کارِ ثواب سمجھتا ہے۔ اور ثواب کے کام سے کیوں توبہ کرے۔

مثلاً ابھی آپ نے صبح کی نماز پڑھی ہے اور درس سن رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے توفیق عطا فرمائی ہے۔ اب تم یہ نہیں کہو گے کہ اے پروردگار! یہ جو میں نے نماز پڑھی ہے اس سے میری توبہ اور یہ جو میں نے قرآن سنا ہے اس سے میری توبہ۔ بلکہ شکر ادا کرو گے کہ الحمد للہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے نماز کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اور بدعتی جب بدعت کو دین سمجھ کر کرے گا تو اس سے توبہ کب کرے گا؟۔

بدعتی سے توبہ کا سلب ہو جانا :

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ حَجَبَ التَّوْبَۃَ عَنْ کُلِّ صَاحِبِ بِدْعَۃٍ بے شک اللہ تعالیٰ نے بدعت کرنے والے پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ بدعت کی اتنی نحوست ہوتی ہے کہ دل میں توبہ کی صلاحیت باقی ہی نہیں رہتی۔ جس طرح غالی کافروں میں ایمان کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔

رسومِ باطلہ ''تحفۃ الہند'' کی روشنی میں :

مولانا عبیداللہ نومسلم (مرحوم) پہلے پنڈت تھے اور لدھیانہ کے رہنے والے تھے بڑے پڑھے لکھے آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ مسلمان ہوگئے انہوں نے کتاب لکھی ''تحفۃ الہند'' ہندوؤں کے لئے تحفہ۔ یہ کتاب بڑی نایاب تھی۔ اب گوجرانوالہ کے ساتھیوں نے ہمت کر کے چھپوائی ہے۔ اس کو لے کر ضرور پڑھو اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ تیجہ، ساتواں، دسواں، برسی منانا، عرس لگانا یہ تمام ہندوؤں کی رسمیں ہیں جو ہمارے اندر آگئی ہیں۔

مسلمان آئے ہندوستان میں اسلام پھیلا ہندو، سکھ مسلمان ہوئے مگر ان کی جو رسمیں تھیں ان کو نہیں چھوڑا وہ ابھی تک ساتھ چلی آرہی ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کے ایمان لانے کا سبب یہی کتاب بنی، ان کا پہلا نام بوٹا سنگھ تھا۔

اور عورتوں کو بھی سمجھاؤ اور ان کا ذہن صاف کرو بدعات کا ایک سبب یہ بھی ہیں۔ جب تک ان کا ذہن صاف نہیں ہوگا۔ بدعات ختم نہیں ہوں گی تم حاجی بن جاؤ نمازی بن جاؤ، عورتوں کے ذہن صاف نہیں ہیں تو بدعتیں ختم نہیں ہوں گی۔ اور جن گھروں میں عورتیں سمجھدار ہیں الحمد للہ وہاں بدعتیں اولاً تو ہوتی ہی نہیں اور اگر ہوتی بھی ہیں تو بہت کم۔ بدعت کی دین میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفے کے گورنر تھے کسی نے آکر اطلاع دی کہ حضرت فلاں مسجد میں لوگ اکٹھے ہوکر بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَوَیَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ کیا ایسی کارروائی

یہاں ہو رہی ہے؟۔لوگوں نے کہا ہاں حضرت ہو رہی ہے۔فرمایا کل جس وقت یہ کارروائی ہو مجھے آکر اطلاع دینا چنانچہ اطلاع دی گئی۔حضرت کا ہلکا پھلکا چھوٹا سا قد تھا،نقاب پوشی کی تاکہ کوئی پہچان نہ لے۔بڑے تیز چلتے تھے وہاں پہنچ کر منہ سے کپڑا اتارا اور فرمایا.........

مَنْ عَرَفَنِیْ ، عَرَفَنِیْ جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اور جو نہیں پہچانتا تو میں عبداللہ بن مسعود کوفے کا گورنر ہوں۔اوظالمو!ابھی تک آنحضرت ﷺ کے مٹی کے برتن نہیں ٹوٹے ابھی تک آپ ﷺ کے کپڑے میلے نہیں ہوئے اور.........

اَتَیْتُمْ بِبِدْعَةٍ ظَلْمَاءِ یہ تم مسجد میں اکٹھے ہوکر بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہو بدعتیں کرتے ہو۔مَا اَرَاکُمْ اِلَّا مُبْتَدِعِیْنَ میں نہیں دیکھتا تمہیں مگر یہ کہ تم سارے کے سارے بدعتی ہو۔فَاَخْرَجَهُمْ مِنَ الْمَسْجِدِ پس ایک ایک کو پکڑ کر مسجد سے باہر نکال دیا اس سے اندازہ لگاؤ کہ بدعت کتنی قبیح ہے۔یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اَفْقَهُ الْاُمَّةِ ہیں۔

تمام امت میں سب سے بڑے فقیہ تمام امت میں سب سے بڑے مفسر قرآن جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا رَضِیْتُ لَکُمْ مَارَضِیَ لَکُمْ اِبْنُ اُمِّ عَبْدٍ جس چیز کو تمہارے لئے ابن مسعود پسند کرے میں بھی اس پر راضی ہوں۔ وَمَا اَسْخَطَ لَکُمْ اِبْنُ اُمِّ عَبْدٍ فَقَدْ سَخِطْتُ لَکُمْ اور جو چیز تمہارے لئے ابن مسعود ناپسند کرے میں پسند نہیں کرتا۔لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ جو بدعات نہ کرے وہ وہابی ہے اور جو بدعات کرے وہ سنی ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ تو فرمایا کہ حق کو نہ چھپاؤ۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور حالانکہ تم جانتے ہو وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور قائم کرو تم نماز کو اور ادا کرو تم زکوۃ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ اور رکوع کرو تم رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھو۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو نیکی کا وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ اور بھول جاتے ہو اپنی جانوں کو۔ آج ہمارے وعظ و تبلیغ میں اسی وجہ سے اثر نہیں ہے کہ ہم کہتے زیادہ ہیں اور کرتے کم ہیں۔ اور پہلے لوگوں کے وعظ اور تبلیغ اس لئے موثر ہوتے تھے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے پہلے کر کے دکھاتے تھے۔

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا پس تم (اتنی موٹی باتیں بھی) نہیں سمجھتے۔

استعانت کا غلط مفہوم :

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اور مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ۔ صبر اور نماز مدد طلب کرنے کا ذریعہ ہیں۔ صبر اور نماز سے مدد نہیں مانگنی بلکہ مدد اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہے۔ جس کا سبق سورۃ فاتحہ میں دیا گیا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ بات اچھی طرح سمجھ لو غلط قسم کے لوگ بڑا دھوکہ دیتے ہیں۔

چنانچہ ایک بدعتی مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے کہنے لگے دیکھو سنو! یہ وہابی کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے مدد نہ مانگو۔ میں غیر اللہ سے مدد مانگنا قرآن سے ثابت کرتا

ہوں۔ دیکھو! قرآن کہتا ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ مدد مانگو صبر سے اور مدد مانگو نماز سے۔ کیا صبر اور نماز غیر اللہ نہیں ہیں؟۔ تو غیر اللہ سے مدد مانگنا قرآن سے ثابت ہے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

کیسا دھوکہ دے رہا تھا کہ ''حرفِ با'' جو صبر پر داخل ہے اور نماز پر داخل ہے اس کو حلوا سمجھ کر کھا گیا۔ کیونکہ ''با'' کا معنٰی سبب اور ذریعہ ہے۔ اور معنٰی یہ ہے کہ مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ سے اور مانگنی کس سے ہے؟ اللہ تعالیٰ سے۔ فرمایا.........

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اور بے شک یہ نماز البتہ بھاری ہے اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ مگر ان لوگوں پر جو عاجزی کرنے والے ہیں۔ جو رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان پر بھاری نہیں ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ عاجزی کرنے والے وہ ہیں جو یقین رکھتے ہیں اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ بے شک وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ایسے مومنوں پر نماز کوئی بھاری نہیں ہے۔

14

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

14/14

لفظی ترجمہ :

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اے بنی اسرائیل اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ یاد کرو میری نعمتوں کو الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وہ (نعمتیں) جو میں نے تم پر انعام کیں وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ اور بے شک میں نے تمہیں فضیلت دی عَلَى الْعٰلَمِيْنَ جہان والوں پر

وَاتَّقُوْا يَوْمًا اور ڈرو اس دن سے لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ نہیں کفایت کرے گا کوئی نفس کسی نفس سے شَيْئًا کچھ بھی وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ اور نہ قبول کی جائے گی اس کی طرف سے سفارش وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ اور نہ لیا جائے گا اس کی طرف سے جرمانہ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور جب ہم نے تم کو نجات دی فرعونیوں سے يَسُوْمُوْنَكُمْ جو چکھاتے تھے تمہیں سُوْٓءَ الْعَذَابِ برا عذاب يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو وَفِيْ

ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ اوراس میں امتحان تھا مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ تمہارے رب کی طرف سے بڑا۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ اور جس وقت پھاڑا ہم نے تمہارے لئے سمندر کو فَاَنْجَیْنٰكُمْ پس ہم نے تمہیں نجات دی وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ اور غرق کیا ہم نے فرعونیوں کو وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور تم دیکھ رہے تھے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤی اور جس وقت ہم نے وعدہ کیا موسیٰ (علیہ السلام) سے اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً چالیس راتوں کا ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ پھر بنالیا تم نے بچھڑے کو معبود مِنْ بَعْدِهٖ اس کے بعد وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ اور تم ظالم تھے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ پھر ہم نے معاف کیا تم کو مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکریہ ادا کرو۔

وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ اور جب دی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب وَالْفُرْقَانَ اور حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی چیز لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔

ربط :

اس سے پہلے رکوع میں یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ کے ذکر

میں، میں نے کہا تھا کہ یہ اجمال ہے اور آگے تفصیل آئے گی۔ یہاں سے ان نعمتوں کی تفصیل شروع ہو رہی ہے۔ کچھ اس رکوع میں اور کچھ اگلے رکوع میں۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا اور یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

بنی اسرائیل کی فضیلت :

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اے بنی اسرائیل ۔اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ یاد کرو میری نعمتوں کو الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وہ (نعمتیں) جو میں نے تم پر انعام کیں وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ اور بے شک میں نے تمہیں فضیلت دی عَلَى الْعٰلَمِیْنَ جہان والوں پر۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ظاہری نعمتیں بھی عطاء فرمائیں اور باطنی نعمتوں سے بھی مالا مال فرمایا۔

باطنی نعمتیں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں عیسیٰ علیہ السلام تک تقریباً چار ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے کسی قوم میں ایک پیغمبر آ جائے تو ان کا سر فخر سے آسمان کے ساتھ جا لگتا ہے۔ اور جس قوم میں چار ہزار پیغمبر آئیں اُن کے لئے یہ کتنے فخر کی بات ہے پھر تین مشہور آسمانی کتابیں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو عطاء فرمائیں۔ توراۃ حضرت موسیٰ، زبور حضرت داؤد اور انجیل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔

اور ظاہری نعمتیں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہت بھی عطاء فرمائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے حقیقی بیٹے تھے۔ پھر داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ فی الارض ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو حکومت عطا فرمائی۔ ان کے علاوہ اور کئی نیک بادشاہ ان میں گزرے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری نعمتوں کو یاد کرو اور میری ان

نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا اور ڈرو اس دن سے (مراد قیامت کا دن ہے)۔ لَّاتَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا نہیں کفایت کرے گا کوئی نفس کسی نفس کی طرف سے کچھ بھی وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْھَا شَفَاعَۃٌ اور نہ قبول کی جائے گی اس کی طرف سے سفارش وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْھَا عَدْلٌ اور نہ لیا جائے گا اس کی طرف سے جرمانہ وَّ لَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ دیکھو! عادتاً جو آدمی گرفتار ہوتا ہے اسے عقلی طور پر چھڑانے کے چار طریقے ہیں......

مجرم چھڑانے کے چار طریقے :

۱)...... ایک یہ کہ اس کا کوئی شخص ضامن بن جائے کہ یہ بھاگے گا نہیں میں اس کو عدالت میں پیش کروں گا یا جو کچھ اس کے ذمہ ہے رقم وغیرہ اس کی ضمانت دے کر چھڑا لے۔

۲)...... دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سفارش کے ذریعے چھڑا لیا جاتا ہے۔

۳)...... تیسرا طریقہ یہ ہے کہ جرمانہ دے کر چھڑا لیا جاتا ہے۔

۴)...... چوتھا طریقہ یہ ہے کہ ہلہ بول کر تھانے سے چھڑا لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت والے دن ان میں سے کوئی طریقہ بھی کام نہیں آئے گا نہ تو کوئی نفس کسی نفس کی طرف سے کفایت یعنی ضماعت دے سکے گا، نہ سفارش قبول کی جائے گی۔ اور نہ جرمانہ لیا جائے گا اور نہ ہلہ بول کر کوئی چھڑا سکے گا۔ آگے ان انعامات کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل پر مختلف اوقات اور مختلف زمانوں میں ہوئے......

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور جب ہم نے تم کونجات دی فرعونیوں سے يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ جو چکھاتے تھے تمہیں برا عذاب يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو۔

''فرعون'' کا معنیٰ اور منصب :

''فرعون'' عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ''بادشاہ اور صدر'' ہے اس وقت کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوتا تھا بہت سارے ایسے صدر اور فرعون گزرے ہیں نام ان کے مختلف تھے۔ یوسف علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام تھا ''ریان بن ولید رحمۃ اللہ علیہ'' یہ بڑا نیک آدمی تھا اس نے اپنی مرضی اور خوشی سے حکومت چھوڑ دی تھی۔ حالانکہ حکومت چھوڑنا آسان بات نہیں ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ جس کو کرسی سے اتار دیا جائے وہ کس طرح تڑپتا ہے اور مارا مارا پھرتا ہے جس طرح مچھلی کو پانی سے باہر پھینک دیا جائے تو وہ تڑپتی ہے۔ یہی حال معزول حکمرانوں کا ہوتا ہے۔ مگر اس اللہ کے بندے نے بخوشی و رضا تاج شاہی یوسف علیہ السلام کے سر پر رکھ دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام تھا مصعب بن ولید یہ بڑا ہوشیار چالاک آدمی تھا۔ آج کل لیڈروں کی طرح کہ سب کچھ کر کے بھی بے گناہ ثابت ہوتے ہیں۔

فرعون کو نجومیوں نے بتایا کہ دو تین سالوں میں بنی اسرائیلیوں میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو تیری حکومت کے زوال کا باعث بنے گا وہ نجومی کبھی درست بات بھی کرتے تھے۔

چنانچہ فرعون نے عورتوں کا ایک الگ محکمہ قائم کیا اوران کو ذمہ داری سونپی کہ بنی اسرائیلیوں کی حاملہ عورتوں کی نگرانی کریں۔ بنی اسرائیلی اس وقت کافی تعداد میں تھے۔ حاملہ عورتوں کی نگرانی سخت کر دی جاتی اگر بچی پیدا ہوتی تو اس کو کچھ نہیں کہتے تھے اگر بچہ ہوتا تو حکم ہوتا کہ اس کو قتل کردو۔

①...... شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں۔ ''بارہ ہزار بچے اس ظالم حکمران کے قانون سے ذبح ہوئے''۔

②...... علامہ بونی رحمہ اللہ بڑے اولیاء اللہ میں سے ہوئے ہیں انہوں نے عملیات کے موضوع پر عربی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام ہے شمس المعارف یہ چار جلدوں میں ہے اور عملیات کی سب سے بڑی کتاب ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق ''ستر ہزار بچے قتل ہوئے''۔ لیکن بارہ ہزار تعداد بھی کوئی کم نہیں ہے۔ اور نوے ہزار ماؤں نے دیدہ دانستہ حمل گرا دیئے کہ بچہ ہمارے سامنے ذبح ہوگا تو ہم سے گوارہ نہ ہو سکے گا۔

③...... اکبرالہ آبادی مرحوم بڑے طنز نگار شاعر تھے۔ طنز کے طور پر وہ بڑی بات سمجھا دیتے تھے وہ کہتے ہیں ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

مطلب یہ ہے کہ فرعون بچوں کو قتل کر کے بدنام ہو گیا کالج بنا کر ان کے ذہن بگاڑ دیتا کوئی پریشانی نہ اٹھانی پڑتی۔ کیونکہ کالج میں آسانی سے ذہن مسخ کیے جاتے ہیں۔ انگریز نے کالج کے ذریعے ہی مسلمان نسل کے ذہن بگاڑے ہیں۔

معاف رکھنا! حالات تمہارے سامنے ہیں۔ چند انگریزی خانوں کو نکال کر کہ جنہوں نے انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی طرف بھی توجہ دی ہے یہ تو مستثنیٰ ہیں اور جنہوں نے صرف انگریزی تعلیم حاصل کی ان کے ذہن صاف نہیں ہیں۔ وہ وہی بات کرتے ہیں جو انگریز کہتا ہے۔

خدائی تدبیر :

بہرحال فرعون نے اپنی حکومت بچانے کے لئے بڑے بچے ذبح کروائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت ظاہر فرمائی۔ جس کی تفصیل سولہویں پارہ میں ہے کہ جس بچے سے خطرہ تھا وہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے گھر پال کر دکھایا۔

حکایت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ :

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرعون کی اس کارروائی کو مثال کے ذریعے سے سمجھاتے ہیں فرماتے ہیں۔ ''ایک آدمی بڑا مالدار تھا اس کے پاس سونا، چاندی، جواہرات اور بڑے قیمتی ہیرے تھے۔ اور مکان اس کا قلعہ نما تھا۔ ڈاکوؤں نے مشورہ کیا کہ اس کے لوٹنے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے کہ نہ تو دروازے توڑ سکتے ہیں اور نہ ہی دیوار پھلانگ کر اندر جا سکتے ہیں۔ طے یہ پایا کہ دن کو جب دروازہ کھلا ہو ایک ہلکا پھلکا سا آدمی اندر چلا جائے اور کسی حصے میں پلنگ وغیرہ کے نیچے چھپ جائے۔ رات کو فلاں وقت اندر سے کنڈی کھول دے ہم اندر داخل ہو جائیں گے۔

چنانچہ ایک پھرتیلے جسم کا چور اندر داخل ہوا اور کہیں چھپ گیا رات کو اس نے اٹھ کر باہر والے دروازے کی کنڈی کھول دی صاحب خانہ کو کنڈی کھلنے کی آواز آئی اس نے محسوس کیا کہ گھر میں کوئی ہے وہ جلدی سے اٹھا اور کنڈی لگا دی۔ حالانکہ چور

اندر ہی تھا مگر اس نے سمجھا کہ نکل گیا ہے''۔

درِ بہ بست و وزد اندر خانہ بود

حیلہ فرعون زیں افسانہ بود

دروازہ بند کر دیا حالانکہ چور اندر ہے اسی لئے فرعون کی تدبیر ایک کہانی بن گئی کامیاب نہ ہو سکی۔

اے ظالم! تو نے بارہ ہزار بچے ذبح کروائے اور جس نے تیرا بیڑا غرق کرنا ہے وہ تیرے گھر میں پرورش پا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا میں تیرے گھر پال کر دکھاؤں گا۔ مکمل تیں سال تک موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر پلتے رہے۔ بچوں کو ذبح کرتا اور عورتوں کو زندہ چھوڑتا۔ فرمایا............

وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ اور اس میں امتحان تھا مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ تمہارے رب کی طرف سے بڑا۔

بنی اسرائیل کی نجات :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم اپنے بھائی ہارون علیہ السلام اور ان ساتھیوں کو جو ہزاروں کی تعداد میں مرد عورتیں اور بچے تھے لے کر یہاں سے ہجرت کر کے چلے جاؤ۔ اور فلسطین میں جا کر رہو۔ بنی اسرائیلی جتنا سامان اٹھا سکتے تھے وہ لے لیا اور رات کو یہاں سے نکل گئے۔ اتنی مخلوق جب اکٹھی نکلتی ہے تو شور تو ہوتا ہے فرعون اور اس کے وزیر اعظم ہامان کو جب پتہ چلا تو انہوں نے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا فرعون اپنی فوج لے کر ان کے تعاقب میں نکل پڑا۔ بنی اسرائیلی سحری کے وقت دریا قلزم کے قریب پہنچے۔ جو خاصا گہرا تھا پیچھے فرعون کی فوجیں بھی ڈھول

بجاتی، گانے گاتی اچھلتی کودتی پہنچ گئیں۔ بنی اسرائیلی فرعون کی فوجوں کو دیکھ کر پریشان ہوگئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ اب ہم کیا کریں گے پیچھے فرعون ہے اور آگے دریا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا......

اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے وہ میری راہنمائی فرمائے گا۔ اور حفاظت فرمائے گا۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تو اپنی لاٹھی دریا میں مار۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی دریا پر ماری تو رب تعالیٰ نے بارہ راستے بنا دیئے۔

فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ وہ پانی اس طرح کھڑا ہوگیا جس طرح دیواریں ہوتی ہیں۔ راستے بالکل خشک ہوگئے بلکہ بعض تفسیروں میں آتا ہے کہ پانی کی دیواروں میں کھڑکیاں لگادی گئیں۔ تاکہ ایک دوسرے کو دیکھتے جائیں کہ وہ بھی جارہے ہیں۔ رب تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

فرعون کی غرقابی :

فرعون بھی اپنی فوج کے ساتھ پہنچ گیا۔ اور اپنے وزیراعظم ہامان کو کہا کہ تو فوج کے آگے چل اور میں پیچھے رہوں گا۔ اور دریا میں داخل ہوجاؤ۔ اور ان کا تعاقب کرو۔ جب وہ تمام کے تمام دریا میں داخل ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ تو جاری ہوجا۔ سارے جہنم رسید ہوئے اور فرعون جب غرق ہونے لگا تو اس نے بڑا واویلا کیا اور کہا..........

اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ میں ایمان لایا کہ

بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔
جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا..........

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ اب ایمان لاتا ہے حالانکہ پہلے تو انکار کرتا تھا اور اکڑتا تھا۔ اب یہ کریں گے کہ اَلْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً آج ہم تیرا وجود دریا سے نکال کر باہر پھینک دیں گے تا کہ پچھلے لوگ دیکھیں کہ یہ تھا وہ کہتا تھا..........

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى میں تمہارا رَبُّ الْاَعْلٰى یعنی ''سب سے بڑا رب'' ہوں۔ اب ناک سے پانی بہہ رہا ہے اور بھی جہاں جہاں سے بہنا تھا بہہ رہا ہے۔ آج تک اس کی لاش مصر کے عجائب گھر میں پڑی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی فرعونوں کی لاشیں پڑی ہیں اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں..........

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ اور جس وقت پھاڑا ہم نے تمہارے لئے سمندر کو فَاَنْجَيْنٰكُمْ پس ہم نے تمہیں نجات دی وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ اور غرق کیا ہم نے فرعونیوں کو وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور تم یہ سارا نقشہ دیکھ رہے تھے۔

صحرائے سینا :

دریا پار کر کے موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر جب وادی تیہ میں پہنچے جس کو آج کل کے جغرافیے میں ''وادی سینائی'' کہتے ہیں۔ اس کی لمبائی چھتیس میل اور چوڑائی چوبیس میل ہے۔ اور سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔
اس پر ۱۹۶۷ء کی جنگ میں یہودیوں نے قبضہ کر لیا تھا پھر مصر نے جنگ لڑ کر اس کا کچھ حصہ حاصل کیا۔ لیکن وہ حصہ جس میں تیل ہے اور فوجی اہمیت کا حامل ہے وہ

آج تک اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام جب وادی تیہ میں پہنچے تو قوم نے کہا اے موسیٰ! کوئی قوم آئین کے بغیر وقت پاس نہیں کر سکتی۔ اور ضابطے اور قانون کے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا لہٰذا اللہ تعالیٰ سے کوئی کتاب لاکر دو تا کہ ہم اس کے مطابق وقت گزاریں۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ پہلے تیس راتیں پھر بڑھا کر چالیس راتیں کر دی گئیں۔ چالیس راتوں کے اعتکاف کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دے دی گئی۔ لیکن اس دوران پیچھے قوم میں ایک واقعہ پیش آ گیا۔

سامری کی کارستانی :

ہوا اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک آدمی تھا جس کا نام ''موسیٰ بن ظفر'' تھا۔ یہ قبیلہ سامرہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور سامرہ قبیلہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھا۔ یہ آدمی منافق تھا۔ اس نے سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنایا اور حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی جو اس نے اٹھائی ہوئی تھی وہ مٹی اس بچھڑے میں ڈالی تو اس بچھڑے نے ٹیں ٹیں کی آواز نکالنی شروع کر دی۔

سامری نے لوگوں کو کہا کہ بچھڑے کے اندر جو ٹیں ٹیں کر رہا ہے یہ رب ہے۔ بے وقوف لوگوں نے اس کی پوجا شروع کر دی۔ قرآن کریم میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب واپس تشریف لائے تو حضرت ہارون علیہ السلام سے غصے ہوئے ان کی ڈاڑھی پکڑی سر کے بال پکڑے اور کہا کہ تم نے لوگوں کی اصلاح کیوں نہیں کی؟۔ انہوں نے کہا......

یَا ابْنَ اُمَّ اے میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑو میں نے قوم کو یہاں تک سمجھایا کہ کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ قریب تھا کہ مجھے قتل کر

دیتے۔ اس کا ذکر ہے فرمایا..........

موسیٰ علیہ السلام طور پر :

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی اور جس وقت ہم نے وعدہ کیا موسیٰ (علیہ السلام) سے اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً چالیس راتوں کا۔ پہلے تیس راتوں کا وعدہ تھا پھر دس کا اضافہ ہوا۔ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً پس چالیس راتیں پوری کیں۔ روزانہ ایک تختی ملتی تھی۔ اور یہ تختیاں تیس راتوں کے بعد ملنا شروع ہوئیں۔ کل دس تختیاں تھیں۔ پھر تم نے کیا، کیا۔ فرمایا......

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ پھر بنالیا تم نے بچھڑے کو معبود مِنْۢ بَعْدِهٖ ان کے جانے کے بعد وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ اور تم ظالم تھے۔ کہ جس رب کی تم نے اتنی نعمتیں دیکھیں اس کو چھوڑ کر صرف بچھڑے کی ٹیں، ٹیں کے پیچھے لگ گئے۔ لوگ شعبدہ بازی اور کرشمے دیکھ کر پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اور کچھ سوچتے سمجھتے نہیں ہیں۔

''دجال'' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی :

چنانچہ جب دجال آئے گا۔ اور وہ رب ہونے کا دعویٰ کرے گا لوگ اسے کہیں گے کہ اگر تو رب ہے تو بارش برسا کیونکہ بارش نہیں ہو رہی تو وہ مسمریزم اور جادو کے ذریعے مصنوعی بادل اکٹھے کرے گا اور بارش برسائے گا لوگ کہیں گے واقعی یہ سچا رب ہے۔ کچھ لوگ اس کو کہیں گے ہم بڑے غریب ہیں بھوکے ہیں ہمیں مال چاہیے۔ وہ زمین پر، پَر مارے گا زمین سے سونا، چاندی نکل آئے گا۔ لوگ اس کے پیچھے چل پڑیں گے۔ دنیاداروں کو اور کیا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک علامت بتاتا ہوں کہ دجال

اَعْوَرُ یعنی کانا ہوگا وَاِنَّ رَبَّکُمْ لَیْسَ بِاَعْوَرٍ اور بے شک تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ تو بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنالیا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ پھر ہم نے معاف کیا تم کو مِّنْ م بَعْدِ ذٰلِکَ اس کے بعد لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ تا کہ تم شکریہ ادا کرو۔ وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ اور جب دی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب۔ توراۃ، جس کا تمام آسمانی کتابوں میں قرآنِ کریم کے بعد بہت بلند مقام ہے اور بڑی جامع کتاب ہے۔

وَالْفُرْقَانَ اور معجزے دیئے جن کے ذریعے حق اور باطل کے درمیان فرق ہوتا تھا۔ بہت سارے معجزے تھے ان میں سے ایک وہ عصا مبارک بھی تھا کہ جب اس کو پھینکتے تھے تو وہ اژدھا بن جاتا تھا اور مقابلے میں آنے والے جادوگروں کے سارے سانپوں کو نگل جاتا تھا۔ پھر جب اس کو ہاتھ لگاتے تھے وہ عصا ہو جاتا تھا۔ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کے ذریعے حق کو ظاہر کیا اور ان کی کارروائی کو باطل کیا۔

لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ تا کہ تم ہدایت حاصل کرو۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا

حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْلَكُمْ خَطٰیٰكُمْ ؕ وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

لفظی ترجمہ :

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے یٰقَوْمِ اے میری قوم! اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بے شک تم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ بوجہ بنالینے بچھڑے کو معبود فَتُوْبُوْا اِلٰی بَارِئِكُمْ پس توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ پس قتل کرو تم اپنی جانوں کو ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں عِنْدَ بَارِئِكُمْ تمہارے پیدا کرنے والے کے ہاں فَتَابَ عَلَیْكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رجوع کیا اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی اور جب کہا تم نے اے موسیٰ! (علیہ السلام) لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ہم ہرگز تیری تصدیق نہیں کریں گے حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو کھلے طور پر فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ پس پکڑ لیا تمہیں بجلی نے وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور تم دیکھ رہے تھے۔

15

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ پھر ہم نے تمہیں زندہ کیا مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ تمہارے مرنے کے بعد لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکر ادا کرو۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ اور سایہ کیا ہم نے تم پر بادلوں کا وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی اور نازل کی ہم نے تم پر کھیر اور بٹیرے كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا وَمَا ظَلَمُوْنَا اور انہوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اور لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

وَاِذْ قُلْنَا اور جب کہا ہم نے ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ داخل ہو جاؤ اس بستی میں فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا پس کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا اور داخل ہو جاؤ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ اور کہو تم حِطَّةٌ یعنی ہمارے گناہ گرا دے نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ معاف کر دیں گے ہم تمہاری

خطائیں وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ اور ہم زیادہ دیں گے نیکی کرنے والوں کو۔

15/15

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا پس تبدیل کرلیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات کو غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ سوائے اس کے جوان کو کہی گئی تھی فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا پس نازل کیا ہم نے ان لوگوں پر جنہوں نے ظلم کیا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ عذاب آسمان کی طرف سے بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

ربط :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر چلا آرہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے توراۃ لے کر جب واپس تشریف لائے اور دیکھا کہ قوم نے بچھڑے کو معبود بنالیا ہے۔ اور اس کی پرستش کررہے ہیں۔ پہلے تو حضرت ہارون علیہ السلام پر ناراض ہوئے کہ تم نے ان کو اطلاع کیوں نہیں کی اور تمہارے ہوتے ہوئے یہ کیوں گمراہ ہوئے ہیں۔ جب پوری طرح مطمئن ہوگئے کہ ہارون علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری پوری طرح ادا کی ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی تو پھر قوم کی طرف متوجہ ہوئے اس کا ذکر ہے ......

بچھڑے کی پوجا، توبہ اور قتل :

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے يٰقَوْمِ اے میری قوم! اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بے شک تم نے ظلم کیا اپنی جانوں

پر۔ کیونکہ اس کارروائی کا وبال تمہاری جانوں پر پڑے گا بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ جو تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر تم اپنی آخرت سنوارنا چاہتے ہو تو.........

فَتُوبُوا اِلٰى بَارِئِكُمْ تو، توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف فَاقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ پس قتل کرو تم اپنی جانوں کو۔ (اس کی مختلف تفاسیر درج ذیل ہیں)......

①...... اس کی ایک تفسیر تو اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ہر مجرم کو حکم تھا کہ وہ اپنے آپ کو خود قتل کرے۔

②...... اور دوسری تفسیر یہ نقل کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی وہ ان کو قتل کریں جنہوں نے پوجا کی اور طریقہ یہ ہوگا کہ اگر ایک بھائی نے پوجا کی ہے اور دوسرے نے نہیں کی تو جس نے پوجا نہیں کی وہ اس کو قتل کرے جس نے پوجا کی ہے۔ اگر باپ نے پوجا کی ہے اور بیٹے نے نہیں کی تو بیٹے کو حکم تھا کہ باپ کو قتل کر۔ اور اگر بیٹے نے پوجا کی ہے اور باپ نے نہیں کی تو باپ کو حکم تھا کہ بیٹے کو قتل کر۔ تو اس طرح انہوں نے اپنی جانوں کو قتل کیا۔

اس زمانے میں مرتد کی توبہ قتل کے بغیر قبول نہیں ہوتی تھی۔ یہ تو آنحضرت ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سہولت دی، نرمی فرمائی کہ مرتد کو تین دن کی مہلت ہے اگر توبہ کرے تو فبہا چھوڑ دیا جائے گا اگر توبہ نہیں کرتا اور کفر پر مُصر رہتا ہے تو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ فرمایا اس طرح توبہ کرنا.........

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں عِنْدَ بَارِئِكُمْ تمہارے

پیدا کرنے والے کے ہاں۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کہ انہوں نے گردنیں کٹوا کر اپنی آخرت بنالی۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رجوع کیا اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

بنی اسرائیل کا توراۃ پر ردّعمل :

آگے ایک اور واقعہ کا بیان ہے۔ موسیٰ علیہ السلام توراۃ لے کر قوم کے پاس آئے۔ اور بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور عورتوں کو اکٹھا کیا تمام کے تمام اکٹھے ہو گئے بڑا مجمع تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ ضابطہ حیات عطا کیا ہے قوم نے کہا کہ ہمیں پڑھ کر سنایئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساری توراۃ پڑھ کر ان کو سنا دی۔ تو قوم نے کہا کہ یہ کتاب بہت سخت ہے اور اس کے احکام بہت مشکل ہیں۔ ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ اس کو تم واپس اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاؤ اور اس کے بدلے کوئی آسان کتاب لاؤ۔ یا اس میں ترامیم کرادو۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے شریعت سے آزاد زندگی گزاری ہے۔ اور آزاد زندگی گزارنے والے پر جب کچھ پابندیاں لگتی ہیں تو اس کو خاصی مشکل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا جو تمہاری طاقت سے باہر ہو۔ ان احکامات پر جب عمل شروع کرو گے تو آسان ہو جائیں گے۔ مشکل اس لئے نظر آرہے ہیں کہ پہلے تم نے یہ کئے نہیں ہیں۔

اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ جو حضرات نماز پڑھتے ہیں ان کو نماز پڑھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ اور جو بے نماز ہیں ان کے لئے نماز پڑھنا پہاڑ اٹھانے کے برابر ہے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی پڑھی نہیں ہے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سمجھایا مگر

وہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے؟۔

اور یہ بات بھی انہوں نے کہی کہ ہمارے پاس کیا ثبوت ہے کہ واقعی یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے۔ یا آپ خود بنا کر لائے ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب فرمائے۔ جو کہ سردار تھے کہ تم میرے ساتھ کوہِ طور پر چلو تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور میں تمہارے سامنے درخواست کروں گا کہ اے پروردگا! میری قوم کہتی ہے کہ یہ کتاب بہت مشکل ہے لہٰذا اس میں ان کی خواہش کے مطابق ترمیم کر دیں۔

بنی اسرائیل کے نمائندے طور پر :

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمی ساتھ لے کر کوہِ طور پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے پروردگار! تو قادرِ مطلق ہے جو چاہے کر سکتا ہے مشکل حکم بھی دے سکتا ہے اور آسان حکم بھی دے سکتا ہے۔ میری قوم کا مطالبہ ہے کہ اس کتاب کے بدلے ہمیں کوئی آسان کتاب مل جائے یا اس میں کچھ ترمیم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا جو تمہاری طاقت سے باہر ہو۔ لہٰذا اس پر عمل کرو اور اگر بمقتضائے بشریت تم سے کوئی غلطی ہو گئی تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم کے جو سردار گئے تھے یہ باتیں سننے کے بعد کہنے لگے کہ آواز تو آ رہی ہے مگر ہمیں کیا معلوم کہ رب بول رہا ہے یا جن بول رہا ہے یا کوئی فرشتہ بول رہا ہے۔ لہٰذا ہم تو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جب تک

رب تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھ نہ لیں ۔اس کا ذکر ہے فرمایا............

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى اور جب کہا تم نے اے موسیٰ! (علیہ السلام) لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ہم ہرگز تیری تصدیق نہیں کریں گے حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو کھلے طور پر فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ پس پکڑ لیا تمہیں بجلی نے وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور تم دیکھ رہے تھے۔ان کی گستاخی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر بجلی گرادی۔ستر کے ستر مارے گئے۔نویں پارے میں آتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا پروردگار!......

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا کیا ہمیں ہلاک کردے گا اس کام کی وجہ سے جو کیا ہمارے احمقوں نے ، یا اللہ یہ سب تو بے وقوف تھے ان کو تو میں لایا تھا اپنی تائید کیلئے اب جب میں اکیلا واپس جاؤں گا تو میں قوم کو کیا جواب دوں گا؟۔ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ یہ سب تیری آزمائش ہے۔یا اللہ! تو مارنے پر بھی قادر ہے اور زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ ستر کے ستر باوجود اس گستاخی کے زندہ فرمادیئے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

موت اور پھر زندگی :

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ پھر ہم نے تمہیں زندہ کیا مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ تمہارے مرنے کے بعد لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکر ادا کرو۔یہ لوگ جب واپس آئے قوم کے پاس تو کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ عمل ہو سکے تو کر لینا اور نہ ہو سکے تو نہ کرنا میں معاف کردوں گا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو کہا تھا کہ اگر بتقاضائے بشریت کوئی غلطی ہوئی تو میں معاف کردوں گا۔

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ کا ذکر آتا ہے۔کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیتے تھے وہ اس طرح بدلتے تھے مگر ان کی تمام تر گستاخیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو انعامات سے نوازا۔آگے ان انعامات کا ذکر ہے،فرمایا.........

بادلوں کا سایہ :

وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ اور سایہ کیا ہم نے تم پر بادلوں کا۔بنی اسرائیل جب بحر قلزم عبور کر کے وادی تیہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اے بنی اسرائیل!تم قابض قوم عمالقہ جو عملیق نامی ایک شخص کی نسل سے تھے بڑے قد آور موٹے تازے صحت مند اور جنگجو تھے ان سے جہاد کرو تاکہ شام اور فلسطین کی زمین تمہارے قبضے میں دے دی جائے۔بڑا طویل قصہ ہے چھٹے پارے میں اس کی تفصیل آئے گی ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا.........

انکارِ جہاد اور اس کا انجام :

اِنَّ فِیْھَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ بے شک اس سرزمین میں ایک زبردست،جبار قوم ہے وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَھَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْھَا اور بے شک ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے اس میں جب تک کہ وہ یہاں سے نکل نہ جائیں فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ پس اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم (فاتحانہ انداز میں) داخل ہوں گے۔اورانھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی کہا.........

فَاذْھَبْ اَنْتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قٰعِدُوْنَ تو جا اور تیرا رب پس تم دونوں جا کے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک اس میدان سے نکلنا ان پر حرام کر دیا اور یہ ہزاروں کی تعداد میں تھے بوڑھے،بچے،

جوان، مرد، عورتیں سب ان میں شامل تھے۔ اور چالیس سال وہاں رہنا تھا۔

میدان ایسا تھا کہ اس میں کوئی قابل ذکر سایہ دار درخت نہیں تھا کوئی معمولی قسم کا درخت ہوتو ہو۔ اور دھوپ وہاں شدید پڑتی تھی۔ مکان بھی وہاں نہیں بنا سکتے تھے اور باہر سے کوئی چیز لا کر سائے کا انتظام بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوئی۔ اور بادلوں کے ذریعے ان کے لئے سائے کا انتظام فرمایا جونہی سورج چڑھتا سایہ ہوجاتا سورج غروب ہوتا سایہ ختم ہوجاتا قوم کے جرم دیکھو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھو۔ اسی لئے آتا ہے......

اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ بے شک میری رحمت ہر شَیْ پر وسیع ہے۔

ایک دو دن کی بات نہیں پورے چالیس سال ان پر سایہ رہا۔ وہاں خوراک کی بھی ضرورت تھی کیونکہ انسان عالمِ اسباب میں اس کے بغیر بھی زندہ نہیں رہ سکتا اللہ تعالیٰ نے خوراک کا بھی انتظام کیا۔ اس کا ذکر ہے............

من وسلویٰ کا نزول :

وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی اور نازل کی ہم نے تم پر کھیر اور بٹیرے۔ کیسے؟............

①...... تفسیر کی کتابوں میں اس کی ایک شکل یہ لکھی ہے کہ عین موقع پر ان کے سامنے ایک رکابی (پلیٹ) میں کھیر اور ایک رکابی (پلیٹ) میں بھنے ہوئے بٹیر آجاتے تھے۔ جتنا جی چاہے اتنا کھالیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی شَیْ بعید نہیں ہے عموماً کھانے دو طرح کے ہوتے ہیں نمکین اور میٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم

کے کھانوں کا انتظام فرمایا۔

(۲)...... اور بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ تیار ہو کے نہیں آتے تھے بلکہ چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں جن کے پتے چوڑے تھے رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز برستی تھی جس کی تہہ ان پتوں پر جم جاتی تھی یہ تھی وہ کھیر جو ان کو بطور خوراک کے ملتی تھی۔ یہ اعضاء کے لئے بڑی طاقت بخش تھی اس کو اس طرح سمجھو کہ جس طرح پہاڑی علاقوں میں برف باری ہوتی ہے تو اس کی تہہ جم جاتی ہے اور بٹیر بھی انہیں جھاڑیوں میں ہوتے تھے۔ جن کو یہ آسانی سے پکڑ کر کھاتے تھے۔ اور پانی کا ذکر اگلے رکوع میں آرہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ''من وسلویٰ'' نازل کیا اور فرمایا......

كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے وَمَا ظَلَمُوْنَا اور انہوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اور لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ کہ انہوں نے ''من سلویٰ'' کے بدلے پیاز، لہسن اور دالیں مانگیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کیا تم بدلتے ہو عمدہ چیزوں کے بدلے گھٹیا کہنے لگے ہمیں گھٹیا ہی چاہیے۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات اور جائے مدفن :

آگے بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کا ذکر ہے اور یہ واقعہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد پیش آیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال پہلے فوت ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا جب وقت آیا تو انہوں نے پروردگار سے دعا کی کہ اے پروردگار! مجھے وادی تیہ (وادیٔ سینائی) سے

بیت المقدس کی طرف جانے کی اجازت دی جائے تاکہ میری موت بیت المقدس کے قریب آئے۔ اور میں ان مجرموں میں نہ رہوں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور یہ بیت المقدس کی طرف چل پڑے۔ ایک سرخ رنگ کا ٹیلا تھا جب وہاں پہنچے تو روح قبض کی گئی۔ اور وہیں ان کی قبر بنی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو نبی بنایا۔ یہ یوشع بن نون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم تھے اور تفسیروں میں مذکور ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے سفر میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اور مچھلی انہی کے پاس تھی جو بھول کر راستے میں چھوڑ گئے تھے۔ وادی تیہ میں چالیس سال کا عرصہ ختم ہوا، نئی پود (نیو جنریشن) جوان ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ذریعہ ان کو حکم دیا کہ تم اس شہر بیت المقدس اور اس کو ایلیاء بھی کہتے ہیں۔ پہلے یہ بیت المقدس وادی تیہ سے کچھ مسافت پر تھا۔ مگر اب ساتھ مل گیا ہے۔ جیسا کہ گوجرانوالہ اور راہوالی تقریباً آپس میں مل ہی گئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ذریعے ان کو حکم دیا کہ تم اس شہر بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ اس کا ذکر ہے فرمایا......

بنی اسرائیل کو بستی میں داخل ہونے کے احکام :

وَاِذْ قُلْنَا اور جب کہا ہم نے ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ داخل ہو جاؤ اس بستی میں یعنی بیت المقدس یا ایلیاء میں فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا پس کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو کشادہ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا اور داخل ہو جاؤ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے۔ پہلے زمانے میں شہر کے ارد گرد ایک دیوار

ہوتی تھی اس کو سُوْرُ الْبَلَدْ کہتے تھے۔

اس میں مختلف دروازے ہوتے تھے لوگ ان دروازوں کے ذریعے شہر میں داخل ہوتے تھے جس طرح شہر گوجرانوالہ میں بھی مختلف دروازے ہیں، لاہوری، سیالکوٹی، کھیالی، گرجاکھی۔ اسی طرح اس شہر کے بھی دروازے تھے تو اس شہر کا جو اہم مقام تھا فرمایا اس دروازے سے تم داخل ہو جاؤ۔ اور داخل ہوتے وقت تم نے دو کام کرنے ہیں ایک یہ کہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے کہ تو نے ہمیں طاقتور قوم پر غلبہ عطا فرمایا ہے اور دوسرا کام..........

وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ اور کہو تم حِطَّةٌ یعنی ہمارے گناہ معاف کر دے۔ حَطَّ یَحُطُّ کا معنٰی ہے گرانا اور حِطَّةٌ کا مکمل جملہ بنے گا مَسْئَلَتُنَا حِطَّةٌ ہمارا سوال یہ ہے کہ اے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما دے۔

نَّغْفِرْلَكُمْ خَطٰيٰكُمْ معاف کر دیں گے ہم تمہاری خطائیں وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ اور ہم زیادہ دیں گے نیکی کرنے والوں کو فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا پس تبدیل کر لیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات کو غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ سوائے اس کے جو ان کو کہی گئی تھی۔

بنی اسرائیل کی حیلہ سازی :

ان کو تو کہا گیا تھا حِطَّةٌ کہنا مگر انہوں نے حِطَّةٌ کی بجائے حِنْطَةٌ کہنا شروع کر دیا۔ کہ ہمیں گندم چاہیے۔

اور یہ الفاظ بھی مفسرین نے لکھے ہیں کہ انہوں نے کہا حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ ہمیں وہ دانے چاہییں جو خوشوں میں ہوں اور پہلے حکم کی مخالفت اس طرح کی کہ

بجائے سجدہ کرنے کے چوتڑ گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ جس طرح چھوٹے بچے گھسیٹیاں کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ انہوں نے قول بھی بدل دیا اور فعل بھی بدل دیا پھر کیا ہوا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا پس نازل کیا ہم نے ان لوگوں پر جنہوں نے ظلم کیا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ عذاب آسمان کی طرف سے۔ وہ عذاب طاعون کی شکل میں نازل ہوا تین چار گھنٹوں میں ستر ہزار کے قریب آدمی مر گئے۔ اس قوم پر اللہ تعالیٰ نے بڑے انعامات نازل کیے مگر انہوں نے نافرمانیاں بہت کیں۔

یہودی ''من حیث القوم'' سب سے زیادہ ذہین :

دنیا میں جتنی قومیں ہیں افراد کے لحاظ سے نہیں بلکہ مِنْ حَيْثُ الْقَوْم یہودی سب سے زیادہ ذہین ہیں۔ ہائیڈروجن بم اور کلاشنکوف کے موجد یہی ہیں۔ قوموں کی تباہی کے اسباب انہوں نے ہی پیدا کیے ہیں۔ اور جتنے ذہین ہیں اتنے ہی ضدی ہیں۔ اپنی بات پر اَڑ جاتے ہیں اس کے مقابلے میں صحیح بات بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ آنحضرت ﷺ کو يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ضد پر اڑے رہے، قبول نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان کی طرف سے عذاب نازل فرمایا۔

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ
بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ
عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا
وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ
عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا
تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا
وَعَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ
اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ
مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ
النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ

كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

لفظی ترجمہ :

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اور جس وقت پانی طلب کیا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ پس کہا ہم نے مار اپنی لاٹھی پتھر پر فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ پس پھوٹ پڑے اس سے اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا بارہ چشمے۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ تحقیق جان لیا ہر گروہ نے مَّشْرَبَهُمْ اپنے پینے کی جگہ کو كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے ہوئے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى اور جب کہا تم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک کھانے پر فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ پس دعا کر ہمارے لئے اپنے پروردگار سے يُخْرِجْ لَنَا نکالے ہمارے لئے مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ اس چیز سے جو اگاتی ہے زمین مِنْۢ بَقْلِهَا اپنی ترکاریوں سے وَقِثَّآئِهَا اپنی ککڑیوں سے (یعنی تریں) وَفُوْمِهَا اور اپنے لہسن یعنی تھوم سے وَعَدَسِهَا اور اپنے مسور سے وَبَصَلِهَا اور اپنے پیاز سے۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ فرمایا کیا تم بدلے میں لیتے ہو الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی اس چیز کو جو گھٹیا ہے بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اس چیز کے ساتھ جو بہتر ہے اِهْبِطُوْا مِصْرًا اتر جاؤ کسی شہر میں فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ پس بے شک تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم نے مانگا وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ اور مسلط کردی گئی ان پر ذلت اور مسکینی وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اور لوٹے وہ اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ بے شک كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ تھے انکار کرتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ اور قتل کرتے تھے پیغمبروں کو بِغَیْرِ الْحَقِّ ناحق ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا یہ اس لئے انہوں نے نافرمانی کی وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ اور وہ حد سے آگے نکل جاتے تھے۔

ربط :

اس سے پہلے رکوع میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کو لے کر وادی تیہ میں پہنچے جس کو آج کل کے جغرافیہ میں وادیٔ سینائی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ تم عمالقہ قوم کے ساتھ جہاد کرو۔ جو اس وقت شام، کنعان، فلسطین میں آباد تھی۔ اس زمانے میں شام، کنعان، فلسطین ایک علاقہ تھا اور لبنان، اردن اس میں شامل تھے۔ اور اس علاقے کو شام بھی کہتے تھے۔ کنعان بھی اور فلسطین بھی کہتے تھے اور وادیٔ تیہ وغیرہ سب اس میں شامل تھے۔

عربوں کے خلاف فرنگی سازش :

خبیث انگریز نے ۱۹۱۷ء میں اپنے مفاد کی خاطر اس علاقے کو مختلف ملکوں میں تقسیم کر دیا۔ اور مسلمان حکمرانوں کے ایک دوسرے کے خلاف ایسے ذہن بنا دیئے کہ وہ مسلمان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ شام اسرائیل کے ساتھ تو مل سکتا ہے مگر مصر وغیرہ کے ساتھ نہیں ۔ لبنان کا بھی یہی حال ہے کہ یہود کے ساتھ تو مل سکتا ہے مگر شام کے ساتھ ملنے کو تیار نہیں ہے۔ سعودیہ امریکہ کے ساتھ تو مل سکتا ہے مگر عراق کے ساتھ مل بیٹھنے کو تیار نہیں ہے۔ یہ تمام خباثتیں انگریز اور اس کے بین الاقوامی حواریوں کی ہیں۔

بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کو جہاد کا حکم سنایا تو انہوں نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر چالیس سال کے لئے اس میدان سے نکلنا حرام کر دیا اور بنی اسرائیلی خاصی تعداد میں تھے ان کے لئے سائے کا انتظام کرنا، کھانے پینے کا انتظام کرنا تھا کیونکہ جاندار مخلوق اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بلکہ پانی کے بغیر تو نباتات بھی نہیں رہ سکتیں۔ تو پہلے سائے اور کھانے کے انتظام کا ذکر تھا اب اس آیت کریمہ میں پانی کا ذکر ہے۔ فرمایا..........

پانی کے چشمے :

وَاِذِ اسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ اور جس وقت پانی طلب کیا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے۔ سُقْیٰ کے معنی ہیں پانی اِسۡتَسۡقٰی باب استفعال ہے اس کی خاصیت ہے ''طلب ماخذ'' یعنی اس میں مصدر کے طلب کے معنی پائے جاتے ہیں۔

تو وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی کے معنٰی ہیں ''جب موسیٰ (علیہ السلام) نے پانی طلب کیا''
لِقَوْمِہٖ اپنی قوم کے لئے۔ کیونکہ ان کو پینے کے لئے، نہانے کے لئے اور دیگر
ضروریات کے لئے پانی چاہیے تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے.........

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ پس کہا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو مار اپنی
لاٹھی پتھر پر۔ اب سوال یہ ہے کہ جس پتھر پر موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری تھی وہ کوئی خاص
پتھر تھا یا عام پتھر تھا۔ دونوں باتیں تفسیروں میں منقول ہیں جو کہ مندرجہ ذیل
ہیں.........

۱)...... یہ عام پتھر تھا جو وہیں پڑا ہوا تھا اس پر لاٹھی ماری۔

۲)...... یہ کہ عام پتھر نہیں تھا بلکہ وہ پتھر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا
تھا۔

وہ قصہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ.........

موسیٰ علیہ السلام کا تنہا غسل اور پتھر کا کپڑوں سمیت بھاگ جانا :

''موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرتے تھے کہ ان پر کسی کی نگاہ نہ پڑے۔ اور
دوسرے لوگ اکٹھے نہاتے تھے تو ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ موسیٰ (علیہ السلام) علیحدگی میں
نہاتے ہیں۔ لگتا ہے ان کے بدن میں کوئی بیماری ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے
پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ الحمد للہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ لیکن لوگوں میں مشہور
ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ''اُدْرَہ'' کی بیماری ہے۔ یعنی ان کے خصیتین پھولے ہوئے
ہیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ بری بات بڑی جلدی مشہور ہوجاتی ہے تو عام لوگ یہ باتیں
کرنے لگ گئے اللہ تعالیٰ کو اس کی صفائی منظور ہوئی۔

ایک دن موسیٰ علیہ السلام کپڑے اتار کر تنہائی میں غسل کرنے لگے۔ فارغ ہوکر جب کپڑوں کی طرف آئے تو پتھر جس پر کپڑے رکھے تھے بھاگ پڑا۔ پتھر آگے، آگے اور موسیٰ علیہ السلام ثَوْبِیْ حَجَرْ کی آواز لگاتے ہوئے پتھر کے پیچھے پیچھے کہ اے پتھر میرے کپڑے دے دے۔ مگر پتھر کو تو رب تعالیٰ کا حکم تھا وہ وہاں جا کر رکا جہاں لوگوں کا مجمع تھا سب نے موسیٰ علیہ السلام کو آنکھوں سے دیکھا کہ ان کے بدن میں تو کوئی تکلیف نہیں ہے''۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ پتھر پر اپنی لاٹھی مارو۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی ماری.........

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا پس پھوٹ پڑے اس سے بارہ چشمے۔ چونکہ بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے اور ان کی آپس میں نوک جھونک ہوتی رہتی تھی اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کیونکہ گھر میں چند افراد ہوتے ہیں ان میں بھی بات ہو جاتی ہے۔ اور یہ تو بارہ خاندان تھے اور تھے بھی سخت مزاج۔ تو ان میں جھگڑے کا ہو جانا قدرتی امر تھا تو انتظامی امور کی وجہ سے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کیا تھا۔ لہٰذا ہر ایک کے لئے الگ چشمہ جاری کیا گیا۔ کہ مثلاً یہ یوسفیوں کا ہے، یہ روبیلیوں کا ہے، یہ بن لاویوں کا ہے یہ بن یامینیوں کا ہے۔ تاکہ آپس میں لڑیں نہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ تحقیق جان لیا ہر گروہ نے اپنے پینے کی جگہ کو۔ رب تعالیٰ نے فرمایا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللهِ من سلویٰ کھاؤ اور پانی پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ اور نہ پھرو زمین میں

فساد مچاتے ہوئے۔ایک دوسرے کی دل آزاری نہ کرو انسانوں میں یہ مادہ بہت پایا جاتا ہے اِلاَّ مَا شَاءَ اللّٰہُ عرصہ دراز تک وہ من سلویٰ کھاتے رہے پھر اکٹھے ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ ہماری خوراک بدل دو اس کا ذکر ہے............

دال سبزی کا مطالبہ :

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی اور جب کہا تم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودیوں کو یہ بات یاد دلائی جا رہی ہے کہ تمہارے بڑوں نے یہ کہا تھا)............

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک ہی قسم کے کھانے پر۔یہ کیا ہوا کہ صبح کو بھی من سلویٰ اور شام کو بھی من سلویٰ۔ فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ پس دعا کر ہمارے لئے اپنے پروردگار سے یُخْرِجْ لَنَا نکالے ہمارے لئے مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ اس چیز سے جو اگاتی ہے زمین مِنْ ، بَقْلِهَا اپنی ترکاریوں سے۔''بقل'' ہر قسم کی سبزی کو کہتے ہیں۔ساگ، مولی، گاجر، آلو وغیرہ سب پر بقل کا لفظ بولا جاتا ہے۔اور سبزی فروش کو بَقَّالَۃٌ کہتے ہیں۔

''قِثَّاءٌ'' کی تحقیق :

وَقِثَّآئِهَا اپنی ککڑیوں سے (یعنی تریں)۔ قِثَّآءٌ عربی زبان میں کھیرے کو بھی کہتے ہیں اور تر کو بھی جو لمبی ہوتی ہے۔اور دونوں کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تر پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلدی سے کھجوریں لاؤ۔کھجوریں لائی گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تر اور

کھجوریں ملا کر کھائیں۔تاکہ اعتدال پیدا ہو جائے۔

’’فُوْم‘‘ کی تحقیق :

وَفُوْمِهَا اور اپنے لہسن یعنی تھوم سے۔’’فُوْم‘‘ گندم کو بھی کہتے ہیں اور لہسن کو بھی۔’’فوم‘‘ کے دونوں معنٰی ہیں۔تو کہا کہ ہمارے لئے لہسن پیدا فرما۔پہلے حکیم بھی کہتے تھے اور آج کل ڈاکٹر بھی کہتے ہیں کہ تھوم ’’لہسن‘‘ دل کی بیماریوں کے لئے بہت مفید ہے۔حکیم تھوم کا سیرا بنا کر دل کی بیماریوں کے لئے استعمال کراتے تھے۔ تھوم کچا بھی کھایا جاتا ہے اور پکا کر بھی۔لیکن کچا تھوم کھا کر فوراً مسجد میں نہیں آنا چاہیے۔اسی طرح کچی مولی اور دیگر بو والی چیزیں کھا کر مسجد میں نہیں آنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا رکھا گیا۔اس کے ساتھ سلاد بھی۔آج کل کی طرح پہلے بھی کھانے کے ساتھ سلاد رکھتے تھے۔سلاد میں تھوم تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاد نہ کھایا۔دوسرے حضرات نے بھی نہ کھایا۔(ثــوم عربی میں تھوم کو کہتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضرت! کیا تھوم حرام ہے۔فرمایا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے میں اس کو حرام نہیں کر سکتا۔حضرت پھر آپ نے کھایا کیوں نہیں؟۔

فرمایا میں نے اس لئے نہیں کھایا کہ اس سے بو آتی ہے اِنِّیْ اُنَاجِیْ مَنْ لَّا تُنَاجُوْنَ میں ان (فرشتوں) کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہوں جن کے ساتھ تم ہم کلام نہیں ہو سکتے۔البتہ فرشتے جب جان نکالنے کے لئے آتے ہیں تو اس وقت ہر آدمی سے جس کی جان نکالتے ہیں ہم کلام ہوتے ہیں۔نیک آدمی کو کہتے ہیں اُخْرُجِیْ طَیِّبَةً اے پاکیزہ روح! نکل آ۔وہ آسانی سے نکل آتی ہے۔اور برے سے کہتے ہیں یَاَیُّهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ اے ناپاک روح! جلدی نکل رب تجھ سے ناراض

ہے۔اب تیری مرمت ہوگی۔

تو بہرحال تھوم سے چونکہ بوآتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے نہ کھایا۔اور یہ بھی فرمایا کہ فَلَایَقْرُبَنَّ مَسَاجِدَنَا جس نے تھوم کھایا وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔کیونکہ عام جگہوں کی بنسبت مسجد میں فرشتے زیادہ ہوتے ہیں۔اور فرشتوں کو پیاز،تھوم اور مولی وغیرہ کی بو سے سخت نفرت آتی ہے۔اور اس سے سگریٹ اور حقے کی بو کا اندازہ خود لگالو جو کافی دور سے آجاتی ہے کہ وہ پی کر مسجد میں آنا کیسا ہے؟۔

حقہ پینے کی وجہ سے حضور ﷺ کا خواب میں پیٹھ کے پیچھے بیٹھنا :

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک نیک آدمی تھا اس کو تبخیر کی بیماری لگ گئی معدے میں گیس پیدا ہوجاتا تھا۔حکیم کے پاس گیا اس نے کہا کہ تم حقہ پیا کرو۔اس نے حقہ پینا شروع کر دیا۔آنحضرت ﷺ خواب میں تشریف لائے اور اس بزرگ کی پیٹھ کے پیچھے تشریف فرما ہوئے۔وہ جب آپ ﷺ کی طرف منہ کرتا آپ ﷺ پیٹھ کے پیچھے ہوجاتے۔بڑا پریشان ہوا۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں خوابوں کی تعبیر کے بڑے ماہر تھے صبح کو ان کے پاس گیا اور اپنا خواب سنایا۔شاہ صاحب نے فرمایا کہ تو حقہ پیتا ہوگا؟۔کہنے لگا جی ہاں! حقہ تو پیتا ہوں۔فرمایا آنحضرت ﷺ کو حقے سے نفرت ہے۔اس لئے سامنے نہیں بیٹھے۔

"عَدَسْ" کی تحقیق :

وَعَدَسِهَا اور اپنے مسور سے۔ عَدَسْ کا لفظ اصل تو مسور کی دال پر بولا

جاتا ہے مگر آج کل تمام کے تمام عربی ہر قسم کی دال کو عَدَسٌ کہتے ہیں۔ چاہے چنے کی ہو یا مونگ، ماش کی۔

وَبَصَلِهَا اور اپنے پیاز سے۔ یعنی ہمیں پیاز چاہییں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سارے آرائیں اکٹھے تھے۔

ناقدری کی سزا :

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ فرمایا کیا تم بدلے میں لیتے ہو الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی اس چیز کو جو گھٹیا ہے بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اس چیز کے ساتھ جو بہتر ہے۔ کہاں کھیر اور بٹیر اور کہاں لہسن، پیاز اور دال اور پھر وہ بغیر مشقت کے اور یہ چیزیں تمہیں خود بیجنی پڑیں گی۔ اور نکالنی پڑیں گی۔ ہاں اگر تم لینا ہی چاہتے ہو تو ....

اِهْبِطُوْا مِصْرًا اتر جاؤ کسی شہر میں۔ وادیٔ تیہ چونکہ بلندی پر تھی اور باقی شہر نیچے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ اتر جاؤ کسی شہر میں وہاں سے ان چیزوں کے بیج لاؤ اور کاشت کرو اور جس دن تم نے بیج ہاتھ میں پکڑا تمہارا آسمانی راشن بند ہو جائے گا۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''قنسرین'' نامی شہران کے قریب تھا۔ وہاں سے جاکر یہ تمام چیزوں کے بیج لائے۔ فرمایا............

فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ پس بے شک تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم نے مانگا وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ اور مسلط کر دی گئی ان پر ذلت اور مسکینی۔ پہلے من سلویٰ کھاتے تھے اب جاؤ گرد غبار کھاؤ۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اور لوٹے وہ اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر۔ اپنا نقصان بھی کیا اور رب تعالیٰ کی ناراضگی بھی مول لی۔ یہ غضب کیوں ہوا ؟۔

فرمایا.........

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ بے شک تھے انکار کرتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات آتے انکار کر دیتے اللہ تعالیٰ کے دو جلیل القدر پیغمبر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ان کے پاس آئے مگر انہوں نے ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی۔ اگر چہ ماننے والے بھی تھے مگر اکثر نافرمان تھے۔ اور حکم اکثریت پر لگتا ہے۔ عربی زبان کا مقولہ ہے لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ اکثریت پر کل کا حکم ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل کے ہاتھ سے قتل انبیاء :

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ اور قتل کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق۔ اسی مضمون کی آیت تیسرے پارے میں آتی ہے وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ اور وہ قتل کرتے تھے انبیاء علیہم السلام کو ناحق اور ان کو بھی قتل کرتے تھے جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

اس آیت کی تشریح میں مفسرین کرام رحمہم اللہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک علاقے میں مختلف قومیں آباد تھیں۔ جن کی تعداد تینتالیس تھی۔ اور ہر قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے الگ الگ پیغمبر بھیجا تھا۔ ان قوموں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ پیغمبر ہمیں ہر وقت تنگ کرتے رہتے ہیں لہٰذا ان پیغمبروں کا صفایا کر دینا چاہیے۔

چنانچہ سورج طلوع ہونے کے بعد تقریباً گیارہ بجے تک انہوں نے تینتالیس پیغمبر اور ایک سو ستر ان کے صحابیوں اور حواریوں کو شہید کیا"۔ یہ تو صرف ایک دن کی

کارروائی تھی ان کے علاوہ حضرت یحیٰ علیہ السلام کو شہید کیا۔ حضرت شعیا علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا۔

حضرت یحیٰ علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ :

حضرت یحیٰ علیہ السلام کو اس وجہ سے شہید کیا گیا کہ اس علاقہ کا جو حاکم تھا اس کی ایک بھانجی تھی بڑی خوبصورت اس نے اپنی بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا چاہا۔ باوجودیکہ اس کے نکاح میں اور عورتیں اور لونڈیاں بھی تھیں۔ اور بھانجی کے ساتھ نکاح ان کی شریعت میں بھی ناجائز تھا۔

اس بات کا جب حضرت یحیٰ علیہ السلام کو علم ہوا تو اپنا فریضہ ادا کرنے کے لئے اس کے پاس گئے۔ اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہونے کی حیثیت سے تجھے مسئلہ بتانے کے لئے آیا ہوں۔ تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے۔ وہ یہ کہ بھانجی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ تیرے پاس اور عورتوں کے علاوہ لونڈیاں بھی ہیں۔ اور تو بادشاہ ہے ان کے علاوہ اور عورتوں کے ساتھ بھی جہاں چاہے نکاح کر سکتا ہے۔

لہٰذا یہ ناجائز کام نہ کر۔ وہ کہنے لگا کہ بادشاہی تیری ہے یا میری؟۔ فرمایا ظاہر بات ہے کہ بادشاہی تو تیری ہی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا حکم سنانا میرا فریضہ ہے۔ میں تو اپنا فرض ادا کرنے کے لئے آیا ہوں۔ کہنے لگا یہ کون ہوتا ہے میری مجلس میں آکر مجھے یہ کہنے والا کہ تو اس طرح کر اور اس طرح نہ کر۔ ظالم نے حضرت یحیٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا۔ یہ قتل ناحق تھا۔ اور قتل حق کی تین صورتیں ہیں......

قتل حق کی تین صورتیں :

۱)...... یہ کہ کوئی آدمی مرتد ہو جائے دین سے پھر جائے تو اس کو تین دن کی

مہلت دے دی جائے گی کہ توبہ کرلے اگر اس نے تین دن تک توبہ نہ کی تو اس کے بعد اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور پیغمبر تو معصوم ہوتے ہیں ان کے مرتد ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲)...... دوسری صورت یہ ہے کہ شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کو رجم کیا جائے گا جس کو انگریزی تعلیم یافتہ ظالم حکمران وحشیانہ سزائیں کہتے ہیں حالانکہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وہ حق ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے غافل ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان مبارک ہے اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیُمْلِیَ الظَّالِمَ حَتّٰی اِذَا اَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب پکڑتا ہے تو حرکت نہیں کرنے دیتا۔ اب یہ کہنے والے ظالم حکمران تڑپ رہے ہیں۔ او ظالمو! اپنے دور میں جو تم نے ظلم کئے تھے وہ تو یاد کرو۔

۳)...... تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی کسی کو ناحق قتل کر دے اور اس کو اس کے قصاص میں قتل کیا جائے۔

اسلام میں ان تین صورتوں کے علاوہ کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور پیغمبروں کے متعلق ان تینوں باتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان ظالموں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ کیوں قتل کیا؟۔ فرمایا......

ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی

اور وہ حد سے آگے نکل جاتے تھے۔اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر جاتے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سزائیں دیں۔جن کا ذکر آگے آئے گا۔

(ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى

وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ

صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ وَاِذْ

اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ

الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا

لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ ۚ فَجَعَلْنٰهَا

نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

لفظی ترجمہ :

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے وَالَّذِيْنَ هَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہیں وَالنَّصٰرٰى اور جو نصرانی ہیں وَالصّٰبِـِٕيْنَ اور جو صابی ہیں مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ جو شخص بھی ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن پر وَعَمِلَ صَالِحًا اور اس نے عمل کیا اچھا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ پس ان کے لئے اجر ہے ان کے رب کے پاس وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ اور جب لیا ہم نے تم سے پختہ عہد وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر طور پہاڑ کو خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ پکڑو اس چیز کو جو ہم نے تمہیں دی ہے قوت کے ساتھ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ اور یاد کرو جو اس میں ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم بچ جاؤ۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ پھر، پھر گئے تم مِّنْ ، بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ پس اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر وَرَحْمَتُهٗ اور اس کی رحمت لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ البتہ تم ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ اور البتہ تحقیق تم جانتے ہو الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ ان لوگوں کو جنہوں نے تجاوز کیا تم میں سے فِی السَّبْتِ ہفتے کے دن فَقُلْنَا لَهُمْ پس کہا ہم نے ان کو كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ ہو جاؤ بندر ذلیل۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا پس بنایا ہم نے اس واقعہ کو عبرت لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا ان لوگوں کے لئے جو اس سے پہلے تھے وَمَا خَلْفَهَا اور جو پیچھے آنے والے ہیں وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ اور نصیحت پرہیزگاروں کے لئے۔

ربط :

اس سے پہلے یہودیوں کا ذکر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر چلنے والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا مگر انہوں نے بے قدری کی آگے وہ فرقے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے ان میں سے بعض کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بے شک وہ لوگ جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مشرکین عرب اپنی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کر کے اپنے آپ کو مومن کہتے تھے کہ ہم ابراہیمی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مومن تھے۔ لہٰذا ہم بھی مومن ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مومن ہونے میں تو شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے مگر ان کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ تھا۔

یہود کی وجہ تسمیہ :

وَالَّذِیْنَ هَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودی ہیں۔ یہودیوں کو یہودی کیوں کہتے ہیں؟ مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس سلسلے میں مختلف باتیں بیان کی ہیں......

(۱)...... ایک یہ کہ هَادَ ، یَهُوْدُ کے معنٰی ہیں رجوع کرنا تو وہ لوگ جو بچھڑے کی پوجا کرنے کی وجہ سے قتل کر دیئے گئے وہ تو قتل ہو گئے جو بچ گئے انہوں نے کہا تھا اِنَّا هُدْنَا اِلَیْكَ اے پروردگار! ہم نے تیری طرف رجوع کیا چونکہ ان کے بڑوں نے "هودًا" کا لفظ بولا تھا اس وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔

(۲)...... دوسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا تو اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔

(۳)...... علامہ خازن رحمہ اللہ نے یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ یہ لوگ جب توراۃ پڑھتے تھے تو حرکت کرتے تھے جس طرح قرآن کریم حفظ کرنے والے بچے آگے پیچھے ہلتے اور حرکت کرتے ہیں۔ اور تَهَوَّدَ کا معنٰی حرکت کرنا بھی آتا ہے۔ تو اس وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔ کہ وہ لوگ جو توراۃ پڑھتے وقت حرکت کرتے ہیں، جھومتے ہیں۔

وَالنَّصٰرٰی اور جو نصرانی ہیں..........

نصارٰی کی وجہ تسمیہ :

(۱)...... نَصٰرٰی ، نصران کی جمع ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام جس محلے میں

پیدا ہوئے تھے اس کا نام تھا ''ناصرہ'' اس کی طرف نسبت کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کو ناصری کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے عیسیٰ (علیہ السلام) ناصری نے کہا۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی اور مدنی کہا جاتا ہے۔ مکی تو اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی اور مدنی اس وجہ سے کہ مدینہ منورہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الھجرت ہے اور دس سال وہاں گزارنے کے بعد وہیں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں مدفون ہیں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کو محلّہ ناصرہ کی طرف نسبت کی وجہ سے ناصری کہا جاتا ہے۔ اور ان کے ماننے والوں کو ''نصرانی'' کہا جاتا ہے۔

②...... اور نصاریٰ کہنے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے میں بیان کرتا ہوں اور لوگ مجھے تکلیف پہنچانے کے درپے ہیں مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللہِ کون میری مدد کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے۔ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللہِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں نے کہا ہم ہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے تمہاری مدد کرنے والے۔ نصرت کے معنٰی مدد کرنا ہے۔ چونکہ انصار کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس وجہ سے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔

''صابئین'' کا گروہ :

وَالصّٰبِئِیْنَ اور جو صابی ہیں۔ ''صباء'' کا لفظی معنٰی ہے ایک دین سے دوسرے دین کی طرف پھر جانا۔ اسی وجہ سے مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو ''صابی'' کہتے تھے۔ جس طرح آج کل حق والوں کو لوگ ''وہابی'' کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ آبائی دین سے پھر کر دوسرے دین کی طرف چلے گئے

ہیں۔ حالانکہ یہ صرف ان کا وہم تھا پیغمبر تو پیدائشی طور پر موحد ہوتا ہے۔ اور شرک کے قریب تک نہیں جاتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کو تبلیغ کا حکم اس وقت ہوتا ہے۔ جب ان کو نبوت عطا کی جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں تاجِ نبوۃ پہنایا گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تبلیغ شروع کی مگر وہ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ پہلے ہمارے ساتھ تھے اور اب پھر گئے ہیں۔ تو یہ ''صابی'' کون لوگ تھے تفسیروں میں ان کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے ان میں سے ایک وجہ یہاں لکھی جاتی ہے.........

(۱)...... ''صابی'' ایک فرقہ تھا جو حضرت داوٗد علیہ السلام کو نبی مانتے تھے اور زبور پر ایمان رکھتے تھے نماز روزے کے قائل تھے اور قیامت کو بھی مانتے تھے اور بھی دین کی بہت ساری صحیح باتوں کو مانتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ یعنی شرک کی بیماری ان کو لگ گئی تھی۔ جس طرح عرب صدیوں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سچے دین پر چلتے رہے۔ مگر بعد میں شرک میں مبتلاء ہو گئے۔

عرب میں شرک کی ابتدا :

پہلا بد بخت انسان جس نے عرب میں شرک پھیلایا وہ ''عمر بن لحی بن قمعہ'' تھا۔ اس سے قبل سارے لوگ موحد ہوتے تھے۔ اور یہ شخص اخلاق میں اتنا گرا ہوا تھا کہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق بیت اللہ شریف کے طواف کے دوران کسی کے کندھے پر عمدہ چادر دیکھتا تو کنڈی کے ذریعہ وہ اٹھا لیتا تھا جس طرح مچھلی پکڑنے کی کنڈی ہوتی ہے اس طرح اس نے کنڈی بنائی ہوئی تھی۔ اور کسی لکڑی کے

17

ساتھ جوڑی ہوئی تھی۔ لوگ اپنے شوق میں طواف کرتے اور یہ آرام سے چادر اڑا لیتا تھا اور اپنے پیچھے ایک تھیلا رکھا ہوا تھا اس میں ڈال لیتا تھا۔

اس وقت منع کرنے والے آدمی تو بہت کم ہوتے تھے۔ اگر کوئی دیکھ لیتا تو معذرت کر لیتا کہ اتفاقاً کنڈی اڑ گئی ہے جو اتنا اخلاق سے گرا ہوا اور فاجر ہو کہ طواف کرتے وقت لوگوں کے کپڑے اتار لے اس پر اعتماد کرنے کا کیا معنیٰ ہے؟۔ اور اس کے ایجاد کردہ دین کو کیا اختیار کرنا ہے۔ مگر لوگ تو انتہائی بدکردار کے پیچھے بھی لگ جاتے ہیں۔ اور وہ اس چیز کو دلیل بنا لیتے ہیں کہ اتنے لوگ ہمارے ساتھ ہیں اگر جھوٹے ہوتے تو اتنے لوگ ہمارے ساتھ کیوں ہوتے؟۔

جیسا کہ گوجرانوالہ میں ایک آدمی نے ''مہدی'' ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے متعلق اخبارات میں بھی آیا تھا کچھ بے وقوف لوگ اس کے اردگرد بھی جمع ہو گئے تو کیا یہ اس کے ''مہدی'' ہونے کی دلیل ہے۔ آپ کپڑے پہن کر بازار سے گزرو تو آپ کے آس پاس لوگ جمع نہیں ہوں گے اور اگر کپڑے اتار دو تو کتنا بڑا مجمع تمہارے اردگرد جمع ہو جائے گا۔ اور نعرے مفت میں لگیں گے۔

تو ''صابیوں'' کی بات ہو رہی تھی کہ وہ لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کو مانتے تھے زبور پر ایمان رکھتے تھے، نماز روزے کے قائل تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ ستاروں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ ان فرقوں کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

ایمان باللہ کی جامعیت :

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ جو شخص بھی ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر۔ رب تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لائے کہ اس کے پیغمبروں پر ایمان

لائے۔ اس کی کتابوں کو بھی مانے، فرشتوں کا قائل ہو۔ قیامت کو مانے، جنت ،دوزخ کا قائل ہو۔ ایک آدمی کہتا ہے میں اللہ تعالیٰ کو مانتا ہوں مگر پیغمبروں اور کتابوں اور فرشتوں کا قائل نہیں ہوں۔ جنت دوزخ کو نہیں مانتا، حشر نشر کا قائل نہیں ہوں۔

تو یہ تو رب تعالیٰ کو ماننے والا نہیں ہے۔ رب تعالیٰ کا ماننا تو یہ ہے کہ جو اس نے کہا ہے اس کو بھی مانے اور آخرت کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کو مانتے ہیں کہ وہ آنے والی ہے اور صرف بات ہی کافی نہیں ہے کہ ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر بلکہ............

وَعَمِلَ صَالِحًا اور اس نے عمل کیا اچھا۔ یعنی ایمان کے ساتھ، ساتھ اعمال بھی اچھے کرے۔ کیونکہ اچھے برے عمل کا اثر ہوتا ہے۔ اور اس کا دیکھنے والوں پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اور لوگ ان چیزوں کو محسوس کرتے ہیں۔ آدمی خود محسوس کرے یا نہ کرے؟ خصوصاً وہ حضرات جو وعظ و تبلیغ کرتے ہیں حق بیان کرتے ہیں ان کو خاص خیال کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایک آدمی دوسروں کو حق بتاتا ہے، نیکی کی تبلیغ کرتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا تو......

۱)...... ایک تو اس کا روحانی طور پر اثر کم ہوتا ہے کہ لوگ اس کی بات سے متاثر نہیں ہوتے۔

۲)...... اور دوسرا یہ کہ لوگ متنفر ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر آدمی کو اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے اور اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ خصوصاً ''داعی الی اللہ'' جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ

پہلے وہ اپنی اصلاح کرے۔

ٹی، وی دیکھنے کے بارے میں سوال :

ایک جگہ کسی نے سوال کیا کہ ہمارے امام صاحب ٹی، وی دیکھتے ہیں اور گفتگو میں فحش گوئی سے بھی کام لیتے ہیں ایسے آدمی کی امامت کا کیا حکم ہے؟۔

جواب :

میں نے کہا ٹی، وی دیکھنے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے اور فحش گوئی کرنے والے کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے۔ اور اگر ایسا آدمی سچے دل سے توبہ کرے تو اس کا گناہ بھی مٹ جائے گا اور کراہت بھی ختم ہو جائے گی ہر آدمی کو اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہیے۔ خصوصاً درس دینے والوں کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ میں سنا سنا کے بوڑھا ہو گیا ہوں اور تم سن، سن کے بوڑھے ہو گئے ہو اگر اثر نہ ہوا تو کچھ بھی نہ ہوا۔ فرمایا......

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ پس ان کے لئے اجر ہے ان کے رب کے پاس وَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ پہلے بھی بنی اسرائیل کے واقعات کا ذکر تھا آگے بھی انہی کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ..........

بنی اسرائیل نے وادیٔ سینائی میں پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ پہلے ہم فرعون کے غلام تھے اور اب ہم آزاد قوم ہیں۔ ہمارے لئے کوئی قانون اور دستور ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توراۃ عطا فرمائی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کے احکام تو بہت مشکل ہیں ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے

عہد لیا اس کا ذکر ہے فرمایا..........

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر طور پہاڑ کو، حکم ہوا خُذُوْا مَا اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ پکڑو اس چیز کو جو ہم نے تمہیں دی ہے یعنی توراۃ، قوت کے ساتھ وَّاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ اور یاد کرو جو اس میں ہے اور اس پر عمل بھی کرو۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم بچ جاؤ رب تعالیٰ کی گرفت سے اور آخرت کے عذاب سے۔

سوال :

اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین میں جبر نہیں ہے کوئی مانتا ہے، مانے نہیں مانتا نہ مانے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ دین میں زبردستی نہیں ہے اور ان سے جبراً توراۃ منوائی جا رہی ہے۔ طور پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر رکھ کر سائبان کی طرح کہ اگر نہیں مانو گے تو یہ پہاڑ تمہارے سروں پر گرا دیا جائے گا۔ چنانچہ قرآن میں ہے..........

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَھُمْ کَاَنَّہٗ ظُلَّۃٌ اور ہم نے پہاڑ اکھیڑ کر ان کے سروں پر معلق کر دیا گویا کہ سائبان ہے۔ اس طرح منوانا تو جبر ہے؟۔

جواب :

یہ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کی مد میں نہیں آتا کیونکہ ان کو جبراً اسلام میں داخل نہیں کیا جا رہا بلکہ وہ اسلام لا چکے ہیں۔ اور حالت اسلام میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کیا تھا کہ ہمیں کتاب دو ہم اس پر عمل کریں گے۔ مگر اس عہد پر وہ قائم نہ

رہے۔ چنانچہ چھٹے پارے میں آتا ہے.........

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ بوجہ ان کے عہد کو توڑنے کے ہم نے ان پر لعنت کی چونکہ انہوں نے عہد کو توڑا اس لئے ان کے ساتھ یہ کارروائی کی گئی۔ اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ.........

مرتد کی سزا :

''کسی کافر کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ اس کو کہا جائے کہ تو اسلام قبول کر، ورنہ تجھے قتل کر دیں گے۔ ہاں اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جائے تو اس کو ضابطے کے مطابق قتل کیا جائے گا۔ اور اب اس کو قتل اس لئے کیا جائے گا کہ اس نے اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ جو عہد کیا تھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کو توڑ دیا ہے۔ تو ان پر جبر عہد توڑنے کی وجہ سے ہوا۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ پھر، پھر گئے تم مِّنْ م بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد کہ تورات پر تم نے پورا عمل نہ کیا فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ پس اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر وَرَحْمَتُهٗ اور اس کی رحمت لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ البتہ تم ہو جاتے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی رحمت کا دامن پھیلائے رکھا، تمہیں صحت دی، رزق دیا، اولاد دی، مال اور دولت سے نوازا۔

بنی اسرائیل پر ہفتے والے دن شکار پر پابندی :

آگے بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تھا بحر قلزم کے کنارے ''ایلہ'' نامی ایک شہر آباد تھا جس کو آج کل ''ایلات'' کہتے ہیں۔

اور یہودیوں کی بندرگارہ ہے بحر قلزم میں مچھلیاں بہت تھیں۔ اوران کا پیشہ مچھلیوں کی تجارت تھا۔ مچھلیاں پکڑ کر کھاتے بھی اور دور دراز تک سپلائی بھی کرتے۔ ان پر ہفتے والے دن شکار کھیلنے پر پابندی تھی کہ باقی چھ دن مچھلیاں پکڑ سکتے ہیں اور ہفتے والے دن کے چوبیس گھنٹے ـــــ اس طرح سمجھو کہ جمعہ والے دن غروب آفتاب سے لے کر اگلے دن غروب آفتاب تک مچھلیاں پکڑنی جائز نہیں تھیں ـــــ اسلامی تاریخ غروب آفتاب کے ساتھ بدلتی ہے اور انگریزی تاریخ رات بارہ بج کر ایک منٹ پر بدلتی ہے۔

بہر حال ان پر ہفتے والے دن شکار کرنے پر پابندی تھی جس طرح ہمارے لئے جمعہ والے دن پہلی اذان سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک پابندی ہے کہ اس دوران ہر وہ کام جس کا تعلق نماز جمعہ سے نہ ہو حرام ہے جیسے سودا سلف خریدنا، بیچنا لکھنا، پڑھنا، کھانا، پینا سب حرام ہے۔

سوال :

اب سوال یہ ہے کہ کہیں اذان پہلے ہو جاتی ہے اور کہیں بعد میں ہوتی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟۔

جواب :

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے محلے کی اذان مراد ہوگی۔ جس محلے میں وہ رہتے ہیں اور اس مسجد کی اذان مراد ہوگی جس میں وہ جمعہ پڑھتے ہیں۔ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ..........

سوال :

نمازِ جمعہ کے ساتھ کن کاموں کا تعلق ہے؟۔

جواب :

اس کا جواب یہ ہے کہ اذان کے بعد وضوء کرسکتا ہے غسل کرسکتا ہے، مسواک کرسکتا ہے، خوشبو لگا سکتا ہے، خطیب، امام نے ہے تو جمعہ کے متعلق عنوان کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ حوالے دیکھ سکتا ہے۔ قرآن کریم کی کوئی آیت کریمہ دیکھنی ہے یا حدیث پاک دیکھنی ہے تو دیکھ سکتا ہے کیونکہ ان سب کا تعلق جمعہ کے ساتھ ہے اور جن چیزوں کا تعلق نماز کے ساتھ نہیں ہے اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ اذان اوّل سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک حرام ہیں۔

مگر اچھے بھلے لوگ خرید وفروخت کرتے رہتے ہیں اور حلال کو حرام کر کے کھاتے ہیں۔ پھر ہمارے لئے تو ڈیڑھ دو گھنٹوں کا وقت ہے اور ان کے لئے چوبیس گھنٹے تھے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سوا اور کوئی کام جائز نہیں تھا۔ وہاں کے لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔

شکار کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں تین گروہ :

۱)...... ایک گروہ نے ہفتے والے دن مچھلیوں کا شکار شروع کر دیا۔

۲)...... دوسرا گروہ، وہ تھا جنہوں نے ان کو ایک آدھ مرتبہ منع کیا جب دیکھا کہ یہ لوگ باز آنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

۳)...... تیسرا گروہ، وہ تھا جو آخر دم تک ان کوتاہی کرنے والوں کو سمجھاتا

رہا۔

پھر جو شکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مزید آزمائش کردی کہ ہفتے والے دن مچھلیاں باقی دنوں کی نسبت زیادہ ہوتی تھیں۔ یہ دیکھ کر برداشت نہیں کرتے تھے اور وہ حیلے بہانے کے ساتھ شکار کھیلتے تھے کہ بحر قلزم سے چھوٹے چھوٹے راجباہ نکالے اور ان کے ذریعہ پانی تالابوں کو لگاتے، جدھر پانی جاتا مچھلیاں بھی ساتھ جاتیں۔ پھر پیچھے سے پانی بند کردیتے اور پھر پورا ہفتہ پکڑتے رہتے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا حلیہ بگاڑ دیا۔

شکلوں کا مسخ ہو جانا :

جب ان سے کہا جاتا کہ یہ کام نہ کرو شریعت کی خلاف ورزی ہے تو کہتے کہ ہم ہفتے والے دن تو شکار نہیں کھیلتے۔ بھائی! شکار کسے کہتے ہیں؟۔ جب ایک چیز کی آزادی ختم ہوگئی تو وہ شکار ہوگئی۔ چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں چالاکی کی تو اللہ تعالیٰ نے نوجوانوں کو بندروں کی شکل میں مسخ کردیا اور بوڑھوں کو خنزیروں کی شکل میں بدل دیا کیونکہ وہ ان کو روکتے نہیں تھے۔ بندر اور خنزیر بننے کے بعد وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور روتے تھے مگر اب کیا ہوسکتا تھا؟۔

یہ تین دن تک زندہ رہے۔ تین دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ یہ جو آج بندر اور خنزیر موجود ہیں یہ ان لوگوں کی نسل نہیں ہے۔ یہ مستقل حیوانوں کی نسل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ اور البتہ تحقیق تم جانتے ہو الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ ان لوگوں کو جنہوں نے تجاوز کیا تم میں سے فِي السَّبْتِ ہفتے کے دن فَقُلْنَا لَهُمْ

پس کہا ہم نے ان کو كُونُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ہو جاؤ بندر ذلیل۔ یہاں پر ''بندروں'' کا ذکر ہے اور دوسرے مقام پر خنزیروں کا بھی ذکر ہے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا پس بنایا ہم نے اس واقعہ کو عبرت لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا ان لوگوں کے لئے جو اس سے پہلے تھے وَمَا خَلْفَهَا اور جو پیچھے آنے والے تھے۔ جس طرح آج کل کوئی واقعہ ہو تو وہ مشرق، مغرب والوں کے لئے شمال، جنوب والوں کے لئے عبرت ہوتا ہے۔

گانے بجانے کا وبال بصورت مسخ اشکال:

بخاری شریف، ترمذی شریف اور ابو داؤد شریف میں حدیث آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب میری امت میں بھی کچھ لوگ بندر اور خنزیر بنائے جائیں گے۔ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ حضرت! وہ کلمہ نہیں پڑھتے ہوں گے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ........

يُصَلُّوْنَ وَيَصُوْمُوْنَ وَيُحَجُّوْنَ. نماز بھی پڑھتے ہوں گے، روزے بھی رکھتے ہوں گے اور حج بھی کرتے ہوں گے مگر گانے بجانے کے بڑے دلدادہ ہوں گے۔ پہلے صرف ریڈیو ہوتا تھا اب ٹی، وی/وی، سی، آر/کیبل آگئے۔ نہ جانے اور کتنی چیزیں بنائی جائیں گی۔ جن کے ذریعے گانے بجانے کا شوق پورا کیا جائے گا؟۔

ایسے لوگ رات کو گانے بجانے کی مجلس میں بیٹھے ہوں گے انسانوں کی شکل میں اور صبح کو بندر اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ نہ نمازیں بچا سکیں گی، نہ روزے۔ تو ایسی نمازوں اور روزوں کا کیا فائدہ کہ برے کام نہ چھوڑیں۔

صرف نماز پڑھ کر خوش نہ ہوں۔ بلکہ ان کو بچانے کا بھی سوچیں۔ ان کو ضائع نہ کریں۔

اور مسئلہ یہ ہے کہ ٹی، وی/ وی، سی، آر دیکھنا حرام ہے اگر کوئی شخص ان کو حرام سمجھتے ہوئے دیکھتا ہے تو گنہگار ہے اور اگر ان کو حلال سمجھ کر دیکھے گا تو اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا بڑا سخت گناہ ہے۔ مغربی قوموں نے ماحول ایسا بنا دیا ہے کہ ہم ان چیزوں کو گناہ سمجھتے ہی نہیں۔

حفاظت اعمال :

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو نہیں دیکھتے مگر اولاد کے مجبور کرنے پر ان کو لا کر دیا ہے۔ تو اس طرح تم معذور تو نہیں ہو سکتے۔ (حاشا و کلا)۔ کیونکہ تم گھر کے سربراہ ہو اور با اختیار ہو۔ کیوں لا کر دیا ہے؟۔ اکڑ جاؤ، انکار کر دو۔ تم نے جب خود لا کر دیا ہے تم گناہ میں شریک ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری زبانوں اور نگاہوں کی حفاظت فرمائے۔

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ اور (یہ واقعہ) نصیحت ہے پرہیز گاروں کے لئے۔ لیکن ایسے واقعات سے نصیحت اور عبرت وہی حاصل کرتا ہے کہ جس میں انسانیت کا مادہ ہو۔ رب تعالیٰ ہمیں انسان بنائے اور گناہوں سے ہماری حفاظت فرمائے اور خود بھی نماز، روزہ، حج، عمرہ، کلمہ کو بچاؤ اور ٹی، وی دیکھ کر سب کچھ برباد نہ کرو۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ
تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ
ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا
بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ
الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا
ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ
مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

لفظی ترجمہ :

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً کہ تم ایک گائے ذبح کرو قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا کہنے لگے کیا بناتا ہے تو ہمیں ٹھٹھہ کیا ہوا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ فرمایا میں پناہ میں آتا ہوں اللہ تعالیٰ کی اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ اس بات سے کہ ہو جاؤں میں جاہلوں سے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ کہنے لگے دعا کر اپنے پروردگار سے ہمارے لئے یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ بیان کرے وہ ہمارے لئے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ فرمایا (موسیٰ علیہ السلام نے) بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهَا بَقَرَةٌ بے شک وہ گائے لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ نہ بوڑھی ہو اور نہ بالکل نو عمر ہو عَوَانٌۢ بَیْنَ ذٰلِكَ اس کے درمیان میں ہو فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ پس کرو تم جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ کہنے لگے دعا کر ہمارے لئے اپنے پروردگار سے یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا بیان کرے ہمارے لئے اس گائے کا رنگ کیا ہے؟ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ فرمایا بے شک وہ کہتا ہے اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ بے شک وہ گائے ہے زرد رنگ کی فَاقِعٌ لَّوْنُهَا خالص ہے

رنگ اس کا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ کہنے لگے دعا کر ہمارے لئے اپنے پروردگار سے یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ بیان کرے ہمارے لئے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا بے شک گائے مشتبہ ہوگئی ہے ہم پر وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اور بے شک ہم اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو لَمُهْتَدُوْنَ ہدایت پانے والے ہوں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ بے شک وہ گائے ایسی ہو جو نہ تابع کی ہوئی ہو تُثِیْرُ الْاَرْضَ کہ اس نے ہل چلایا ہو زمین میں وَ لَا تَسْقِی الْحَرْثَ اور نہ اس نے پانی پلایا ہو کھیتی کو مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا ان چیزوں سے محفوظ ہو اس میں داغ نہ ہو قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ کہنے لگے اب لایا ہے تو حق فَذَبَحُوْهَا پس انہوں نے گائے کو ذبح کیا وَ مَا كَادُوْا یَفْعَلُوْنَ اور وہ ایسا کرنے کے قریب نہیں تھے۔

ربط :

بنی اسرائیلیوں کی کوتاہیاں ان کے عیب اور ان کے جرائم کا ذکر اوپر چلا آرہا ہے۔

بنی اسرائیل میں واقعۂ قتل :

یہ واقعہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا۔ایک شخص تھا جس کا نام تھا عامیل بروزن قابیل۔ یہ بڑا مالدار آدمی تھا اور ایک روایت کے مطابق تھا بھی لاولد یعنی بے اولاد تھا۔

ایک تفسیری روایت میں آتا ہے کہ اس کے چچا زاد بھائی بڑے غریب تھے انہوں نے اس کو کہا کہ ہم بھوکے رہتے ہیں اور تیرے بھائی ہیں تیرے پاس اتنا مال ہے اور کھانے والا بھی کوئی نہیں ہے۔لہٰذا ہماری امداد کر لوگ کہتے ہیں اور عموماً دیکھنے میں بھی ایسا ہی آیا ہے کہ لاولد آدمی بڑا بخیل ہوتا ہے۔ کہنے لگا مجھ سے کیوں مانگتے ہو؟ کماؤ اور کھاؤ۔

انہوں نے کہا کہ ہم فارغ تو نہیں رہتے۔ مگر ہماری قسمت کہ کبھی کام مل جاتا ہے اور کبھی نہیں ملتا۔اور جو ملتا ہے اس سے ہماری ضروریات پوری نہیں ہوتیں اور تیرے پاس اتنی دولت ہے جو شمار میں بھی نہیں آتی۔ اس سے ہماری مدد کر مگر اس نے کوئی بات نہ سنی۔تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارے سوا اس کا کوئی اور وارث تو ہے نہیں ہم اس کے چچا زاد ہی وارث ہیں لہٰذا اس کو راستہ سے ہٹاؤ، اس سے جان چھڑاؤ اور مال پر قبضہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا قتل کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ ہمارے چچا زاد کو کسی نے قتل کر دیا ہے اس کی تحقیق کرو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ان کا چچا تھا۔اور یہ اس کے بھتیجے تھے۔ بہر حال ان کا خیال تھا کہ موقع کا گواہ تو ہے کوئی نہیں کیونکہ ہمیں قتل کرتے ہوئے کسی نے

دیکھا نہیں ہے۔اور ضابطہ یہ ہے کہ اَلْبَیِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو منکر پر قسم آتی ہے۔اور ہم خود مدعی ہم پر تو کسی نے شبہ کرنا نہیں اور ہم نے بھی کسی پر شبہے کا اظہار نہیں کرنا اور اگر ہمیں قسم کا کہا گیا تو قسم اٹھانی کون سی مشکل ہے؟۔اٹھالیں گے اس طرح معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔اور اس کا مال ہم سمیٹ لیں گے مگر ان کا خیال باطل ثابت ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سن لو اس کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

قاتلوں کی حیلہ سازی :

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے۔قوم سے مراد وہ آدمی ہیں جو قتل کر کے خود مدعی بن گئے تھے ان کو کہا..........

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔عربی زبان میں ''بقرہ'' گائے کو بھی کہتے ہیں اور بیل کو بھی۔اس لئے بعض مفسرین نے بیل کا ترجمہ کیا ہے جیسے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے کیونکہ آگے ہل چلانے کا ذکر آرہا ہے کنویں پر جوتنے کا ذکر آرہا ہے۔اور عموماً یہ کام بیل سے لئے جاتے ہیں اور بعض علاقوں میں یہ کام گائے سے بھی لیتے ہیں اس لئے دونوں ترجمے صحیح ہیں۔بہرحال جب موسیٰ علیہ السلام نے گائے یا بیل کے ذبح کرنے کا فرمایا تو..........

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا کہنے لگے کیا بناتا ہے تو ہمیں ٹھٹھہ کیا ہوا۔ہمارے ساتھ مسخرہ کرتے ہو کہ ایک تو ہمارے گھر آدمی مرا پڑا ہے اور دوسرا ہمیں کہتے ہو کہ

گائے ذبح کرو۔

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں پناہ میں آتا ہوں اللہ تعالیٰ کی اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ اس بات سے کہ ہو جاؤں میں جاہلوں میں سے۔ کیوں محض مسخرہ اور مذاق جاہلوں کا کام ہے۔ ہاں اگر ظرافت کے طور پر ہو اور اس میں خلاف واقعہ بھی کوئی بات نہ ہو تو اسکا مسئلہ جدا ہے۔ یعنی ایسا مذاق جائز ہے۔ لیکن اگر خلاف واقعہ ہو اور دوسرے کی دل آزادی مقصود ہو تو گناہ ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایسا مذاق جھگڑے کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور نوبت قتل تک جا پہنچتی ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جاہلوں میں سے نہیں ہوں کہ تمہارے ساتھ مذاق کروں۔

لہٰذا تم اس گائے کو ذبح کرو اور اس کے بعض حصے کو میت کے بدن پر مارو بس وہ زندہ ہو کر تمہیں بتا دے گا کہ میرا قاتل کون ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ گائے کا کون سا حصہ میت کے ساتھ لگایا گیا..........

☆.......... بعض نے کہا ہے کہ ''زبان'' تھی۔

☆.......... بعض نے کہا ہے کہ ''دل'' تھا۔

☆.......... بعض نے کہا ہے کہ ''جگر'' تھا۔

☆.......... اور بعض نے ''دُم'' لکھی ہے۔

بہر حال اس حصے کی تعیین کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے۔ کیونکہ بِبَعْضِهَا کے لفظ ہیں۔ چونکہ ان کے دل صاف نہیں تھے کج بحثی میں پڑ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح معاملہ ٹل جائے گا۔

18

بلاضرورت سوالات :

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ کہنے لگے دعا کر اپنے پروردگار سے ہمارے لئے يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ بیان کرے وہ ہمارے لئے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ فرمایا (موسیٰ علیہ السلام نے) بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهَا بَقَرَةٌ بے شک وہ گائے لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ نہ بوڑھی ہو اور نہ بالکل نوعمر ہو عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ اس کے درمیان میں ہو۔

ادھیڑ عمر کی حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو کفایت کر جاتی مگر فَلَمَّا شَدَّدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ شَدَّدَ اللّٰهُ پس انہوں نے جب اپنی جانوں پر سختی سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سخت پابندی لگادی جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ حکم ہوا............

فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ پس کرو تم جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ کہنے لگے دعا کر ہمارے لئے اپنے پروردگار سے يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا بیان کر ہمارے لئے اس گائے کا رنگ کیا ہے؟ تاکہ ہم تعیین کرسکیں قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ فرمایا بے شک وہ کہتا ہے اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ بے شک وہ گائے ہے زرد رنگ کی فَاقِعٌ لَّوْنُهَا خالص ہے رنگ اس کا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ خوش کرتی ہے وہ گائے دیکھنے والوں کو۔ بڑی صحت منداور خوبصورت ہے۔

نظر کا لگ جانا حق ہے :

جس طرح انسانوں میں خوبصورت ہوتے ہیں اسی طرح جانوروں میں بھی خوبصورت ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے نظر بھی لگ جاتی ہے نظر کا لگ جانا بھی حق ہے۔

18/18

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اَلْعَیْنُ حَقٌّ نظر کا لگ جانا حق ہے۔نظر لگنے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جب کسی شیٔ کی صحت اور خوبصورتی پر تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ اتنی صحت مند ہے، اتنی خوبصورت ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس میں عیب پیدا کر دیتے ہیں۔کہ اس کا کمال بھی میرے اختیار اور اس کا زوال بھی میرے اختیار میں ہے۔ اس میں بندے کا کوئی دخل اور اختیار نہیں ہے۔سوائے تعجب کے اظہار کرنے کے۔

حدیث پاک میں آتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر کا دم ہے مَاشَآءَ اللّٰہُ لَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اگر کسی کو شبہ ہو کہ میری نظر لگ گئی ہے تو وہ پڑھے اور جس کو نظر لگ گئی ہے پڑھ کر اس کو دم کرے۔باقی دم میں اثر اللہ تعالیٰ نے رکھنا ہے۔اور عموماً بغیر محنت اور مشقت کے تعویذات اور دم کا اثر کم ہوتا ہے۔ہاں آدمی نماز، روزے کا پابند ہو اور تین روزے نفلی رکھے مسلسل پھر دم کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دم میں اثر رکھے گا اور دم اس لئے کہ اس کا بھی لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا بھی نیکی ہے۔مگر کوئی عمل اور تعویذ اور اس کا طریقہ کار شرع کے خلاف نہ ہو۔بہرحال جب ان کو رنگ بتایا گیا تو............

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ کہنے لگے دعا کر ہمارے لئے اپنے پروردگار سے یُبَیِّنْ لَّنَا مَا ھِیَ بیان کرے ہمارے لئے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَہَ عَلَیْنَا بے شک گائے مشتبہ ہوگئی ہے ہم پر۔کہ زرد رنگ کی بھی گائیں بہت ہیں اور ادھیڑ عمر کی بھی بہت ہیں اور وضاحت فرماویں............

وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ لَمُھْتَدُوْنَ اور بے شک ہم اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو

ہدایت پانے والے ہوں گے قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّاذَلُوْلٌ بے شک وہ گائے ایسی ہو جو نہ تابع کی ہوئی ہو عمل میں تُثِیْرُ الْاَرْضَ کہ اس نے ہل چلایا ہو زمین میں وَ لَاتَسْقِی الْحَرْثَ اور نہ اس نے پانی پلایا ہو کھیتی کو۔ یعنی وہ کنویں پر نہ جوتی گئی ہو۔

گائے ذبح کرنے کا حکم :

ان دو لفظوں کی وجہ سے کہ اس نے نہ ہل چلایا ہو اور نہ اس کے ذریعے کھیتی کو سیراب کیا گیا ہو۔ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ''بقرہ'' کا ترجمہ ''بیل'' سے کرتے ہیں۔ کہ عموماً یہ دونوں کام بیل سے لئے جاتے ہیں۔ اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ ''بقرہ'' کا اطلاق گائے، بیل دونوں پر کیا جاتا ہے۔

اور کیمل پور (موجودہ اٹک) کے علاقہ میں بعض لوگ گائے کے ذریعہ بھی ہل چلاتے ہیں کہ ان کی تھوڑی تھوڑی زمینیں ہوتی ہیں۔ اور بیل بہت مہنگے ہیں اس لئے وہ لوگ گائے سے دودھ بھی حاصل کرتے ہیں۔ اور ہل بھی چلاتے ہیں اور بعض دفعہ کنویں پر بھی جوت لیتے ہیں۔ تو فرمایا کہ نہ تو اس کے ذریعے ہل چلایا گیا ہو اور نہ کنویں پر جوتی گئی ہو۔

مُسَلَّمَۃٌ لَّاشِیَۃَ فِیْھَا ان چیزوں سے محفوظ ہو اس میں داغ نہ ہو۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایسی گائے تلاش کی وہ ایک نوجوان کے پاس تھی۔ جو اَلْبَارُّ بِاُمِّہٖ اپنی والدہ کی بڑی خدمت کرنے والا تھا۔ اور اس کا باپ فوت ہو گیا تھا کہتے ہیں کہ اس زمانے میں عموماً گائے بیل کی قیمت تین دینار ہوتی تھی۔ مگر اس نوجوان سے بات کی گئی کہ ہمیں اس گائے کی ضرورت ہے تو اس

نے کہا کہ میرے پاس صرف گائے ہی ہے میں یہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوں جب انہوں نے مجبور کیا تو نوجوان نے کہا کہ اس قیمت پر دیتا ہوں کہ اس کو ذبح کر کے چمڑا اتار کر چمڑے میں جتنا سونا آئے مجھے دے دو اور یہ لے لو وہ مجبور تھے انہوں نے گائے لے لی اور اس کا چمڑا سونے سے بھر کر اس کو دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اخراجات کا انتظام کر دیا اور ان کا بھی کام چل گیا۔

چیز مہنگی بیچنے کا شرعی حکم :

اگر کوئی آدمی اپنی ذاتی چیز کو مہنگا بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے بشرطیکہ حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو۔ مثال کے طور پر یہ میرا کمبل ہے اس کی قیمت تو دوسو روپیہ ہے۔ اگر کوئی میرے سے خریدنا چاہے اور میں کہوں کہ دوسو کا نہیں دوں گا اڑھائی سو کا دوں گا اگر لینے والا راضی ہے تو لے، لے یہ جائز ہے۔

ہاں! یہ بات بھی ذہن میں بٹھالیں کہ ایک چیز کی جو قیمت منڈی میں ہے اس کے مطابق چلنا چاہیے۔ یعنی منڈی کی قیمت سے ملتی جلتی قیمت لینی چاہیے۔ منڈی کے بھاؤ سے نکلنا بری بات ہے۔ یہ اصول ہے اگر حکومت نے ایک چیز کا بھاؤ مقرر کر دیا ہے۔ تو پھر بات جدا ہے۔ اور اسلامی حکومت کے احکامات سے اعراض کرنا منع ہے۔ آج کل کی حکومتوں کے حکم سے نکلنا اگرچہ حرام تو نہیں مگر قانون کی مخالفت کرنا بری بات ہے۔ اور لوگوں کو لوٹنا شروع کر دے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ کہنے لگے اب لایا تو اے موسیٰ (علیہ السلام) حق۔ ان کا اپنے پیغمبر کو طرزِ خطاب دیکھو کیا انہوں نے جو کچھ پہلے فرمایا تھا وہ حق نہیں تھا وہ بھی حق تھا اور اس وقت وہ جو بھی گائے ذبح کر دیتے کفایت ہو جاتی۔

مسئلہ :

آدمی عبادت میں اپنے اوپر تشدد نہ کرے فرض تو رب تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں ان میں تو کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور نفلی عبادت آسانی کے ساتھ جتنی ہوسکے اتنی کرے۔ مثلاً نفل ہیں یا قرآن کریم کی تلاوت ہے اتنی کرے جتنا نفس برداشت کرتا۔ تھوڑی کرے روزانہ یہ بہتر ہے اس سے کہ ایک دن بہت زیادہ کرے اور دوسرے دن بالکل نہ کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَدْوَمُھَا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل زیادہ پسند تھا جو ہمیشہ ہوتا رہے بے شک تھوڑا ہو۔

فَذَبَحُوْھَا پس انہوں نے گائے کو ذبح کیا وَ مَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ اور وہ ایسا کرنے کے قریب نہیں تھے۔ کیونکہ ان کا مقصد تو یہ تھا کہ بات آئی گئی ہوجائے اور قتل ہم پر نہ پڑے۔ چنانچہ گائے کا ایک حصہ جب مقتول کو مارا گیا اس نے اٹھ کر بتا دیا کہ میرے قاتل یہی ہیں۔ تو ان کو قصاص میں قتل کردیا گیا۔ اور وراثت سے محروم ہوگئے۔

قاتل وراثت سے محروم ہوجاتا ہے :

قاتل وراثت سے محروم ہوجاتا ہے۔ مثلاً کسی آدمی نے باپ کو قتل کردیا یا بھائی کو قتل کردیا تو ان کو وراثت نہیں ملے گی۔ شریعت نے اس صورت میں قاتل کو وراثت

سے محروم رکھا ہے۔ آج کل تم اخبارات میں پڑھتے رہتے ہو کہ زمین کی وجہ سے باپ کو قتل کر دیا یا بھائی کو قتل کر دیا۔ از روئے شرع یہ ان کے وارث نہیں بن سکتے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ج صلے وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

لفظی ترجمہ :

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا اور جب تم نے قتل کیا ایک نفس کو فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا پس اس قتل کو تم ایک دوسرے پر ڈالنے لگے وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ جس کو تم چھپاتے ہو

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا پس کہا ہم نے مارو اس مردہ کو گائے کے بعض حصے کے ساتھ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى اسی طرح زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ مردوں کو وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ اور دکھاتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم سمجھ جاؤ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ پھر سخت ہو گئے دل تمہارے مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ پس وہ دل پتھروں کی طرح ہیں اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ اور بے

شک بعض پتھروں میں سے لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ البتہ وہ ہیں جن سے پھوٹتی ہیں نہریں

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ اور بے شک ان پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں البتہ جو پھٹ جاتے ہیں فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ پس نکلتا ہے اس پتھر سے پانی وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ اور بے شک ان پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں جو گر پڑتے ہیں مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے خوف سے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ غافل اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو

اَفَتَطْمَعُوْنَ کیا تم طمع رکھتے ہو اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ کہ وہ تمہاری تصدیق کریں گے وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اور تحقیق تھا ایک گروہ ان میں سے يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ سنتا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ پھر وہ اس کو بدل دیتا تھا مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ بعد اس کے کہ اس کو انہوں نے سمجھ لیا تھا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور وہ جانتے بھی تھے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جب وہ ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے قَالُوْٓا اٰمَنَّا کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ اور جب الگ ہوتے ہیں ان میں سے بعض بعض کے پاس قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ کہتے ہیں کیا تم بیان کرتے ہو ان کے سامنے

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وہ چیز جو ظاہر کی اللہ تعالیٰ نے تم پر لِيُحَاجُّوكُمْ بِهٖ تاکہ وہ جھگڑا کریں اس کے ذریعے عِنْدَ رَبِّكُمْ تمہارے رب کے ہاں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم عقل نہیں رکھتے

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ کیا وہ نہیں جانتے اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے مَا يُسِرُّوْنَ جس چیز کو وہ چھپاتے ہیں وَمَا يُعْلِنُوْنَ اور جس چیز کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

ربط :

گزشتہ رکوع میں آپ نے پڑھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کچھ لوگوں کو اپنے عزیز چچا یا چچا زاد بھائی کو قتل کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے کہ ہمارے چچا کو کسی نے قتل کر دیا ہے ہمیں معلوم نہیں کہ کس نے قتل کیا ہے؟۔ لہٰذا آپ تحقیق کریں کہ قاتل کون ہے؟۔ اور مقصد ان کا یہ تھا کہ بات آئی گئی ہو جائے اسی لئے گائے کے متعلق کج بحثی میں پڑ گئے تھے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے..........

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا اور جب تم نے قتل کیا ایک نفس کو۔ قتل ناحق بڑے گناہوں میں سے ایک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ کتنا بڑا جرم ہے حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا..........

لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّؤْمِنٍ ساری دنیا کا تباہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں آسان ہے بنسبت ایک مومن آدمی کے ناحق قتل ہونے سے جو اللہ اللہ کرتا تھا۔ اب تو قتل کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہی اور آدمی کسی جگہ

بھی محفوظ نہیں ہے۔ نہ گھر میں نہ سکول میں نہ کالج میں بلکہ ہسپتال میں قتل کر جاتے ہیں۔ اور جوں جوں قیامت قریب آئے گی یہی کچھ ہوگا۔ مسجدوں اور مدرسوں میں قتل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ مسجد سے بڑی امن والی جگہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور مسجد ایسی جگہ ہے کہ جہاں دشمن سے بھی تعرض نہیں کیا جاتا۔

نجران کے عیسائی مدینۃ النبی ﷺ میں :

چنانچہ ۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم غریب آدمی ہیں ہمارے پاس ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں ساٹھ/۶۰ آدمیوں کو اکٹھا ٹھہرا سکیں۔ مختلف ساتھیوں پر دو، دو تین، تین آدمی تقسیم کر دیتے ہیں۔ ان کے بڑوں نے کہا کہ نہیں ہم تو اکٹھے رہیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان تبلیغ کرنے والی قوم ہے کہیں ہمارے ساتھیوں کو ورغلا کر مسلمان نہ بنا ڈالیں۔

لہٰذا یہ بھیڑیں ہمارے ساتھ ہی رہیں تو بہتر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر اکٹھے تو مسجد میں رہ سکتے ہیں۔ اور تو کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ساٹھ آدمیوں کو اکٹھا ٹھہرا سکیں۔ کہنے لگے ہم مسجد میں ہی رہیں گے۔ مگر ہم نے اپنی طرز پر نمازیں بھی پڑھنی ہیں، فرمایا پڑھتے رہو۔

بعض صحابہ آئے جن کو حقیقت حال سے آگاہی نہیں تھی انہوں نے جب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے کہا یہ کیا کرتے ہو؟ ان کے افعال پر اعتراض کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کرنے دو جو کچھ کرتے ہیں۔ ان کا مذہب ہے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کے

سامنے مسجد نبوی (زَادَاللّٰهُ تَعَالٰی شَرَفًا وَّ کَرَامَةً) میں اپنے مذہب کے مطابق شمال کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا۔ کتنا حوصلہ اور بردباری ہے مگر آج مسجدیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا اور جب تم نے قتل کیا ایک نفس کو فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا پس اس قتل کو تم ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔ ایک نے کہا اس نے قتل کیا ہے دوسرے نے کہا اس نے قتل کیا ہے۔ اس کو عربی میں "تدارء" کہتے ہیں وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ جس کو تم چھپاتے تھے۔ قاتلوں کا ارادہ تھا کہ قتل ظاہر نہ ہو اور ہم پکڑے نہ جائیں۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا پس کہا ہم نے مارو اس مردہ کو گائے کے بعض حصے کے ساتھ۔ یہ کون سا حصہ تھا؟ تفسیروں میں زبان، دل، جگر، اور دم کا ذکر بھی آتا ہے۔ بہرحال وہ حصہ ساتھ لگانے کے ساتھ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا جس طرح بٹن دبانے سے بلب جل جاتا ہے۔ مخلوق خدا جمع تھی اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے؟۔ اس نے بتایا کہ میرے قاتل فلاں، فلاں ہیں۔ چنانچہ ان قاتلوں کو قصاص میں قتل کیا گیا اور وراثت سے محروم ہو گئے۔

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى اسی طرح زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ مردوں کو جس طرح اس کو زندہ کیا ہے مرنے کے بعد۔ اور یہ 'احیاء' موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا واقعہ ہے۔ ستر آدمیوں کو موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر لے گئے ان کو مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ اور دکھاتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم سمجھ جاؤ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ پھر سخت ہو گئے دل تمہارے مِّنْ م بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد کہ کتنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ چکے تھے۔ مثلاً من، سلویٰ کا نازل ہونا، بادلوں کا سایہ، پتھر سے چشموں کا جاری ہونا، دریا میں (فرعونیوں کا) غرق ہو جانا اور مردوں کا زندہ ہونا اتنی نشانیاں دیکھنے کے باوجود ان کے دل نرم ہونے کی بجائے سخت ہو گئے۔ کیسے سخت ہوئے؟۔

فرمایا......

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ پس وہ دل پتھروں کی طرح ہیں اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ مثلاً پتھر سے لوہا زیادہ سخت ہے۔ اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو گھستی نہیں ہیں۔ جیسے کہ ہیرا، کہ ٹوٹ جائے گا مگر گھسے گا نہیں۔ لوہا، تانبا، سونا، گھس جاتے ہیں۔ ہیرا چونکہ گھستا نہیں ہے۔ اس لئے بعض گھڑیوں کی جولیں ہیرے کی ہوتی ہیں۔

سوال :

اب سوال یہ ہے کہ ہیرے کو آدمی استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟۔

جواب :

ہیرے کو آدمی استعمال کر سکتا ہے اور مرد کے لئے چار ماشے چاندی کی انگوٹھی جائز ہے۔ زیور کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ زیور کے علاوہ چاندی کا استعمال جائز نہیں ہے۔ مثلاً گھڑی یا گھڑی کا چین یا جیبی گھڑی کی زنجیر یا بازو اور گلے کی زنجیر یہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔ اور سونا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ سونے چاندی کا دانت لگوا سکتا ہے۔ اگر ناک کٹوا بیٹھے تو وہ بھی سونے چاندی کی لگوا

سکتا ہے۔

سونے کا دانت اور ناک :

چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لڑائی کے دوران ایک شخص کی دشمنوں نے ناک کاٹ دی اب وہ بڑا برا لگتا تھا تو اس نے چاندی کی ناک بنوا کر لگوائی۔ کہ چلو اصلی کی جگہ مصنوعی ہی سہی کچھ نظر تو آئے گا چند دنوں کے بعد اس سے بو آنی شروع ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت میں نے چاندی کی ناک لگوائی تھی مگر اس سے بو آنے لگ گئی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کی لگوا لے۔ اور سونے کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے بو نہیں آتی۔ اور عورتوں کو اجازت ہے کہ وہ سونا چاندی زیور کے طور پر استعمال کر سکتی ہیں۔ البتہ زیور کے علاوہ کسی اور شکل میں استعمال نہیں کر سکتیں۔

مثلاً سونے چاندی کا ''سرمچو'' استعمال نہیں کر سکتیں، سونے چاندی کے برتنوں میں عورت کھا پی بھی نہیں سکتی۔ ''کروشیا'' جس سے عورتیں کڑھائی کرتی ہیں وہ بھی سونے چاندی کا جائز نہیں ہے۔ صرف زیور کی حد تک اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حدیں مقرر فرمائی ہیں ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ تو فرمایا کہ ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہوگئے ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ کیونکہ..........

پتھر میں خشیت الٰہی :

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ اور بے شک بعض پتھروں میں سے لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ البتہ وہ ہیں جن سے پھوٹتی ہیں نہریں۔ دنیا میں بہت سارے ایسے مقامات ہیں جہاں پتھروں سے چشمے بہہ رہے ہیں۔ اور اتنی مقدار میں کہ آگے ان

سے نہریں دریا بن جاتے ہیں۔ یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی ماری تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ اور بے شک ان پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں البتہ جو پھٹ جاتے ہیں فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ پس نکلتا ہے اس پتھر سے پانی تھوڑی مقدار میں وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ اور بے شک ان پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں جو گر پڑتے ہیں مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے خوف سے۔

پہاڑوں میں کئی دفعہ دیکھنے میں آیا ہے کہ پتھر خود بخود گر پڑتے ہیں بظاہر ان کو گرانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ وہ رب تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا خوف ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح کرتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے..........

ہر چیز کا حمد الٰہی بیان کرنا :

وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح کرتی ہے درخت، ان کے پتے، ریت کے ذرات، پانی کا ایک ایک قطرہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے۔ وَلٰكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ اور لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ کوئی زبان حال سے اور کوئی زبان قال سے اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

حجر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تاج نبوت پہنائے جانے سے پہلے مکہ مکرمہ میں ایک پتھر کے پاس سے گزرے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتا تھا اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں یہ شعور رکھا تھا کہ وہ آپ کو پہچانتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ

تعالیٰ کے رسول ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے پتھر بیان فرمائے ہیں.........

☆...... ایک وہ ہیں کہ ان سے نہریں جاری ہوتی ہیں۔

☆...... دوسرے وہ ہیں کہ ان سے تھوڑی مقدار میں پانی نکلتا ہے۔

☆...... تیسرے وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں۔

اسی طرح بعض دل ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی معرفت اور اپنے احکامات کو دور دور تک پہنچاتا ہے اور بعض دل ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں علم تھوڑی مقدار میں ہوتا ہے۔ لیکن جتنا بھی ہوتا ہے اس سے وہ فائدہ پہنچاتے ہیں اور کچھ دل ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نافرمانی کے بلند مقام سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ یعنی ان کی اپنی اصلاح ہوتی ہے اگرچہ دوسروں کو فائدہ نہ پہنچا سکیں۔ مگر ان کے دل ایسے سخت ہیں کہ نہ تو دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نافرمانی کی بلڈنگ سے نیچے گرتے ہیں۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ غافل اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو۔ تمہاری نیکی بدی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔
یہاں تک یہودیوں کی خرابی کا ذکر تھا آگے اللہ تعالیٰ مومنوں کو خطاب فرماتے ہیں اَفَتَطْمَعُوْنَ کیا تم طمع رکھتے ہو اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ اس بات کا کہ وہ تمہاری تصدیق کریں گے۔ جبکہ ان کے بڑے اتنی نشانیاں دیکھ کر بھی راہِ راست پر نہ آئے۔

حکم الٰہی میں تحریف :

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اور تحقیق تھا ایک گروہ ان میں سے يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ سنتا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ پھر وہ اس کو بدل دیتا تھا

مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ بعداس کے کہ اس کوانہوں نے سمجھ لیا تھا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور وہ جانتے بھی تھے۔انہوں نے کس طرح بدلا؟۔اس کی مختلف تفسیریں ہیں............

۱)...... اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ توراۃ ان کی زبان میں تھی اس کو پڑھا اور سمجھا مگراس کی تفسیر اپنی مرضی سے کرتے اوراپنی خواہشات کوتوراۃ سے ثابت کرتے تھے۔جس طرح آج کل اہلِ بدعت حضرات کرتے ہیں کہ قرآنی آیات کی غلط تشریح کر کے ان سے اپنا عقیدہ اور عمل ثابت کرتے ہیں۔تو اس طرح وہ تحریف کرتے تھے۔

۲)...... تحریف اور بدلنے کی دوسری تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب توراۃ اپنی برادری کو لادی اورانہیں پڑھ کرسنائی تو انہوں نے کہا کہ یہ تو بہت مشکل کتاب ہے۔ہم تو اس پر عمل نہیں کر سکتے اور یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے دی ہے یا آپ خود لکھ کر لائے ہیں۔تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی برادری کے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا کہ تم میرے ساتھ کوہِ طور پر چلو تا کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں خود آواز دے کر کہیں گے کہ یہ میری کتاب ہے۔

جب یہ آدمی کوہِ طور پر گئے تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ میری کتاب ہے اور تمہیں مشکل اس سے لئے نظر آرہی ہے کہ تم نے آزاد زندگی گزاری ہے اوراب پابندیاں لگی ہیں جب تم اس پر عمل کرو گے مشکل نہیں رہے گی۔اوراس کے باوجود اگر بشری تقاضے سے کوئی غلطی ہوئی تو میں معاف کردوں گا۔لیکن یہ لوگ جب واپس قوم کے

پاس آئے تو کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ کتاب میری ہے اگر تم اس پر عمل نہیں بھی کرو گے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ اب دیکھو کتنا بڑا فرق ہے اس طرح کلام اللہ کو سن کر بدل ڈالا۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور جب وہ ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے قَالُوْآ اٰمَنَّا کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ اور جب الگ ہوتے ہیں ان میں سے بعض، بعض کے پاس۔ یعنی چھوٹے جاتے ہیں اپنے رئیسوں اور مذہبی سرداروں کے پاس اور وہ ان کی بے عزتی کرتے ہیں اور......

قَالُوْآ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ کہتے ہیں کیا تم بیان کرتے ہو ان کے سامنے بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ وہ چیز جو ظاہر کی اللہ تعالیٰ نے تم پر کہ اسلام سچا مذہب ہے اور ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ کیونکہ اس کی سچائی کا پہلی کتابوں میں ذکر ہے تو یہ لوگ تمہارے اس اقرار کو قیامت والے دن تمہارے خلاف حجت کے طور پر پیش کریں گے۔

لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ تاکہ وہ جھگڑا کریں اس کے ذریعے تمہارے رب کے ہاں۔ اے نادانو! ان کے سامنے ایسی باتیں نہ کہا کرو اور اٰمَنَّا بھی نہ کہا کرو۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ کہ دشمن کے سامنے اقرار کرتے ہو کہ اسلام سچا مذہب ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ کیا وہ نہیں جانتے کہ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے مَا یُسِرُّوْنَ جس چیز کو وہ چھپاتے ہیں وَمَا یُعْلِنُوْنَ اور

جس چیز کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ انسانوں سے تو چھپا سکتے ہیں مگر اس ذات سے کس طرح چھپا سکتے ہیں جو ظاہر باطن کو جانتی ہے اور رب تعالیٰ کو معلوم نہیں ہے کہ میں نے آخری پیغمبر ﷺ کی صداقت اور اسلام کی صداقت ان کو بتائی ہے اور ان کی کتابوں میں ان کی صداقت کی نشانیاں ذکر کی ہیں۔ تو یہ اگر آج ان کو ظاہر نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں............

یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ یہ آخری پیغمبر کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہودیوں کے بڑے عالم تھے جب وہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے اس بات کا اقرار کیا اور کہا کہ ہم آنحضرت ﷺ کو شکل وصورت اور نشانیوں سے اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہیں۔

ابوجہل اور نبی اکرم ﷺ کا معجزہ :

"خصائص الکبریٰ" امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے معجزات احادیث اور تاریخ کے حوالے سے بیان فرمائے ہیں اس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ............

"ابوجہل جس کا نام عمرو بن ہشام تھا اور بڑا سخت اور تلخ مزاج کا آدمی تھا اپنے ہاتھ میں موٹے موٹے کنکر پکڑ کر لایا۔ آنحضرت ﷺ اپنے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہنے لگا کہ ان کو وعظ تبلیغ بعد میں کرنا پہلے میرے ساتھ بات کرو۔ وہ یہ کہ تو جو نبی ہونے کا دعویدار ہے اور آسمانوں کی خبریں دیتا ہے زمین کی

باتیں بیان کرتا ہے، جنت و دوزخ کے حالات بیان کرتا ہے۔ بتا میری مٹھی میں کیا چیز ہے؟۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چچا جی اگر یہ مٹھی والی چیز خود بول کر بتادے تو پھر ٹھیک ہے؟۔ کہنے لگا پھر تو بڑی بات ہے۔ چنانچہ ان کنکریوں نے پڑھنا شروع کیا..........

سُبْحَانَ اللهِ، سُبْحَانَ اللهِ، سُبْحَانَ اللهِ اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ کنکریوں نے پڑھنا شروع کیا لَآاِلٰہَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ تو ابوجہل نے کنکر دور پھینک دیں اور کہنے لگا کہ تم بھی اس کی طرفدار ہوگئی ہو"۔ تو اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

اسی طرح یہودی، عیسائی آنحضرت ﷺ کو جانتے، پہچانتے تھے کہ یہ وہی آخری پیغمبر (ﷺ) ہیں جنہوں نے آنا تھا۔ مگر ضد کی وجہ سے مانتے نہیں تھے۔ اللہ رب العزت ضد سے بچائے..........(امین)۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

لفظی ترجمہ :

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ جو نہیں جانتے کتاب کو اِلَّآ اَمَانِيَّ مگر چند جھوٹی آرزوئیں وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ اور نہیں ہیں وہ مگر گمان کرتے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ پس خرابی ہے ان لوگوں کے لئے يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ جو لکھتے ہیں کتاب بِاَيْدِيْهِمْ اپنے ہاتھوں سے ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ پھر کہتے ہیں هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا تاکہ خریدیں اس کے ذریعے قیمت تھوڑی۔

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا پس خرابی ہے ان کے لئے اس چیز سے كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ جو لکھی ہے ان کے ہاتھوں نے وَ وَيْلٌ لَّهُمْ اور ہلاکت ہے ان کے لئے مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ اس کمائی سے جو وہ کماتے ہیں وَقَالُوْا اور کہتے ہیں لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ہر گز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً مگر گنتی کے چند دن۔

قُلْ آپ (ﷺ) فرمادیں اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا کیا تم نے پکڑ لیا ہے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی عہد فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ پس ہر گز نہیں خلاف کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے عہد کا اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ یا

کہتے ہو تم اللہ تعالیٰ پر مَا لَا تَعْلَمُوْنَ جو کچھ تم نہیں جانتے۔

بَلٰی کیوں نہیں (چھوئے گی آگ) مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً جس نے کمائی برائی وَّ اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ اور گھیر لیا اس کو اس کی برائی نے فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ وہی لوگ دوزخ والے ہیں ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور عمل کئے اچھے اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ وہی لوگ جنتی ہیں ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

ربط :

پہلے ان کا ذکر تھا جو تعلیم یافتہ تھے اور اب اَن پڑھوں کا ذکر ہے کہ دین دشمنی میں سب برابر ہیں۔ فرمایا.........

اَن پڑھ یہودی :

وَمِنْھُمْ اُمِّیُّوْنَ اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ جو نہیں جانتے کتاب کو اِلَّآ اَمَانِیَّ مگر چند جھوٹی آرزوئیں وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ اور نہیں ہیں وہ مگر گمان کرتے۔ جیسا کہ اکثر جاہل سینہ بہ سینہ نقل ہونے والی عجیب، عجیب کہانیاں سناتے رہتے ہیں۔ کتاب کا علم کچھ بھی نہیں ہوتا۔

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ پس خرابی ہے ان لوگوں کے لئے یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ جو لکھتے ہیں کتاب بِاَیْدِیْھِمْ اپنے ہاتھوں سے ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ پھر

کہتے ہیں ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اس دور میں پریس تو ہوتا نہیں تھا۔ ہاتھوں سے کچھ آیات تو، توراۃ کی ہوتی تھی اور کچھ اپنی طرف سے لکھ کر کہتے یہ توراۃ ہے۔ اور ہم تمہیں سستی دے رہے ہیں۔لوگ خریدتے تھے۔ تیسرے پارے میں آئے گا وَمَا ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ جوانہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ یہ ایسا کیوں کرتے تھے؟۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام پر جھوٹے قصے :

لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا تاکہ خریدیں اس کے ذریعے قیمت تھوڑی۔ چونکہ اس میں انہوں نے آسان مسئلے لکھے ہوتے تھے اس لئے لوگ شوق سے خریدتے تھے جس طرح آج کل کہانیوں والی کتابیں عام لوگ لیتے اور ٹھوس کتابیں جن میں عقائد اور اعمال کا بیان ہوتا ہے۔ وہ نہیں لیتے یا جس طرح روافض نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قصہ اور حضرت امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ چھپوایا ہوا ہے اور رافضی عورتیں ان کو عورتوں میں تقسیم کرتی ہیں، پھیلاتی ہیں۔ اور اس طرح وہ عورتوں کی ذہن سازی کرتی ہیں۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ یہ چیزیں پکاؤ اور کھاؤ اور کسی کو نہ بتاؤ۔ یہ سب خرافات ہیں اور بزرگوں کے ذمے لگائی ہوئی ہیں۔ اسلام کے ساتھ ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بزرگوں کے ساتھ عقیدت بڑی بات ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ان کے ذمے غلط باتیں لگاؤ۔

''ویل'' کی تعریف :

''ویل'' جہنم کے ایک نچلے طبقے کا نام بھی ہے۔ جب آدمی کو جہنم میں پھینکا جائے گا تو سڑتا گلتا ستر سال کے بعد نیچے گرے گا یہ حال ہوگا ایسے لوگوں کا۔

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيهِمْ پس خرابی ہے ان کے لئے اس چیز سے جو لکھی ہے ان کے ہاتھوں نے وَ وَيْلٌ لَّهُمْ اور ہلاکت ہے ان کے لئے مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ اس کمائی سے جو وہ کماتے ہیں۔تورات میں تحریف کر کے اور اپنی طرف سے قصے کہانیاں شامل کر کے لوگوں کے آگے فروخت کرتے اور رقم بٹورتے اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی کہتے.........

دوزخ اور یہود ونصاریٰ :

وَقَالُوْا اور کہتے ہیں لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً مگر گنتی کے چند دن۔وہ گنتی کے چند دن کتنے ہیں؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں.........

① ...... یہودیوں کا ایک اعتقاد یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے کچھ حدیثیں بھی بیان کی گئی ہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے مگر محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بَاطِلَةٌ لَا اَصْلَ لَهَا ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔اور ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن یہودی دوزخ میں رہیں گے گویا کہ سات دن دوزخ میں رہیں گے۔پھر جنت میں چلے جائیں گے۔

② ...... دوسرا نظریہ یہ ہے کہ جتنے دن موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر اعتکاف بیٹھے تھے اور ہمارے بڑوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی یعنی چالیس دن، ہم بھی چالیس دن دوزخ میں رہیں گے۔پھر دوزخ سے نکل کر جنت میں چلے جائیں گے۔

بھائی! بڑی عجیب منطق ہے کہ پوجا تو کریں تمہارے بڑے اور دوزخ میں سزا تم بھگتو۔یہ کیا نظریہ ہوا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔اللہ تعالیٰ نے اسی نظریئے کا

رد کرتے ہوئے فرمایا کہ..........

لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جس طرح یہودی کہتے ہیں کہ ہم بڑوں کی وجہ سے چالیس دن دوزخ میں رہیں گے اس کے برعکس عیسائیوں نے یہ نظریہ بنایا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ ہمارے منجی ہیں۔ اس طرح کہ وہ سولی پر لٹک کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گئے ہیں۔

ارے بے ایمانو! گناہ کرو تم دو ہزار سال بعد اور وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے سولی پر لٹکیں دو ہزار سال پہلے۔ بڑی عجیب منطق ہے؟۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا بڑا واضح حکم موجود ہے۔ فرمایا..........

لَایَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَامَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْئًا نہیں کفایت کرے گا باپ بیٹے کی طرف سے اور نہ بیٹا باپ کی طرف سے۔ ہر ایک نے اپنے کیے کا پھل کھانا ہے۔ انہیں غلط نظریات کی وجہ سے وہ کہتے تھے..........

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی اور وہ کہتے ہیں کہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوں گے مگر وہ جو یہودی ہیں یا عیسائی ہیں۔ یہودی کہتے تھے جنت ہماری اور عیسائی کہتے تھے جنت ہماری جاگیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ..........

قُلْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا کیا تم نے پکڑ لیا ہے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی عہد، کہ سات دن یا چالیس دن دوزخ میں رہنے کے بعد تم جنت میں چلے جاؤ گے۔

فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ پس ہرگز نہیں خلاف کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے عہد کا

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ یا کہتے ہو تم اللہ تعالیٰ پر مَا لَا تَعْلَمُوْنَ جو کچھ تم نہیں جانتے بَلٰى کیوں نہیں (چھوئے گی آگ) مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً جس نے کمائی برائی۔اور اس سے بڑی برائی کیا ہو سکتی ہے کہ..........

قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ یہودیوں نے کہا عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں وَقَالَتِ النَّصٰرٰى مَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ اور عیسائیوں نے کہا کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔او ظالمو! اس سے بڑا گناہ اور کیا ہوگا کہ تم نے بندوں کو خدا کا بیٹا بنا دیا اور خدائی میں شریک بنا دیا۔

اور اے یہودیو! تم تو عیسیٰ علیہ السلام کو حلال زادہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہو عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا حضرت مریم علیہا السلام پر بہتانِ عظیم باندھا۔معاذ اللہ تعالیٰ۔ان باتوں کے ہوتے ہوئے تم دوزخ میں نہیں جاؤ گے کیوں نہیں چھوئے گی آگ تمہیں؟۔

مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً جس نے کمائی برائی وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ اور گھیر لیا اس کو اس کی برائی نے ،دل کو بھی اور ظاہر کو بھی فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ وہی لوگ دوزخ والے ہیں هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ بخلاف اس کے..........

اصحابِ جنت :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور خالی ایمان ہی نہیں لائے؟

بلکہ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور عمل کئے اچھے اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ وہی لوگ جنتی ہیں هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وہ اس جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو جنت سے کبھی نکالا نہیں جائے گا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۗ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ

يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

لفظی ترجمہ :

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ اور جب لیا ہم نے عہد بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل سے لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ کہ نہیں عبادت کرنی تم نے سوائے اللہ تعالیٰ کے وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا وَّذِى الْقُرْبٰى اور قریبی رشتہ داروں سے وَالْيَتٰمٰى اور یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا وَالْمَسٰكِيْنِ اور مسکینوں کے ساتھ۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا اور کہو لوگوں کو اچھی بات وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور نماز کو قائم کرو وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ دیتے رہو ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ پھر، پھر گئے تم اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ مگر تھوڑے تم میں سے وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور تم اعراض کرنے والے ہو۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا

لَاتَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ نہیں بہاؤ گے تم اپنے خون وَلَاتُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ اور نہیں نکالو گے تم اپنی جانوں کو مِّنْ دِيَارِكُمْ اپنے گھروں سے ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ پھر تم نے اقرار کیا وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اور تم اس پر گواہی دیتے ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ پھر تم یہی تو ہو تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ قتل کرتے ہو اپنی جانوں کو وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ اور نکالتے ہو ایک گروہ کو اپنے میں سے ان کے گھروں سے تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ چڑھائی کرتے ہو تم ان پر بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ گناہ اور زیادتی کے ساتھ۔

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر تُفٰدُوْهُمْ فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے ہو وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ حالانکہ حرام تھا تم پر اِخْرَاجُهُمْ ان کو گھروں سے نکالنا اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے بعض حصے پر وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ اور انکار کرتے ہو بعض حصے کا

فَمَا جَزَآءُ پس نہیں ہے بدلا مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ جو کرتا ہے یہ کارروائی تم میں سے اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اور قیامت کے دن لوٹائے

جائیں گے اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ سخت عذاب کی طرف وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ اور اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ وہ، وہ لوگ ہیں اشْتَرَوُا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ جنہوں نے خریدا دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں فَلَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ پس نہیں ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب وَلَاھُمْ یُنْصَرُوْنَ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

ربط :

پہلے سے بنی اسرائیل کی زیادتیوں اور خرابیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اس رکوع میں بھی ان کی زیادتیوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اور جب لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے۔ نزول قرآن کے زمانے میں جو بنی اسرائیلی موجود تھے ان کو ان کے بڑوں کے کارنامے سنا کر شرمندہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے بڑوں نے بھی حق کو نہیں مانا تھا اور تم بھی نہیں مانتے۔ عہد یہ تھا..........

عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی :

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ کہ نہیں عبادت کرنی تم نے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ یہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اور جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں انہوں نے پہلا سبق یہی دیا..........

20

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اے میری قوم! عبادت اللہ تعالیٰ کی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ کوئی حاجت روا نہیں ہے۔ کوئی مشکل کشا نہیں ہے، کوئی فریادرس نہیں ہے، کوئی دستگیر نہیں ہے، نہ کوئی پیر نہ کوئی مولوی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں بتوں کی نفی ہے یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ مولویوں اور پیروں کو بھی رب بنایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کے دسویں پارے میں ہے......

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ انہوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب بنالیا وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ اور حضرت عیسیٰ کو انہوں نے رب بنالیا۔ یہ جو کچھ کہتے تھے مانتے تھے اور ان کے سامنے جھکتے تھے تو کیا مولوی اور پیر بت تھے۔ اور کیا عیسیٰ بت تھے؟۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ انہوں نے ان کی عبادت شروع کردی، سجدے بھی کرتے تھے اور ان کے سامنے جھکتے بھی تھے اور کہتے تھے کہ ہم ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ عبادت تو نہیں کرتے تو ایک تو یہ حکم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی اور دوسرا حکم تھا............

والدین سے حسن سلوک :

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے یہ ایسے حکم ہیں کہ حضرت آدم سے لے کر آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانے تک یہی حکم رہے ہیں۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے اور ان کی ہر وہ بات ماننی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف نہ ہو۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ اس کے متعلق ایک فقہی ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ ماں باپ اگر ایسے حکم کو چھوڑنے کا حکم دیں جو فرض اور واجب ہے تو پھر ان کی بات نہیں ماننی؟۔ مثلاً کہیں کہ نماز نہ پڑھو، یا روزہ نہ رکھو، عورتوں کو شریعت نے پردے کا حکم دیا ہے اور وہ کہیں کہ پردہ نہ کرو یا لڑکوں کو کہیں کہ ڈاڑھی منڈھواو۔ یہ تمام چیزیں فرض یا واجب کے درجے میں آتی ہیں۔ مختصر یہ کہ والدین کسی فرض یا واجب کے چھوڑنے کا نہیں کہتے تو پھر ان کی بات ماننی ضروری ہے، ورنہ نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ رب تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ اور اگر تجھے ماں باپ مجبور کریں میرے ساتھ شرک کرنے پر مَالَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ جس کا تجھے علم نہیں ہے فَلَا تُطِعْهُمَا تو ان کی بات بالکل نہیں ماننی۔ البتہ وہ احکام جو سنت مؤکدہ ہیں جیسے نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

اور اگر کوئی آدمی تین نمازیں بغیر کسی عذر کے جماعت کے ساتھ نہ پڑھے تو وہ فاسق ہو جاتا ہے۔ اور شریعت میں اس کی گواہی غیر مقبول ہے۔ اگر والدین ایسے حکم کے متعلق ایک آدھ مرتبہ کہیں نہ کر، تو مان لو۔ اور اگر عادت بنا لیں اور کہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھا کر تو پھر ان کی بات نہیں ماننی۔

اور وہ احکام جو مستحب ہیں اگر والدین ان کو چھوڑنے کا حکم دیں تو والدین کی بات پر عمل کرے اور ان کو چھوڑ دے۔ مثلاً کہیں کہ نفلی نماز نہ پڑھ، نفلی روزہ نہ رکھ، اور

ہماری خدمت کر، تو مستحب پر والدین کی خدمت مقدم ہے۔

بعض احکامِ الٰہی کا ماننا اور بعض کا انکار کرنا :

وَّ ذِی الْقُرْبٰی اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ بول چال میں لین دین میں ان کا پورا پورا خیال رکھنا۔

وَّالْیَتٰمٰی اور یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ یہ تمہارے فرائض میں داخل ہے کہ اپنے محلّہ یا شہر یا قصبے میں یتیموں کو تلاش کرو اور ان کی ضرورتوں کا انتظام کرو۔ اور ان کو پورا کرو۔ یتیموں کا تمہارے پاس آنا ضروری نہیں ہے۔

وَالْمَسٰکِیْنِ اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ان کا خیال رکھنا، مسکین اسے کہتے ہیں جو صاحب نصاب نہیں ہوتا۔ تھوڑی بہت آمدن ہوتی ہے مگر اخراجات آمدن سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور اخراجات سے مراد جائز ضروریات ہیں نہ کہ آج کل کی عیاشیاں اور آسانیاں۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا اور کہو لوگوں کو اچھی بات۔ کسی کو چھڑانے والی بات نہ کرو، ٹیڑھی اور ضد کی بات نہ کرو، شرافت اور ادب کو ملحوظ رکھ کر بات کرو۔ کیونکہ بہت سارے جھگڑوں کی بنیاد غلط گفتگو ہوتی ہے۔ مثلاً کسی سے فحش مذاق کرتا ہے وہ برداشت نہیں کرتا اور جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا زبان کو محتاط رکھنے کا بڑا حکم ہے۔

وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز کو قائم کرو۔ ان پر صرف دو نمازیں فرض تھیں۔

وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ ان پر زکوٰۃ کا حکم بہ نسبت ہمارے سخت تھا۔ ہم پر زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے اور ان پر چوتھا حصہ فرض تھا۔ یعنی چار سو میں سے ان کو ایک سو دینا پڑتا تھا اور چار ہزار میں سے ایک ہزار دینا پڑتا تھا۔ اور ہمیں سو میں سے

اڑھائی روپے اور ہزار میں سے پچیس روپے دینے کا حکم ہے۔ بڑی سہولت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ان کاموں کا پختہ عہد لیا تھا...........

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ پھر، پھر گئے تم اِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ مگر تھوڑے تم میں سے۔ جنہوں نے احکامات کی پابندی کی اکثریت بالکل ان سے غافل ہوگئی۔ جس طرح آج کل دیکھ لو کہ کتنے لوگ ہیں۔ نمازیں پڑھنے والے اچھی بات کرنے والے یتیموں، مسکینوں کا خیال رکھنے والے۔

عیاں را چہ بیاں؟

جو چیز واضح ہو اس کو بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔ اور اس زمانے کے بنی اسرائیلیو! وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ اور تم بھی ان چیزوں سے اعراض کرنے والے ہو۔ آگے بھی بنی اسرائیلیوں کی عہد شکنی کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ تین وعدے بھی لئے تھے.........

① ...... پہلا وعدہ :

پہلا وعدہ یہ لیا کہ کسی کو ناحق قتل نہ کرنا، جس طرح آج کل چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں پر قتل ہوتے ہیں۔ مثلاً الیکشن پر قتل، لین دین پر قتل، رشتے ناطے پر قتل، اس وقت بھی اسی طرح ہوتے تھے۔ پہلا وعدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ اے بنی اسرائیلیو! لَا تَسْفِكُونَ دِمَآءَكُمْ نہیں بہاؤ گے تم اپنے خون۔ برادری، رشتہ داروں کو قتل کرنا اپنا ہی خون بہانا ہے۔ حقوق العباد میں سب سے بڑا گناہ قتل ناحق ہے۔ اسی لئے قیامت والے دن بندوں کے حقوق میں سے سب سے پہلے قتل کا

مقدمہ دائر ہوگا۔اور حقوق اللہ میں سے سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔لہٰذا اس چیز کو سامنے رکھ کر اپنی اصلاح کرو۔تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو جائیں۔دنیا میں تو لوگ داؤ وغیرہ لگا کر جھوٹ بول کر، عدالتوں سے بچ جاتے ہیں۔مگر اس سچی عدالت میں کوئی کسی کو نہ تو دھوکہ دے سکے گا اور نہ ہی وہاں جھوٹ چلے گا۔اگر وہاں کوئی جھوٹ بولے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے..........

اُنْظُرْ کَیْفَ کَذَبُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ دیکھو! کیسے اپنی جانوں پر جھوٹ بول رہے ہیں؟۔اصل واقعہ اس طرح ہے کہ مشرک جب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں لائے جائیں گے اور رب تعالیٰ ان سے کہیں گے کہ جب میں نے تمہیں شرک سے منع کیا تھا پھر تم نے شرک کیوں کیا؟۔تو وہ قسم اٹھا کر کہیں گے..........

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اللہ تعالیٰ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم نے تو کوئی شرک نہیں کیا۔اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اُنْظُرْ کَیْفَ کَذَبُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ دیکھو ان کو کیسے جھوٹ بولتے ہیں اپنی جانوں پر۔

(۲)......دوسرا وعدہ :

وَلَاتُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اور نہیں نکالو گے تم اپنی جانوں کو اپنے گھروں سے۔ وہ اس طرح کرتے تھے ان میں سے جو طاقتور تھے وہ کمزوروں کو ان کے بنے بنائے مکانوں سے نکال دیتے اور ان پر قبضہ کر کے خود داخل ہو جاتے۔

فلسطینیوں پر یہودیوں کے مظالم :

اور ان کا یہ طریقہ کار آج تک چلا آرہا ہے کہ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے

نکال دیا ہے اور یہودی ان کے گھروں میں رہ رہے ہیں۔ اور بیس ہزار سے زیادہ فلسطینی کیمپوں میں گزارہ کرر ہے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمارے وجود کو تسلیم کرو۔ ان کے وجود کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے فلسطینیوں کے مکانوں پر ان کے باغوں پر ان کی زمینوں پر جو قبضہ کیا ہے اس کو تم جائز قرار دو کہ انہوں نے صحیح کیا ہے۔

بھائی! ہم کس طرح تسلیم کریں؟ زمینیں ان کی ہیں، باغات ان کے ہیں، مکان فلسطینی بے چاروں نے محنت مشقت کر کے دکھ، سکھ برداشت کر کے بنائے ہیں اور یہودیو! تم ان کے مالک بن کہ بیٹھ گئے ہو۔ وہ بے چارے چیختے ہیں ان کا کوئی پرسانِ حال ہی نہیں ہے ان کی چیخ و پکار کوئی سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہے۔

بلکہ بعض بے غیرت حکومتوں نے اسرائیل کو اس ظلم کے باوجود تسلیم بھی کر لیا ہے کہ تم نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ کتنا ظلم ہے ان پر۔ پھر ان بے چاروں کو ملازمتیں دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان کو کہتے ہیں کہ تم مزدوری کرو، سڑکیں بناؤ، باغوں میں کام کرو، سب گھٹیا کام ان سے لیتے ہیں۔ اور معاوضہ بھی کم دیتے ہیں۔ آخر وہ بھی انسان ہیں ان کے ساتھ بھی پیٹ لگا ہوا ہے۔ تو خیر! یہودیوں کو حکم تھا کہ تم اپنی برادری کو ان کے گھروں سے نہیں نکالو گے فرمایا..........

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ پھر تم نے اقرار کیا وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اور (اس وقت کے اسرائیلیو!) تم اس پر گواہی دیتے ہو کہ ہاں ہمارے بڑوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ لیا تھا۔ اس کے باوجود..........

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ پھر تم یہی تو ہو قتل کرتے ہو

اپنی جانوں کو وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِیۡقًا مِّنۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِھِمۡ اور نکالتے ہو ایک گروہ کو اپنے میں سے ان کے گھروں سے۔ قتل نہ کرنے کا وعدہ بھی تم نے پورا نہ کیا اور گھروں سے نکالنے کا وعدہ بھی تم نے پورا نہ کیا۔

تَظٰھَرُوۡنَ عَلَیۡھِمۡ چڑھائی کرتے ہو تم ان پر بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ گناہ اور زیادتی کے ساتھ۔ رب تعالیٰ کے حکم کو توڑنے کو ''اثم'' کہتے ہیں اور بندے کے حق کو ضائع کرنے کو ''عدوان'' کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم قتل نہ کرو، انہوں نے قتل کر کے رب تعالیٰ کا حکم توڑا۔ ''اثم'' کا ارتکاب کیا۔ اور بندوں کو قتل کیا اور ان کو گھروں سے نکال کر ''عدوان'' کا ارتکاب کیا۔

③......تیسرا وعدہ :

وَاِنۡ یَّاۡتُوۡکُمۡ اُسٰرٰی اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر تُفٰدُوۡھُمۡ فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے ہو۔ مدینہ طیبہ میں دو بڑے قبیلے ''اوس اور خزرج'' جو اکثر آپس میں دست و گریبان رہتے تھے۔ یہودیوں کا قبیلہ بنو قریظہ اوس کا حامی تھا اور بنو نضیر قبیلہ خزرج کے طرفدار تھے۔ ان کی آپس میں اکثر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ جب ایک قبیلہ دوسرے پر غالب آجاتا تو ان کو قتل بھی کرتے۔ گھروں سے بھی نکالتے اور قیدی بھی بنا لیتے۔ اب ان کی برادری کے لوگ جب قیدی بن جاتے وہ ان سے اپنی زمینوں اور باغوں میں کام کرواتے اور وقت پر صحیح معنیٰ میں روٹی بھی نہیں دیتے تھے۔ تو پھر یہ چندہ اکٹھا کر کے ان کو رہا کراتے۔ کیونکہ ان کو حکم تھا کہ اگر تمہارے آدمی گرفتار ہو جائیں تو انہیں رہا کراؤ، ان کی مالی امداد کرو۔ تو اس حکم پر تو عمل کرتے ہو.........

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ حالانکہ حرام تھا تم پر ان کو گھروں سے نکالنا۔ اس حکم پر عمل نہیں کرتے پہلے دشمنوں کے ساتھ مل کر ان کو گھروں سے نکال دیتے ہو۔ قیدی بنوادیتے ہو۔ اور پھر ان کو رہا کرانے کے لئے چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیتے ہو۔

یہودی چندہ اکٹھا کرنے کے بارے میں بڑے مشہور تھے، چندہ اکٹھا کرتے کچھ قیدیوں پر خرچ کرتے، باقی خود ہڑپ کر جاتے۔ اور عموماً چندوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ چاہے جلسوں کے لئے ہو یا مجاہدوں کے لئے ہو یا اور کسی کام کے لئے ہو۔ بے شک سو میں سے دو چار دیانت دار بھی ہوتے ہیں۔ مگر بڑی مشکل سے۔ باقی سب نے کھانے، پینے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔

اور یاد رکھنا! تمہارے پاس جب تک مجاہدین کا کوئی بااعتماد آدمی نہ آئے کسی کو چندہ نہ دینا کئی لڑکوں نے اور جماعتوں نے اس کو پیشہ بنایا ہوا ہے۔ اور انہوں نے باقاعدہ رسیدیں بھی چھپوائی ہوئی ہیں۔ اور ہزاروں، لاکھوں روپے اکٹھے کر کے کھا جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ عطا فرمائے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو۔ حالانکہ حرام تھا تم پر ان کو گھروں سے نکالنا۔

دنیا کی زندگی میں رسوائی :

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے بعض حصے پر وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ اور انکار کرتے ہو بعض حصے کا فَمَا جَزَآءُ پس نہیں ہے بدلا مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ جو کرتا ہے یہ کارروائی تم میں سے اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں۔ دنیا کی زندگی میں

یہودیوں کے لئے رسوائی کی ایک صورت اس طرح ہوگی کہ تمہیں مسلمانوں کی حکمرانی مانی پڑے گی اور جزیہ دینا پڑے گا۔

آخرت کا عذاب :

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور قیامت کے دن يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ لوٹائے جائیں گے سخت عذاب کی طرف۔ جہنم میں بھی طبقات ہیں۔

① ...... سب سے کم درجے کا عذاب سب سے اوپر والے طبقے میں ہوگا۔ جس میں کلمہ پڑھنے والے گنہگاروں کو ڈالا جائے گا۔ لیکن اس کی آگ بھی دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہوگی اللہ تعالیٰ اس ہلکے عذاب سے بھی بچائے۔

② ...... اور اس سے نیچے والے طبقے میں نصاریٰ ہوں گے

③ ...... اور اس سے نیچے والے طبقے میں یہودی ہوں گے۔

④ ...... اور منافقین سب سے نیچے والے طبقے میں ہوں گے۔ قرآن پاک میں ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (پارہ:۵) بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے والے درجے میں ہوں گے۔ کیونکہ منافقت کا فتنہ سب سے زیادہ ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے اس کارروائی سے جو تم کرتے ہو اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ وہ، وہ لوگ ہیں اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ جنہوں نے خریدا دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں۔ اخبارات میں آپ روزانہ پڑھتے ہیں کہ جو وزیر اور افسر اور دوسرے لوگ گھپلے کرتے

ہیں یہ لوگ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والے ہیں۔فرمایا..........

فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ پس نہیں ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب۔ بلکہ دن بدن عذاب میں اضافہ ہوگا۔ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا پس چکھو تم پس ہرگز نہیں زیادہ کریں گے تمہارے لئے مگر عذاب کو۔

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ؕ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۹۰﴾

لفظی ترجمہ :

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب وَقَفَّیْنَا مِنْ ۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ اور بھیجے ہم نے لگا تاران کے بعد کئی رسول وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اور دیں ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہما السلام) کو الْبَیِّنٰتِ واضح دلیلیں وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اور ہم نے تائید کی اس کی پاکیزہ روح کے ساتھ۔

اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ ۢ بِمَا کیا جب بھی کوئی رسول لایا تمہارے پاس وہ چیز لَاتَهْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ جسے تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے اسْتَکْبَرْتُمْ توتم نے تکبر کیا فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ پس پیغمبروں کے ایک فریق کوتم نے جھٹلایا وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ اور ایک فریق کوتم نے قتل کیا۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ اور کہا انہوں نے ہمارے دل غلافوں میں ہیں بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِکُفْرِهِمْ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی ان کے کفر کی وجہ سے فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ پس بہت تھوڑے ہیں

جو ایمان لاتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ اور جب آئی ان کے پاس کتاب مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو ان کے پاس ہیں وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ اور تھے وہ اس سے پہلے يَسْتَفْتِحُوْنَ فتح کے لئے توسل حاصل کرتے تھے عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں کے خلاف جو کافر ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ پس جب آ گئی ان کے پاس مَّا عَرَفُوْا وہ ذات جس کو انہوں نے پہچان لیا كَفَرُوْا بِهٖ تو اس کا انکار کر گئے فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ پس اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے کافروں پر

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ بری ہے وہ چیز جو انہوں نے خریدی اپنی جانوں کے لئے اَنْ يَّكْفُرُوْا یہ کفر کرتے ہیں بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ان چیزوں کا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں بَغْيًا سرکشی کرتے ہوئے اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یہ کہ نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے۔

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ پس لوٹے وہ غضب پر غضب لے کر وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اور کافروں کے لئے عذاب

ہے رسوا کرنے والا۔

ربط :

اس سے پہلے بنی اسرائیلیوں کے جرائم اور ان کی نافرمانیوں کا ذکر تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو جھٹلایا قیامت کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جھٹلایا، یہاں تک کہ پیغمبروں کو شہید بھی کیا تو ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ کیا ان کو سمجھایا نہیں گیا؟۔ ان کی راہنمائی نہیں کی گئی کہ وہ ایسی حرکتیں کرتے رہے؟۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب۔ توراۃ کا آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کے بعد بہت بلند مقام ہے اور بڑی جامع مانع کتاب ہے۔

وَقَفَّيْنَا مِنْ م بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ اور بھیجے ہم نے لگاتار ان کے بعد کئی رسول۔ قَفَا کا لغوی معنیٰ ''گدی'' ہے۔ اور پچھلی جانب جہاں سر ختم ہوتا ہے وہ گدی ہے جب آدمی پیچھے کھڑے ہوں تو پچھلے آدمی کی نگاہ اگلے آدمی کی گدی پر پڑتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے لگاتار پیغمبر بھیجے ان کو کتاب بھی دی اور بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ اور دیں ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) کو واضح دلیلیں۔

لفظ ''عیسیٰ اور مریم'' کا معنیٰ :

''عیسیٰ'' عربی زبان کا لفظ ہے اور عبرانی زبان میں اس کی اصل ''اَیشُوْ یا

یَسُوْعُ'' تھا۔ جس کا معنی ''مبارک اور سردار'' ہے۔ اور مریم کا معنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ''عابدہ'' کرتے ہیں۔ عبادت کرنے والی۔ حضرت مریم علیہا السلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ قرآن کریم میں ان کے سوا کسی عورت کا نام نہیں آیا۔ نہ پہلی امتوں میں سے اور نہ اس امت میں سے اور ان کا نام تیس مرتبہ آیا ہے۔ گویا کہ اوسطاً فی پارہ ایک دفعہ ان کا نام آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ان کی والدہ کی طرف کی اور عیسیٰ بن مریم فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ان کا باپ ہوتا تو اس کی طرف نسبت ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ضابطہ بیان فرمایا ہے اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآءِھِمْ باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو۔

مرزا قادیانی کی خرافات :

مرزا غلام احمد قادیانی ملعون نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلیظ زبان استعمال کی تو علماءِ کرام نے اس کے خلاف آواز بلند کی تو شیطان نے اپنی کتاب ''کشتی نوح'' میں پہلے تو مولویوں کو خاصی گالیاں دیں کہ یہ مولوی بڑے بدذات ہیں یہ لوگوں کو میرے متعلق کہتے ہیں کہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم نہیں کرتا۔ میرے سے زیادہ تعظیم کرنے والا کون ہے؟۔

میں تو عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تعظیم کرتا ہوں اور ان کے چھ بہن بھائیوں کی بھی تعظیم کرتا ہوں اور ان کے باپ یوسف نجار کی بھی تعظیم کرتا ہوں یہ ہے اس کی تعظیم۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور اس نے اپنی کتاب ''تریاق القلوب'' میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین نانیاں اور تین دادیاں زناکار اور کسبی عورتیں تھیں لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ

الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ یہ ہے اس کی تعظیم، بڑا خبیث آدمی تھا۔ بھائی! جب از روئے قرآن ان کا باپ ہی نہیں ہے تو دادیاں کہاں سے آگئیں؟۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واضح دلیلیں دے کر مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اور ہم نے تائید کی اس کی پاکیزہ روح یعنی جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ۔ تاکہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ جبرائیل علیہ السلام کی تائید کی ضرورت اس لئے پڑی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کی اصلاح کا کام شروع کیا اور ان کو بتایا کہ یہ، یہ چیزیں تم نے بگاڑ دی ہیں اور اس سے دین کا نقشہ بگڑ گیا ہے تو چھوٹے بڑے سب کے سب ان کے مخالف ہو گئے۔ کیا مولوی یا پیر یا عوام اور کیا خواص سب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لڑنا شروع کر دیا۔

جس طرح آج کل اہلِ بدعت نے دین کا نقشہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور عوام کا ایسا ذہن بنا دیا ہے کہ اگر بدعات کی تردید کرو تو لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کے ذہنوں کو بدلنا خاصا مشکل کام ہے۔ اور بدعات کی تردید سے زیادہ ان کو چھوڑنا مشکل ہے۔ تمہیں درس سنتے ہوئے پچپن سال ہو گئے ہیں مگر بدعات کو چھوڑنے کے لئے تم بھی تیار نہیں ہو۔ بدعات کو چھوڑنے والا بہت بڑا مجاہد ہے۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا کیا جب بھی کوئی رسول لایا تمہارے پاس وہ چیز لَاتَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ جسے تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے اسْتَكْبَرْتُمْ تو تم نے تکبر کیا فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ پس پیغمبروں کے ایک فریق کو تم نے اے ظالمو جھٹلایا وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ اور ایک فریق کو تم نے قتل کیا۔ جیسے

شعیا علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام اور ان کے علاوہ اور بہت سارے پیغمبروں کو تم نے شہید کیا۔ جب بھی کسی پیغمبر نے ان کی مرضی کے خلاف بات کی اس کو انہوں نے شہید کر ڈالا۔

21

حضرت یحییٰ علیہ السلام اور فریضہ رسالت :

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے زمانے میں حاکم وقت اپنی بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یحییٰ علیہ السلام اپنا فریضہ ادا کرنے کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ میرے پاس اس طرح کی بات پہنچی ہے۔ اس لئے میں تحقیق کرنے کے لئے آیا ہوں۔ کیا تم اپنی بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو؟۔ اس نے کہا کہ تو کون ہوتا ہے اس طرح کی باتیں کرنے والا۔ فرمایا......

''میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اور یہ بات میرے فریضہ میں داخل ہے کہ میں ناجائز کام کو روکوں میں اپنا فریضہ ادا کرنے کے لئے آیا ہوں لہٰذا اگر واقعی کوئی بات ہے تو باز آجا، تیرے لئے اور عورتوں اور لونڈیوں کی کمی نہیں ہے''۔ اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اس بیان کو اپنی توہین سمجھا اور انہیں قتل کرا دیا۔ اور جب انہیں حق کی دعوت دی گئی تو.........

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ اور کہا انہوں نے ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔
غُلْف ، **اَغْلُفُ** کی جمع ہے جس کے معنٰی ہیں ''غلاف''۔ جو قرآن شریف اور دیگر کتابوں پر چڑھایا جاتا ہے۔ تاکہ ان پر گرد و غبار نہ پڑے مکھی نہ بیٹھے دھواں نہ لگے بے حرمتی نہ ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، علم ہے اور بڑی پاکیزہ چیزیں ہیں ان پر ہم نے غلاف چڑھائے ہوئے ہیں تاکہ تمہاری

گرد و غبار اور دھوئیں کی مانند باتیں ہمارے دلوں تک نہ پہنچیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ یہ بات نہیں ہے کہ ان کے دل بڑے صاف ہیں اور ان کے عقیدے اور نظریات درست ہیں اور تمہاری باتیں گرد و غبار والی ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی ان کے کفر کی وجہ سے فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ پس بہت تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ تقریباً سارے یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے تھے کہ واقعی یہ سچا پیغمبر ہے۔ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ قبولِ اسلام سے پہلے اور بعد میں یہودیوں کی نظر میں :

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو بڑا عجیب واقعہ ہوا۔ بخاری شریف میں ہے کہ وہ جب کلمہ پڑھ کر بیٹھے تو دیکھا کہ اور یہودی بھی آرہے ہیں تو پردے کی اوٹ میں ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضرت یہودی آرہے ہیں پہلے ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے متعلق پوچھیں کہ میں کون ہوں؟ پھر ان کو اسلام کی دعوت دیں۔

چنانچہ جب وہ آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كَيْفَ فِيْكُمُ ابْنُ سَلَامٍ؟ عبداللہ بن سلام تم میں کیسا آدمی ہے؟۔ کہنے لگے.........

○ خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا ہم میں سے بہتر ہے اور بہتر کا بیٹا ہے۔

○...... اَعْلَمُنَا وَابْنُ اَعْلَمُنَا سب سے بڑا عالم ہے اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے۔

○...... سَیِّدُنَا وَابْنُ سَیِّدِنَا ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو تمہارا کیا رویہ ہوگا؟ تم کیا کرو گے؟ کہنے لگے اَعَاذَهُ اللهُ مِنَ الْاِسْلَامِ اللہ تعالیٰ اسے اسلام سے پناہ میں رکھے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پردے سے باہر آ گئے اور ڈٹ کر کہا......

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وہ یہودی جنہوں نے ان کی اتنی تعریف کی تھی کہنے لگے شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا ہم میں سے بڑا اشرارتی ہے اور بڑے شرارتی کا بیٹا ہے اندازہ لگاؤ وہی آدمی ہیں، وہی زبانیں ہیں پہلے کیا کہا اور اب کیا کہہ رہے ہیں؟۔ مگر ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔ جانتے پہچانتے ہوئے بھی ایمان نہیں لائے۔ سوائے عبداللہ بن سلام اور پانچ سات اور کے (رضی اللہ عنہم)۔

قرآنِ کریم اور پہلی کتابیں :

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللهِ اور جب آئی ان کے پاس کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یعنی قرآنِ کریم مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو ان کے پاس ہیں۔ تو قرآن کریم کو نہ ماننے سے ان کتابوں کا بھی انکار ہے جن کا یہ مصدق ہے۔ ہاں اگر قرآنِ کریم ان کتابوں کے

خلاف ہوتا تو پھر وہ کہہ سکتے تھے کہ ہماری کتابوں میں کچھ اور ہے اور قرآنِ کریم کچھ اور کہتا ہے؟ لہٰذا ہم نہیں مانتے؟ مگر یہ تو ان کا مصدق ہے۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ اور تھے وہ اس سے پہلے يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فتح کے لئے توسل حاصل کرتے تھے ان لوگوں کے خلاف جو کافر ہیں۔اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں تمام تفسیروں میں نقل کی گئی ہیں..........

①...... ایک یہ کہ فتح کے معنٰی کھولنے کے ہیں تو اس لحاظ سے معنٰی یہ ہوگا کہ بنی اسرائیل کفار پر اس بات کو کھولتے تھے یعنی بیان کرتے تھے کہ آخری نبی آنے والے ہیں۔

②...... اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ فتح کا معنٰی ''کامیابی'' بھی ہے۔تو یہودی آنخضرت ﷺ کی آمد سے پہلے کافروں کے مقابلے میں فتح اور کامرانی کے لئے دعا کرتے تھے اور کہتے تھے۔''اے پروردگار! نبی آخر الزمان کے وسیلے سے ہمیں ہمارے دشمنوں پر فتح عطاء فرما''۔اب وسیلہ تو اسی کا دیں گے جس کے ساتھ کچھ تعظیم کا تعلق ہوگا؟ آپ ﷺ کی تعظیم کرتے تھے۔اور آپ ﷺ کے وسیلے سے دعائیں کرتے تھے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ پس جب آگئی ان کے پاس مَّا عَرَفُوا وہ ذات جس کو انہوں نے پہچان لیا كَفَرُوا بِهٖ تو اس کا انکار کر گئے فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ پس اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے کافروں پر۔

وسیلہ کا شرعی مفہوم اور حکم :

یہاں وسیلے کا مسئلہ بھی سمجھ لیں وہ یہ کہ اگر کوئی شخص اس طرح دعا کرے کہ

اے پروردگار! آنحضرت ﷺ کے وسیلے سے میرا یہ کام کردے یا یوں کہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طفیل سے میرا یہ کام کردے یا یوں کہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے میرا یہ کام کردے یا یوں کہے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حرمت سے میرا یہ کام کردے۔ وسیلہ، طفیل، صدقہ، حرمت، جاہ اور حق سب کا ایک ہی معنٰی ہے۔ اپنی لغت، زبان اور عرف کے اعتبار سے الفاظ مختلف ہیں۔ تو اس میں تفصیل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱)...... اگر توسل کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس کا میں وسیلہ دے رہا ہوں وہ میرے پاس حاضر و ناظر ہے۔ اور عالم الغیب ہے اور تمام کاموں میں اس کو تصرف حاصل ہے اور وہ میرا کام کرا سکتا ہے۔ تو ایسے وسیلے کے کفر اور شرک ہونے میں کوئی شک نہیں ہے؟۔ ایسا توسل کرنے والا کافر اور مشرک ہے۔

۲)...... اور اگر توسل کرنے والا جس کا وسیلہ دے کر دعا کر رہا ہے اس کو عالم الغیب، حاضر و ناظر نہیں سمجھتا اور اس کو مُتَصَرِّفْ فِی الْاُمُوْر بھی نہیں سمجھتا، حاضر و ناظر، عالم الغیب، مختارِ کل صرف رب تعالیٰ کو سمجھتا ہے۔ اور اس کا یہ نظریہ بھی نہیں ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے جبراً کام کرا سکتا ہے۔ اور محض ان کے ساتھ اور تعلق کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہے تو جائز ہے۔

مثلاً یوں کہتا ہے کہ اے پروردگار! میرا تیرے پیغمبر پر ایمان ہے اور میں ان سے محبت کرتا ہوں، یا اولیاء کی محبت کا واسطہ دے کر میں تیرے ولیوں سے محبت کرتا ہوں اور یہ میرا ان سے محبت کرنا ایک نیک عمل ہے اور اس نیک عمل کی وجہ سے میں توسل کرتا ہوں۔ اور آنحضرت ﷺ کے وسیلے سے دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ

چونکہ میں تیرے پیغمبر پر ایمان رکھتا ہوں اور ان سے محبت کرتا ہوں اس کی وجہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ تو یہ وسیلہ جائز ہے۔ اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ اور یہ وسیلہ اسی آیت کریمہ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ بری ہے وہ چیز جو انہوں نے خریدی اپنی جانوں کے لئے۔ اپنی جانوں کے لئے انہوں نے کفر خرید کر برا سودا کیا۔ کس چیز کا کفر کیا.........

اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یہ کفر کرتے ہیں ان چیزوں کا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں بَغْيًا سرکشی کرتے ہوئے اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یہ کہ نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے۔ اس پر کسی کا زور اور اختیار نہیں چلتا۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا.........

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ان کے کفر اور انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ پس لوٹے وہ غضب پر غضب لے کر۔ ایک غضب پہلے پیغمبروں کی نافرمانی کا اور دوسرا غضب آخری پیغمبر ﷺ کے انکار کرنے کا۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اور کافروں کے لئے عذاب ہے رسوا کرنے والا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا
نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا
وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ
فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى
بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ
وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ
وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ
وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا
فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُ
كُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾
قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ
خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

لفظی ترجمہ :

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اور جب ان سے کہا جاتا ہے اٰمِنُوْا ایمان لاؤ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے قَالُوْا کہتے ہیں نُؤْمِنُ ہم ایمان رکھتے ہیں بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ اور انکار کرتے ہیں اس کے علاوہ کا وَهُوَ الْحَقُّ حالانکہ وہ حق ہے مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے۔

قُلْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ پس تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم مومن ہو۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى اور البتہ تحقیق لائے تمہارے پاس موسیٰ (علیہ السلام) بِالْبَيِّنٰتِ واضح دلیلیں ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ پھر تم نے بنالیا بچھڑے کو معبود مِنْۢ بَعْدِهٖ ان کے جانے کے بعد وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ اور تم ظالم تھے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر طور پہاڑ کو خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ پکڑو اس کو جو ہم نے تمہیں دیا ہے مضبوطی کے ساتھ وَّاسْمَعُوْا اور سنو۔

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا انہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور ہم نے مانا نہیں وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ اور پلادی گئی ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت بِكُفْرِهِمْ ان کے کفر کی وجہ سے۔

قُلْ بِئْسَمَا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں بری ہے وہ چیز يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ جس کے لئے حکم کرتا ہے تمہیں تمہارا ایمان اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر ہو تم مومن۔

قُلْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ اگر ہے تمہارے لئے آخرت کا گھر عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً اللہ تعالیٰ کے ہاں

خالص مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ دوسرے لوگوں کے سوا فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ پس تم موت کی تمنا کرو اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا اور وہ اس موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اس وجہ سے کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اور البتہ آپ ضرور پائیں گے ان لوگوں کو اَحْرَصَ النَّاسِ سب لوگوں سے زیادہ حریص عَلٰى حَيٰوةٍ زندگی پر وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اور ان سے بھی زیادہ حریص جنہوں نے شرک کیا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ ان میں سے ہر ایک پسند کرتا ہے لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ کاش کہ اس کو ہزار سال عمر دے دی جائے۔

وَمَا هُوَ حالانکہ نہیں ہے وہ عمر بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ دور کرنے والی اس کو عذاب سے اَنْ يُّعَمَّرَ یہ کہ اگر اس کو عمر دے دی جائے وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

ربط :

بنی اسرائیل اور یہودیوں کی برائیوں اور تخریب کاریوں کا ذکر چلا آرہا ہے اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

توراۃ وانجیل کی تصدیق :

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اور جب ان (یہودیوں) سے کہا جاتا ہے اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ایمان لاؤ اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ یعنی قرآن پاک پر اور آخری پیغمبر کا تشریف لانا بھی تمہارے علم میں ہے اور تم بخوبی جانتے ہو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی پیغمبر ہیں جنہوں نے آنا تھا۔ اور تم اس بات کو بھی جانتے ہو کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوگا۔ لہٰذا جب تم ان تمام علامتوں اور نشانیوں سے واقف اور آگاہ ہو تو اب اس کتاب قرآنِ کریم پر ایمان لاؤ۔ اس کے جواب میں.........

قَالُوْا یہودیوں نے کہا نُؤْمِنُ ہم ایمان رکھتے ہیں بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی۔ ہم تو توراۃ پر ایمان لانے کے پابند ہیں۔ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ اور انکار کرتے ہیں اس کے علاوہ کا۔ کہ توراۃ کے علاوہ کسی اور چیز پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں پابند نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے دو جواب دیے ہیں

① ...... ایک تحقیقی ② ...... دوسرا الزامی۔

تحقیقی جواب یہ ہے۔ فرمایا.........

① ...... وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ حالانکہ وہ حق ہے تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے۔ ایک تو یہ کہ قرآنِ کریم حق ہے اور اس میں تمام مسائل حق پر مبنی ہیں۔ تو کیا حق پر ایمان لانا ان کے فریضہ میں داخل نہیں ہے؟۔

(۲)...... اور دوسری بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم ان کی کتابوں توراۃ، انجیل، زبور کا مصدِّق ہے۔ ان کی تصدیق کرتا ہے کہ ان کتابوں میں جو عقائد اور نظریات بیان کئے گئے ہیں، صحیح ہیں۔ اور مصدِّق کو ماننا اور تسلیم کرنا دراصل مصدَّق جس کی وہ تصدیق کر رہا ہے کو ماننا اور تسلیم کرنا ہے۔ تو مصدِّق کا انکار کرنا مصدَّق کا انکار کرنا ہے۔

کیونکہ قرآنِ کریم اگر عقائد اور نظریات ان کتابوں سے مختلف بیان کرتا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ ہماری کتابوں میں عقائد اور نظریات اور ہیں اور اس کتاب میں عقائد اور نظریات اور ہیں۔ اس لئے ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور یہ بات تو ہے نہیں؟۔ لہٰذا ان کا یہ دعویٰ کہ ہم اپنی کتاب کو مانتے ہیں، صحیح نہیں ہے۔ بلکہ فقط زبانی دعویٰ ہی ہے۔ بلکہ ان کا توراۃ پر ایمان لانے کا دعویٰ بھی جھوٹا ہے۔ آگے تین شقوں میں ان کو الزامی جواب دیا گیا ہے............

پہلی شق :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں............

قُلْ آپ (ﷺ) کہہ دیں فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ پس تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو اس سے پہلے؟ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم مومن ہو۔

توراۃ کو مانتے ہو تو کیا ظالمو! توراۃ میں لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو قتل کرو۔ یہ موجودہ یہودیوں کو ان کے بڑوں کے کارنامے سنا کر شرمندہ کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ قاتل تو ان کے بڑے تھے۔ اگر توراۃ کو مانتے ہوتے تو پیغمبروں کو قتل

نہ کرتے۔لہٰذا تمہارا توراۃ کو ماننے کا دعویٰ کرنا غلط ہے۔

دوسری شق :

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ اور البتہ تحقیق لائے تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام واضح دلیلیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دریا کو پھاڑ کر راستے بنائے دشمن کو ان کے سامنے غرق کیا۔وادی تیہ میں بادلوں کے ذریعے سائے کا انتظام فرمایا۔کھانے کے لئے کھیرا اور بٹیرے نازل فرمائے۔پینے کے لئے پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری فرمائے۔اور بے شمار نشانیاں لے کر موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ پھر تم نے بنالیا بچھڑے کو معبود ان کے جانے کے بعد۔یہ ہے تمہارا ایمان کہ جو آڑ بنا کر قرآنِ مجید کو ماننے سے انکار کرتے ہو کہ ہمیں تو حکم ہے کہ ہم صرف اس پر ایمان لائیں۔جو ہماری طرف اتارا گیا ہے۔تو کیا موسیٰ علیہ السلام نے تمہیں غیر اللہ کی عبادت سے منع نہیں کیا تھا۔اگر تم ان کی بات مانتے تو بچھڑے کی پوجا نہ کرتے۔

بچھڑے کے متعلق پہلے بھی بیان ہوا ہے اور اس کی تفصیل سولہویں پارے میں آئے گی۔یہ بنی اسرائیلی جب مصر سے آئے تھے تو ان کی عورتیں قبطی عورتوں سے (فرعونیوں کی قوم قبطی تھی) زیور مانگ کر لائی تھیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ان زیورات سے منع فرمادیا کہ ان کا استعمال کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔کیونکہ پہلی شریعتوں میں مالِ غنیمت کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ہماری شریعت میں مالِ غنیمت کو استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

''سامری'' اور مکروفریب :

تو انہوں نے وہ زیورات جنگل میں پھینک دیئے۔ بنواسرائیل کی ایک شاخ تھی ''قبیلہ بنوسامرہ'' اس خاندان کا ایک آدمی تھا'' موسیٰ بن ظفر سامری'' اس نے وہ زیورات اٹھالئے اوران کو ڈھال کر بچھڑا بنا دیا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کی مٹی بھی اس کے پاس تھی وہ اس طرح کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا گھوڑا جب پاؤں اٹھاتا تو وہاں ہریالی ہوجاتی تھی اس نے محسوس کیا کہ اس میں کوئی کرشمہ ہے۔ تو اس نے وہ مٹی اٹھا کر اپنے پاس رکھی ہوئی تھی۔

بچھڑا بنا کر وہ مٹی اس میں ڈالی تو بچھڑے سے ٹیں، ٹیں کی آواز آنے لگی۔ اس نے لوگوں کو کہا کہ یہ جو ٹیں، ٹیں کی آواز آرہی ہے یہی تمہارا رب ہے جو اس کے اندر بول رہا ہے۔ اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو آنے میں دیر ہوگئی ہے کیونکہ رب تو یہاں ٹیں، ٹیں کر رہا ہے۔ اور وہ کوہِ طور پر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔ ان میں ایسے بے وقوف بھی تھے جنہوں نے بچھڑے کو رب مان کر اس کی پوجا شروع کر دی کوئی اس کے رکوع میں ہے کوئی سجدہ کر رہا ہے۔ کوئی عطر لگا رہا ہے کوئی اس پر چادر چڑھا رہا ہے۔ کوئی کچھ کر رہا ہے اور کوئی کچھ کر رہا ہے۔ تو اس طرح انہوں نے (سب نے نہیں کچھ نے) بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانے کے بعد۔ فرمایا..........

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ اور تم ظالم تھے۔ کہ بچھڑے کو معبود بنالیا۔ اور وہ بچھڑا ان زیورات سے بنایا گیا تھا۔ جن کا استعمال تمہارے لئے جائز نہیں تھا تو ان سے رب تیار کرنا کس طرح جائز ہوگیا۔

تیسری شق :

کہ بنی اسرائیلی جب وادی تیہ (وادیٔ سینائی) میں پہنچے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے کوئی قانون اور ضابطہ حیات ہونا چاہیے۔ کیونکہ کوئی قوم آئین کے بغیر نہیں چل سکتی۔ پہلے ہم فرعون کے غلام تھے ان کا آئین ہم پر نافذ تھا۔ اب چونکہ ہم آزاد قوم ہیں لہٰذا اب ہمارے لئے اپنا قانون ہونا چاہیے۔ اس مطالبے پر اللہ تعالیٰ نے ان کو توراۃ عطا فرمائی اور یہ لوگ توراۃ کو سن کر کہنے لگے کہ اس کے احکامات تو بہت سخت ہیں اس پر ہم عمل نہیں کر سکتے۔ تو تمہارا یہ کہنا کہ ہم تو اس کو مانتے ہیں جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے۔ کس طرح درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

رفعِ طور :

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر طور پہاڑ کو۔ اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو اکھیڑ کر ان کے سروں پر اس طرح کھڑا کر دیا جس طرح یہ مسجد کی چھت ہمارے سروں پر ہے۔ اور کہا ہم نے.........

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ پکڑو اس کو جو ہم نے تمہیں دیا ہے مضبوطی کے ساتھ وَّاسْمَعُوْا اور سنو قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا انہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور ہم نے مانا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کتاب ہم نے سن لی ہے مگر اس پر عمل نہیں کریں گے تو کیا تمہارا ایمان تمہیں یہ سبق دیتا ہے کہ وعدہ کر کے بگڑ جاؤ؟۔

وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ اور پلادی گئی ان کے دلوں میں بچھڑے

کی محبت بِكُفْرِهِمْ ان کے کفر کی وجہ سے قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں بری ہے وہ چیز جس کے لئے حکم کرتا ہے تمہیں تمہارا ایمان اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم مومن ہو۔ کیا تمہارا ایمان تمہیں بچھڑے کی پوجا کا حکم دیتا ہے۔ اور تمہارا ایمان یہ ہے کہ وعدہ کر کے توڑ دو تم کس منہ سے کہتے ہو کہ ہم اس کو مانتے ہیں۔ جو ہمارے اوپر نازل کی گئی ہے۔ پھر یہ سب کچھ کرنے کے باوجود کہتے تھے کہ آخرت کا گھر جنت تو صرف ہمارا ہے۔ چنانچہ اسی بارہ میں آگے آئے گا.........

قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى یہودیوں نے کہا کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں داخل ہوسکتا اور عیسائیوں نے کہا کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں داخل ہوسکتا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے......

قُلْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ اگر ہے تمہارے لئے آخرت کا گھر عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً اللہ تعالیٰ کے ہاں خالص تمہارے ہی لئے مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ دوسرے لوگوں کے سوا فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ پس تم موت کی تمنا کرو اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو۔ کیونکہ تمہارے اور اللہ کے درمیان صرف موت ہی حائل ہے۔ لہٰذا جلدی موت کی تمنا کرو اور اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! ہمیں جلدی موت دے تاکہ ہم جنت میں چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا اور وہ اس موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے۔ (کبھی بھی)۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اس وجہ سے کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا

ہے۔ان کو اپنے کرتوتوں کا علم ہے۔لہٰذا یہ موت کی تمنا کبھی بھی نہیں کریں گے۔او رجن لوگوں نے آخرت کی تیاری کی ہوتی تھی ان کے متعلق اس مقام پر تفسیروں میں بڑے عجیب وغریب واقعات نقل کئے گئے ہیں.........

﴿موت سے مؤمنین کی محبت کے واقعات﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ :

①...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ تیروں کی بارش ہو رہی تھی نماز کا وقت ہو گیا باوضو تھے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور اپنی چادر بچھا کر نماز شروع کر دی ان کے بڑے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا ابا جی تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور آپ نے نماز شروع کر دی ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا......

لَا يُبَالِيْ اَبُوْكَ عَلَى الْمَوْتِ سَقَطَ اَمْ سَقَطَ عَلَيْهِ الْمَوْتُ بیٹا تیرے باپ کو کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ موت پر گرے گا یا موت اس پر گرے۔یہ حضرات تو موت کو تلاش کر رہے تھے موت اپنا کام کرے گی اور ہم اپنا کام کریں گے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ :

②...... حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اس طرح زخمی ہوئے کہ نیزہ بدن کے ایک طرف سے لگا اور دوسری طرف نکل گیا اور خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ساتھیو! مجھے مبارک دو۔ساتھیوں نے کہا حضرت آپ کے

بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ فرمایا کہ میں تو موت سے خوش ہو رہا ہوں اَلْاٰنَ اَلْاَقِیْ الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَہٗ اب میری ملاقات ہوگی آنحضرت ﷺ سے اور دوسرے ساتھیوں سے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی موت سے محبت :

③...... حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایران کے ایک محاذ پر ایرانیوں کے خلاف لڑ رہے تھے رستم بن فرخ زاد ایرانیوں کا بڑا قابل جرنیل تھا۔ اس نے دھمکی آمیز خط لکھا کہ دیکھو انسانی ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہوئے میں تمہیں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ انسانی ہمدردی کی وجہ سے تمہیں کہتا ہوں کہ تم واپس اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ جو تمہارے ساتھ جوشیلے نوجوان ہیں ان کو نہ مرواؤ۔ کسی کی ماں روئے گی کسی کی بیوی روئے گی، کسی کے بچے یتیم ہوں گے، موت کے منہ میں نہ آؤ۔ اور اپنی بھیڑ، بکریاں، اونٹ جا کے چراؤ۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب لکھا، فرمایا یاد رکھو! فَاِنَّ مَعِیَ قَوْمٌ بے شک میرے ساتھ ایسی قوم ہے یُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ وہ موت کو اس طرح پسند کرتے ہیں کَمَا یُحِبُّوْنَ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ جس طرح (تم) عجمی (لوگ) شراب کو پسند کرتے ہو۔ ان کو موت سے ڈرانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی یہ موت سے ڈرتے ہیں ۔

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

شہادت کی موت کو یہ لوگ حیات سمجھتے ہیں۔ رستم دھمکی دے کر چلا گیا اس

کے بعد دوسرا جرنیل آیا ''بامان ارمنی''۔

☆...... اس نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارے پاس کتنے فوجی ہیں؟۔

❀...... سچے لوگ تھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں تھی فرمایا میرے ساتھ صرف سات سو فوجی ہیں۔

☆...... اس نے کہا میرے پاس تیرہ ہزار سے زائد فوجی ہیں۔لہٰذا تم موت کے منہ میں نہ آؤ۔ یہاں سے واپس چلے جاؤ۔

❀...... حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَوَاعِظٌ اَنْتَ اَمْ مُقَاتِلٌ تو ہمیں نصیحت کرنے کے لئے آیا ہے یا لڑنے کے لئے؟۔

☆...... کہنے لگا لڑنے کے لئے آیا ہوں۔مگر یہ بتاؤ کہ تمہارے لئے پیچھے سے کمک (مدد) کہاں سے آئے گی؟۔ کیونکہ میرے پاس تیرہ ہزار فوج ہے اور پیچھے سے مزید فوج بھی آسکتی ہے۔

❀...... حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَمَّا فِی الْاَرْضِ فَلَا زمین سے تو ہمارے لئے کمک نہیں آئے گی۔ بلکہ آسمان سے مدد آئے گی۔

چنانچہ جنگ ہوئی سات سو نے تیرہ ہزار کو شکست فاش دی۔کافروں کا ہزار آدمی مارا گیا۔اور ادھر صرف سات مسلمان شہید ہوئے۔جو جنت کا طالب ہوتا ہے وہ موت سے نہیں ڈرتا۔تو فرمایا یہ یہودی کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ م بِالظّٰلِمِیْنَ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو۔

یہ موت کی تمنا تو کیا کریں گے بلکہ وَلَتَجِدَنَّھُمْ اور البتہ آپ ضرور پائیں گے

ان لوگوں کو اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر۔ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اوران سے بھی زیادہ حریص جنہوں نے شرک کیا۔اور مشرکوں میں سے ایسے بھی تھے جو قیامت کے منکر تھے۔عیسائی اور یہودی قیامت کے قائل تھے مگران کو اپنے ایمان کا پتہ تھا کہ اس کے نتیجے میں ہمیں وہاں جو کچھ ملنا ہے لہٰذا وہ کہتے تھے کہ اسی دنیا میں کھا، پی لو اور جو کچھ کرنا ہے یہیں کرلو۔اس لئے کہ..........

یَوَدُّ اَحَدُھُمْ ان میں سے ہرایک پسند کرتا ہے لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ کاش کہ اس کو ہزار سال عمر دے دی جائے وَمَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ مِنَ الْعَذَابِ حالانکہ نہیں ہے وہ عمر دور کرنے والی اس کو عذاب سے اَنْ یُّعَمَّرَ یہ کہ اگر اس کو عمر دے دی جائے۔یعنی اگران کو ہزار سال عمر دے دی جائے تو کیا یہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ابلیس لعین کتنے ہزار سال سے زندہ ہے؟ تو کیا جب وہ مرے گا عذابِ الٰہی سے بچ جائے گا۔اور یہ بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے ان کی زبانیں حق کے خلاف بڑی تیز ہیں۔اوران کے اعمال بہت برے ہیں۔لہٰذا ان کو ہزار سال عمر کامل جانا عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ اوراللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔اس کے مطابق ان کو بدلا دے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

لفظی ترجمہ :

قُلْ آپ (ﷺ) فرمادیں مَنْ كَانَ عَدُوًّا جو شخص دشمن ہے

لِّجِبْرِيْلَ جبرائیل (علیہ السلام) کا فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ پس بے شک اسی نے نازل کیا ہے اس قرآن کریم کو عَلٰى قَلْبِكَ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل پر بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُصَدِّقًا قرآنِ کریم تصدیق کرنے والا ہے لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ اور ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لئے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ جو شخص دشمن ہے اللہ تعالیٰ کا وَمَلٰٓئِكَتِهٖ اور اس کے فرشتوں کا وَرُسُلِهٖ اور اس کے رسولوں کا وَجِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ اور جبرائیل اور میکائیل (علیہما السلام) کا فَاِنَّ اللّٰهَ پس بے شک اللہ تعالیٰ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ دشمن ہے کافروں کا۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اور البتہ تحقیق ہم نے نازل کیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اٰيٰتٍ ۢ بَيِّنٰتٍ صاف صاف آیتیں وَمَا يَكْفُرُ بِهَا اور نہیں انکار کرتے ان آیتوں کا اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ مگر نافرمان لوگ۔

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا اور جب کبھی وعدہ کیا انہوں نے عَهْدًا نَّبَذَهٗ وعدہ کرنا پھینک دیا اس کو فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک فریق نے بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ بلکہ ان میں سے اکثر ایمان

نہیں لاتے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ اور جب آیا ان کے پاس رسول مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ تصدیق کرنے والا ہے اس چیز کی جو ان کے پاس ہے نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ پھینک دیا ایک گروہ نے ان میں سے اُوْتُوا الْكِتٰبَ جن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب دی گئی كِتٰبَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ اپنی پشتوں کے پیچھے كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔

شانِ نزول، فدک کا باغ :

ان آیات کا شانِ نزول اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے قریب تین دن کی مسافت پر ایک مقام تھا جس کا نام تھا ''فدک'' یہاں پر کھجوروں کے باغ بھی تھے۔ رافضیوں نے جس باغ فدک کی رَٹ آج تک لگائی ہوئی ہے کہ وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے غصب کر کے اہلِ بیت کا حق مارا ہے۔ وہ باغ اسی علاقہ ''فدک'' میں تھا اسی وجہ سے اس کو ''باغ فدک'' کہتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مالک نہیں تھے بلکہ وہ مال وقف تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متولی تھے۔ اس کی آمدنی سے آپ اپنے گھر کا خرچہ بھی چلاتے تھے اور اصحاب صفہ (رضی اللہ عنہم) آپ کے مدرسہ کے جو طالب علم تھے ان پر بھی خرچ کرتے تھے اور مساکین اور ضرورتمندوں پر بھی

خرچ کرتے تھے۔ اور مہمانوں کی خدمت بھی اس سے کرتے تھے۔ تو وہ آنحضرت ﷺ کی ملکیت نہیں تھا کہ وراثت میں حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو ملتا۔ بلکہ آپ کی ملکیت بھی ہوتا تو ان کو نہیں مل سکتا تھا۔ کیونکہ پیغمبر ﷺ کے مال میں وراثت نہیں چلتی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے.........

نَحْنُ مَعْشَرُ الْاَنْبِيَاءِ لَانُوْرِثُ وَلَانُوْرَثُ مَاتَرَكْنَهُ صَدَقَةٌ ہم انبیاء علیہم السلام کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اور نہ ہم کسی کے وارث ہوتے ہیں ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ، خیرات ہوتا ہے۔ بلا وجہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرتے ہیں۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان حضرات نے یہ باغ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہ دے کر اہلِ بیت کا حق مارا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تو ان کو یہ حق نہیں دیا۔ کیونکہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور تقریباً چار سال خلیفہ رہے۔ ان کو اختیار تھا۔ اگرچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو فوت ہو چکی تھیں مگر ان کی اولاد تو موجود تھی۔ یہ باغ ان کی اولاد کے حوالے کر دیتے۔ مگر انہوں نے اولاد کو نہ دیا۔ تو پھر جس طرح اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم نہ دے کر ظالم ٹھہرے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس ظلم میں برابر کے شریک ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ)۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ رافضیوں کا نظریہ بالکل غلط اور بے سروپا ہے تو خیر یہ فدک کا مقام بڑا مشہور تھا اور اس کی شہرت کی وجہ یہ تھی کہ عرب کے علاقہ میں یہودیوں کا سب سے بڑا عالم جس کا نام عبداللہ بن صوریا تھا وہ اس علاقہ میں رہتا تھا۔ ایک آنکھ سے کانا تھا۔ اور بڑا شریر قسم کا آدمی تھا۔ چونکہ اپنے مذہب کا بڑا پیشوا تھا

اور لوگ دور دراز سے اس کو ملنے کے لئے آتے تھے یہ لوگوں کو الٹی سیدھی باتیں پڑھا سکھا کر بھیجتا کہ جا کر نبی سے یہ سوال کرو۔ اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے یہ سوال کرو۔ عمر (رضی اللہ عنہ) سے یہ سوال کرو۔

فدک میں یہودیوں کا ''بیت المدارس'' کے نام پر ایک کالج تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کالج میں تشریف لے گئے کہ ان میں سے جو لوگ خود میرے پاس نہیں آتے اور میں بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں اپنا پروگرام پیش کروں تا کہ حجت تمام ہو جائے۔ اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے علم میں نہیں تھا اتفاق کی بات ہے کہ جب آپ ﷺ تشریف لے گئے ابن صوریا بھی کالج میں تھا سوال و جواب شروع ہوئے۔ ہر بات میں وہ لا جواب ہوا۔

آخر میں کہنے لگا اچھا بتاؤ کہ تمہاری طرف وحی کون سا فرشتہ لاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جبرئیل علیہ السلام'' کہنے لگا یہ تو ہمارا دشمن ہے کہ آپ (ﷺ) کے پاس ہماری چغلیاں کھاتا ہے۔ کہ ان کے بڑوں کے کئے ہوئے کرتوت بذریعہ وحی آنحضرت ﷺ کو بتا دیتا ہے۔ اگر جبرائیل علیہ السلام کی جگہ میکائیل علیہ السلام ہوتے جن کے ذمہ بارشوں کا نظام ہے تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آتے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

قُلْ آپ (ﷺ) فرمادیں مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ جو شخص دشمن ہے جبرائیل (علیہ السلام) کا۔

''جبرائیل'' کا معنیٰ :

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جِبْرْ'' جیم کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھ

سکتے ہیں۔اور "جَبْر" جیم کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ "جِبْر" کا معنی عبرانی زبان میں "بندہ" ہے۔اور "اِیْل" کا معنیٰ "اللہ" ہے۔تو "جبریل" کا معنیٰ "عبداللہ" ہوا۔میکائیل کا معنیٰ بھی عبداللہ ہے۔کیونکہ "میك" کا معنیٰ "عبد" اور "ایل" کا معنیٰ "اللہ" ہے۔اسی طرح اسرافیل کا معنیٰ بھی "عبداللہ" ہے۔یہ تینوں معانی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں بیان فرمائے ہیں۔اور عزرائیل (علیہ السلام) کا نام کسی حدیث کی کتاب میں نہیں آیا۔قرآنِ کریم میں "ملک الموت" کا لفظ آیا ہے۔

البتہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے محدث ہیں انہوں نے فتح الباری میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے عزرائیل نام نقل فرمایا ہے۔تو تینوں کی مناسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ "عزرائیل" کا معنیٰ بھی "عبداللہ" ہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنا :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کو اصلی شکل میں دو دفعہ دیکھا ہے۔

۱)...... ایک دفعہ زمین پر۔

۲)...... اور دوسری مرتبہ معراج کی رات آسمانوں پر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ان کے چھ سو پر تھے اور انہوں نے سارے افق کو گھیرا ہوا تھا۔ان دو مرتبہ کے علاوہ جب بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے ہیں یا تو حضرت "دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ" کی شکل میں یا پھر کسی دیہاتی کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں........

یہود کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دشمنی :

مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ جو شخص دشمن ہے جبرائیل (علیہ السلام) کا فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ پس بے شک اسی نے نازل کیا ہے اس قرآن کریم کو عَلٰی قَلْبِکَ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل پر بِاِذْنِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اس کے ساتھ کسی کی دشمنی کا کیا جواز ہے؟۔ وہ تو کلامِ الٰہی آپ کے قلب پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل کرتا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لاتا ہے۔ خواہ وہ حکم آپ کی موافقت میں جائے یا مخالفت میں۔ اس میں اس کا کیا قصور ہے؟۔ وہ تو سفیر محض ہے۔ سفیر سے کیا دشمنی دنیا میں بھی کسی کے قاصد اور سفیر کے ساتھ لڑنا نادانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت بھی بین الاقوامی قانون یہی تھا کہ سفیروں کو کچھ نہ کہا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ''ثمامہ بن اثال'' اور ''عبداللہ بن نواحہ'' آئے۔

❀ ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟۔

☆ ...... کہنے لگے ہم ''یمامہ'' سے آئے ہیں۔ ''یمامہ'' عرب کے ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے۔ وہاں کے ایک بڑے رئیس مسیلمہ کذاب خبیث نے نبوۃ کا دعویٰ کیا تھا۔ تو کہنے لگے کہ ہم ''یمامہ'' سے آئے ہیں ہمیں ہمارے نبی ''مسیلمہ'' نے بھیجا ہے۔ اس کا پیغام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچانے کے لئے آئے ہیں۔

اس نے کہا ہے کہ تم میرے ساتھ صلح کر لو اس طرح کہ شہری علاقے کے تم نبی اور دیہاتی علاقوں کا میں نبی ہوں یا تم مجھے لکھ دو کہ تمہاری وفات کے بعد میں نبی ہوں گا۔ اور تمہارا خلیفہ ہوں گا۔

❀ ...... آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ حقیقتاً سچ، سچ نبوۃ کا دعویٰ کرتا ہے۔اور تم اس کے ماننے والے ہو؟۔

☆ ...... کہنے لگے: ہاں!

❀ ...... ابوداؤد شریف کی روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا لَوْ لَا اَنَّ الرُّسُلَ لَاتُقْتَلُ لَقَتَلْتُکُمَا اگر بین الاقوامی طور پر یہ قانون نہ ہوتا کہ قاصدوں اور سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا میں تمہیں قتل کر دیتا اس قول کی وجہ سے کہ تم مسیلمہ کو نبی مانتے ہو۔کیونکہ ختم نبوۃ کا منکر قاعدے کے مطابق واجب القتل ہے۔

منکر ختم نبوۃ کی سزا:

وقت گزر گیا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفے کے گورنر مقرر ہوئے ایک دن کوفے کے چوک میں تشریف لائے۔ایک آدمی کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کھڑے ہوگئے۔حالانکہ کھڑے ہونے کا نہ ہی معمول تھا اور نہ ہی عادت تھی۔اور نہ ہی اس طرح غور سے دیکھتے تھے۔اچھی طرح قریب سے جاکر دیکھا اور فرمایا..........

❀ ...... بھائی جی! آپ کا نام کیا ہے؟۔

☆ ...... اس نے بتایا کہ میرا نام ''عبداللہ بن نواحہ'' ہے۔

❀ ...... فرمایا تم آنحضرت ﷺ کے دور میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے؟۔

☆ ...... کہنے لگا، ہاں! میں تھا اور میرے ساتھ ایک اور ساتھی تھا ہم اپنے نبی

مسیلمہ (کذاب) کا پیغام لے کر آئے تھے۔

❀...... فرمایا: اب بھی تو مسیلمہ کو نبی مانتا ہے؟۔

☆...... کہنے لگا، ہاں! اب بھی اس کو نبی مانتا ہوں۔

❀...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے کارندوں کو حکم دیا خُذُوْهُ اس کو پکڑو۔ چنانچہ اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ فرمایا: اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ تو قاصد اور سفیر تھا۔ آج تو قاصد نہیں ہے۔ اپنے اس گندے عقیدے سے توبہ کر لے ورنہ میں تیرا سر قلم کرادوں گا۔

☆...... اس نے کہا کہ عقیدہ تو کوئی نہیں چھوڑتا۔ (جس طرح آج کل قادیانی ڈٹے ہوئے ہیں)۔

❀...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے کارندوں کو حکم دیا کہ سولی گاڑھ دو۔ حالانکہ نہ تو اس کو ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں اور نہ ہی اس نے بیڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ چوراہے پر اس کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ کہ جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کی یہ سزا ہے۔

لیکن نوجوانو یاد رکھنا! یہ سزا دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ شریعت عوام کو اجازت نہیں دیتی کہ جو کافر ہو، مرتد ہو اس کو قتل کر دو۔ اور چور کے ہاتھ کاٹ دو۔ زانی (اگر شادی شدہ ہے تو اس کو) سنگسار کر دو۔ اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو کوڑے مارو۔ اور شرابی کو کوڑے مارو۔ عوام اس کی مجاز نہیں ہے اگر از خود کوئی ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ تو جبرائیل علیہ السلام تو سفیر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے دل پر قرآن اتارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قرآنِ کریم تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ اور تمہی ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لئے۔ ماننے والوں کو رب تعالیٰ کی رضا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہے۔ فرمایا...........

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ جو شخص دشمن ہے اللہ تعالیٰ کا وَمَلٰٓئِكَتِهٖ اور اس کے فرشتوں کا وَرُسُلِهٖ اور اس کے رسولوں کا وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ اور جبرائیل اور میکائیل (علیہما السلام) کا۔ ان دونوں فرشتوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا حالانکہ ملائکہ میں یہ بھی شامل ہیں کیونکہ ابن صوریا نے ان کے نام لئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ پس بے شک اللہ تعالیٰ دشمن ہے کافروں کا۔ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے ہیں اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے فرشتوں کا انکار کرتے ہیں۔ جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں حدیث قدسی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں..........

اولیاء اللہ کی توہین پر اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ :

مَنْ عَادٰى وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزْتُهٗ بِالْحَرْبِ جو شخص میرے دوست کے ساتھ دشمنی کرے گا میرا اس کو جنگ کا الٹی میٹم ہے۔ یاد رکھنا! کوئی آدمی اللہ والوں کے ساتھ عداوت کر کے سکون میں نہیں رہا۔

’’بہاری‘‘ اور مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ :

بہاریوں کی ذلت تمہارے سامنے ہے کہ در بدر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ نہ بنگلہ دیش ان کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے اور نہ پاکستان۔ ان بہاریوں نے اللہ تعالیٰ کے ولی ’’مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ‘‘ کی توہین کی تھی۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ صوبہ بہار میں ایک مقام تھا ’’بھاگل پور‘‘ حضرت شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تقریر کرنے کے لئے وہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت لیگ اور کانگرس کا بڑا زور تھا۔ ان بہاریوں نے حضرت کو اسٹیشن پر روک لیا اور کہا کہ ہم تمہاری تقریر نہیں سنتے۔

حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے نہ سنو، مگر مجھے اپنے دوستوں کو تو ملنے دو۔ یہ لوگ بدتمیزی پر اتر آئے اور وہیں اسٹیشن پر حضرت کی ڈاڑھی میں شراب ڈالی تھی۔ اختلافِ رائے ہوتا رہتا ہے۔ رائے کے ساتھ اختلاف کرو۔ مگر توہین کا کیا مطلب ہے؟۔ اس اللہ والے کی ناقدری کا نتیجہ بھگت رہے ہیں اور ذلیل و خوار ہوتے پھر رہے ہیں۔

قیامِ پاکستان اور بزرگوں کی پیش گوئی، تجاویز :

دیکھو! بات آئی گئی ہوگئی۔ تو یہ بھی سمجھ لو کہ اصولی طور پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ملک کی تقسیم کے قائل نہیں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اور حقیقت ہے کہ دس سال بعد تمہیں اقرار کرنا پڑا کہ ان حضرات نے جن خرابیوں کی نشاندہی کی تھی وہ اسی طرح سچ ثابت ہوئی ہیں۔

بہر حال حضرت تقسیم ہند کے قائل نہیں تھے۔ مگر جب پاکستان بننے کا فیصلہ

ہو گیا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے ''رفیع قدوائی'' کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ''محمد اسماعیل نواب آف چھتاری'' کے پاس یہ اس وقت ہندوستان میں مسلم لیگ کا بہت بڑا لیڈر تھا۔ اور صوبے کا امیر تھا۔ پیغام یہ بھیجا تھا کہ بھائی! تم مقدمہ جیت گئے اور ہم ہار گئے۔ مگر ہماری ایک بات تم مان لو اور فیصلہ کرنے والوں تک یہ بات پہنچاؤ۔ کیونکہ ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ آپ چونکہ صوبے کے امیر ہیں۔ لہٰذا ہماری یہ بات وہاں تک پہنچا دو وہ یہ کہ پاکستان کے لئے دہلی تک کا رقبہ لے لینا اور بنگال نہ لینا۔ یہ بنگالی تمہارے ساتھ تیس سال بھی نہیں رہیں گے۔ انہوں نے یہ بات سہارن پور میں خطبے کے دوران بھی کہی تھی میں خود اس خطبے میں موجود تھا ان کی تقریر کانوں سے سنی تھی۔

جو بزرگوں نے کہا تھا وہ حقیقت ثابت ہوا ان کا وہ خطبہ پاکستان میں طبع نہیں ہو سکتا یہاں پابندی ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''ہندوستان میں مسلمانوں کی خیر نہیں اور پاکستان میں اسلام کی خیر نہیں ہوگی''۔ خیر بات دور چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:..........

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍ م بَیِّنٰتٍ اور البتہ تحقیق ہم نے نازل کیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف صاف صاف آیتیں وَمَا یَکْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ اور نہیں انکار کرتے ان آیتوں کا مگر نافرمان لوگ اَوَ کُلَّمَا عٰهَدُوْا اور جب کبھی وعدہ کیا انہوں نے عَهْدًا نَّبَذَهٗ وعدہ کرنا۔ پھینک دیا اس کو فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک فریق نے بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور جب آیا ان کے پاس رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے (یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ تصدیق کرنے والا ہے اس چیز کی جو ان کے پاس ہے۔تورات، زبور، انجیل اور دیگر صحیفے۔

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ پھینک دیا ایک گروہ نے ان میں سے اُوْتُوا الْكِتٰبَ جن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب دی گئی كِتٰبَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ اپنی پشتوں کے پیچھے۔یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات سے روگردانی کی اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو کسی درجے میں بھی تسلیم کرتے تو خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لے آتے۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں آخری پیغمبر کا ذکر موجود ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (پارہ : ۹)۔جو رسول نبی امی ہے جس کو وہ لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں۔آج بھی آپ ﷺ کی آمد کی بشارتیں ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ باوجودیکہ پادریوں نے بڑی تحریفات کی ہیں بلکہ جن کتابوں میں آپ ﷺ کا ذکر مبارک صراحت کے ساتھ موجود ہے ان کو ماننے کے لئے ہی تیار نہیں ہیں کہ یہ ہماری کتابیں ہیں۔

’’انجیل برنباس‘‘ اور عیسائی :

چنانچہ انجیل ’’برنباس‘‘ جس کا اردو نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے۔اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ہماری کتاب نہیں ہے۔ بھائی! یہ تمہاری کتاب کیوں نہیں ہے؟۔’’برنباس‘‘ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی ہیں۔یہ ان کی مرتب کی ہوئی ہے اس

لئے اس کا نام ''انجیل برنباس'' ہے۔اور ''متی، لوقا، مرقس اور یوحنا'' تو تابعی ہیں۔ تابعین کی جمع کی ہوئی اناجیل منظور اور صحابی کی منظور کی ہوئی انجیل نامنظور۔ یہ کیا بات ہوئی؟۔

نامنظور کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس میں صاف اور صریح الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''لوگ مجھے رب کا بیٹا اور شریک بنائیں گے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ آ کر میری صفائی دیں گے۔ بس ان الفاظ کی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ ہماری کتاب نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے عیسائیت پر ضرب کاری لگتی ہے اور انجیل برنباس میں دو جگہوں پر صاف لفظ ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو فرمایا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا۔

كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں اور ان میں یہ تمام باتیں لکھی ہوئی ہیں۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڐ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا

يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾ ع

لفظی ترجمہ :

وَاتَّبَعُوْا اوران لوگوں نے پیروی کی مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ اس چیز کی جو پڑھتے تھے جنات عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ سلیمان (علیہ السلام) کے عہد حکومت میں وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ اور نہیں کفر کیا سلیمان (علیہ السلام) نے وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا اور لیکن جنات اور شیطانوں نے کفر اختیار کیا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وہ سکھاتے تھے لوگوں کو جادو۔

وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ اور وہ چیز جو اتاری گئی دو فرشتوں پر بِبَابِلَ بابل (شہر میں) هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ہاروت اور ماروت (علیہما السلام پر) وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ اور وہ دونوں کسی کو نہیں سکھاتے تھے حَتّٰى يَقُوْلَآ یہاں تک کہ وہ دونوں کہتے تھے اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ بے شک ہم آزمائش ہیں فَلَا تَكْفُرْ پس تو کفر اختیار نہ کر۔

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا پس سیکھتے تھے لوگ ان دونوں سے مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ تفریق کرتے تھے اس کے ذریعے بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ مرد اور عورت کے درمیان وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ اور وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے جادو کے ذریعے مِنْ اَحَدٍ کسی کو اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ مگر

اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

وَيَتَعَلَّمُوْنَ اور سیکھتے ہیں مَا يَضُرُّهُمْ وہ چیز جو ان کو نقصان پہنچاتی ہے وَ لَا يَنْفَعُهُمْ اور ان کو نفع نہیں دیتی وَلَقَدْ عَلِمُوْا اور البتہ تحقیق وہ جانتے ہیں لَمَنِ اشْتَرٰهُ البتہ وہ شخص جس نے جادو کو حاصل کیا مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ نہیں ہے اس کے لئے آخرت میں مِنْ خَلَاقٍ کچھ حصہ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اور البتہ بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کاش کہ وہ جانتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا اور اگر بے شک وہ لوگ ایمان لے آتے وَاتَّقَوْا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ البتہ بدلا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتر لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کاش کہ وہ لوگ جانتے۔

جادو کی شرعی حیثیت :

دنیا میں جتنی چیزیں ہیں ان میں بعض کا تعلق تو اسباب کے ساتھ ہے کہ وہ اسباب کے ذریعے معرضِ وجود میں آتی ہیں۔ مثلاً چھری کے ذریعہ گلا کاٹنے سے آدمی مر جاتا ہے۔ سینے میں گولی لگنے سے آدمی مر جاتا ہے۔ بعض دوائیں مفید ہوتی ہیں کہ ان کے کھانے سے اللہ تعالیٰ شفا دیتا ہے۔ اور زہر کا کھانا موت کا سبب ہے۔ غرضیکہ بہت سی چیزیں ہیں کہ جن کا تعلق اسباب کے ساتھ ہے۔

جادو بھی اسی قسم سے ہے کہ جس کا تعلق اسباب کے ساتھ ہے اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اسباب سے بالاتر ہوتی ہیں۔ ظاہری طور پر ان کا اسباب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ صرف رب تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ اور وہ ہو جاتی ہیں۔

معجزہ اور جادو میں فرق :

جیسے معجزہ اور کرامت۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور کرامت ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے۔ معجزہ پیغمبر کا ذاتی فعل نہیں ہوتا۔ اور کرامت ولی کا ذاتی فعل نہیں ہوتا۔ اور اگر ذاتی فعل ہو تو جب چاہیں کر لیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اسی طرح اگر ذاتی فعل ہے تو اس سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب نبوۃ عطا فرمائی تو ''ید بیضاء'' اور ''عصا مبارک'' والا معجزہ بھی عطا فرمایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی پھینک دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب لاٹھی پھینکی تو وہ سانپ بن گئی۔ رات کا وقت تھا مگر وہاں اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی تھی۔ جب سانپ بن گئی تو موسیٰ علیہ السلام نے کیا، کیا؟..........

وَلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا کہ یہ سانپ ہے اس سے بچنا چاہیے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی سمجھ آ گیا کہ موذی چیز سے بچنا ایمان کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام سے زیادہ مضبوط ایمان کس کا ہو سکتا ہے؟۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا.......

اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ اس کی طرف متوجہ ہوں اور ڈریں نہ، خوف نہ کریں۔ خُذْھَا اس کو پکڑ لیں۔ سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی

ہم اس کو پہلی حالت میں بدل دیں گے۔ یہ بھی لاٹھی بن جائے گی اگر موسیٰ علیہ السلام کا اختیاری فعل ہوتا تو ڈر کر بھاگتے کیوں؟۔ تو جس طرح معجزہ نبی کا ذاتی فعل نہیں ہوتا اسی طرح کرامت ولی کا ذاتی فعل نہیں ہوتا۔

چنانچہ تیسرے پارے میں آتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام بچی تھیں۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے مکان پر چوبارہ تھا اس کو جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ بڑا ہوادار تھا۔ یہ اسی چوبارہ میں رہتی تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب کہیں تشریف لے جاتے تو تالا لگا کر جاتے تھے وہ اندر کھیلتی رہتی تھیں۔ اور جب واپس آئے.........

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ جب بھی حضرت زکریا (علیہ السلام) ان کے پاس واپس آتے تو ان کے پاس بے موسم کے پھل دیکھتے اور پوچھتے **أَنّٰى لَكِ هٰذَا؟** یہ تجھے کہاں سے ملے ہیں؟۔ **قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** وہ فرماتیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہ ان کی کرامت تھی کیونکہ دروازہ بند ہے، تالا لگا ہوا ہے مگر بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ان کا ذاتی فعل نہیں تھا۔ تو معجزے اور کرامت کا اسباب کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا اور جادو کا اسباب کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

اس مقام پر شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جادو کی تیرہ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ اور وہ تمام کی تمام ناجائز اور حرام ہیں۔ شیطانوں سے مدد لی جاتی ہے جو کہ غیر اللہ سے استعانت ہے وغیرہ، وغیرہ سب حرام ہیں۔ بلکہ اگر کوئی جائز کام دوسروں کو بلا وجہ نقصان پہنچانے کے لئے ہو تو وہ بھی جادو کی قسم ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر جادو کا الزام :

یہودیوں اور عیسائیوں کے مولوی اور پیر جادو کرتے تھے اور اس کے ذریعے جب کرتب کرتے، عوام کو کہتے کہ یہ ہماری کرامت ہے۔ عوام بڑے سطحی ذہن کے لوگ ہوتے ہیں۔ عجیب و غریب قسم کی چیزیں دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ واقعی یہ ''پہنچے'' ہوئے ہیں۔ انہوں نے بے حساب عوام کے ذہن بگاڑ دیئے تھے۔

پھر اس جادو کی لڑی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ملاتے کہ یہ ان سے نقل ہوتا ہوا چلا آرہا ہے۔ حالانکہ وہ تو معصوم پیغمبر تھے۔ وہ ایسا برا کام کب کر سکتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تردید فرمائی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے.........

وَاتَّبَعُوْا اور ان لوگوں نے پیروی کی مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ اس چیز کی جو پڑھتے تھے جنات عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ سلیمان (علیہ السلام) کے عہد حکومت میں۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو انسانوں، جنوں، جانوروں اور پرندوں پر بادشاہی کا حق عطا فرمایا تھا اور وہ جانوروں اور پرندوں کی بولیاں بھی جانتے تھے۔ اور اس زمانے میں جنات، انسانوں کو نظر آتے تھے اور جادو کرتے تھے تو یہودیوں کے مولویوں اور پیروں نے اس جادو کی پیروی کی ہے۔ جو جنات پڑھتے تھے اور یہ تو کفر ہے۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ اور نہیں کفر کیا سلیمان (علیہ السلام) نے وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا اور لیکن جنات اور شیاطین نے کفر اختیار کیا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وہ سکھاتے تھے لوگوں کو جادو۔ اور جادو کفر ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جادو نہ سیکھا نہ سکھایا۔ یہ چیزیں جنات اور شیاطین سے نقل ہوتی آرہی ہیں۔

کرامت اور معجزے کا بھی ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور جس آدمی سے کوئی عجیب وغریب چیز ظاہر ہو اس کو ولی نہ سمجھ لینا اور اگر عجیب وغریب چیز کا ظاہر ہونا ولایت کی دلیل ہے تو پھر دجال تو رَئِیْسُ الْاَوْلِیَاءْ ہوگا۔ کہ اس جیسی عجیب وغریب حرکتیں کون کر سکتا ہے؟۔ وہ بارش برسنے کا حکم دے گا، بادل اکٹھے ہوں گے اور بارش برسانی شروع کر دیں گے۔ زمین پر پاؤں مارے گا زمین سونا، چاندی اگل دے گی۔ اور چیزوں کو اپنے پیچھے چلنے کا اشارہ کرے گا ساری چیزیں اس کے پیچھے چل پڑیں گی۔

لہٰذا کسی سے عجیب وغریب چیزوں کا ظاہر ہونا اس کے ولی ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ دیکھیں گے کہ مومن ہے یا کافر؟۔ اگر مومن ہے تو پھر دیکھیں گے کہ شریعت کا پابند ہے یا نہیں؟ اگر شریعت کا پابند نہیں ہے تو پھر ولی نہیں ہے اگر شریعت کا پابند ہے اور اس کے ہاتھ پر کوئی چیز خلافِ عادت ظاہر ہوئی ہے تو وہ کرامت ہوگی۔

ہاروت وماروت علیہما السلام کا قصہ :

وَ مَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ اور وہ چیز جو اتاری گئی دو فرشتوں پر بابل (شہر میں) هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ہاروت اور ماروت (علیہما السلام پر)۔ بابل ملک عراق کا ایک بہت بڑا شہر تھا اور اس کی خاصی آبادی تھی۔ بابل شہر میں جادو کا بڑا زور تھا جس طرح آج کل کراچی ٹھگوں سے بھرا پڑا ہے۔ لوگوں سے فراڈ کر کے پیسے بٹورتے ہیں اور لوگ بے وقوف ہیں دیتے ہیں، اور صرف کراچی ہی نہیں اور بہت سی جگہیں ہیں، گکھڑ بھی خالی نہیں ہے۔

یاد رکھنا! جادو کرنا اور کرانا قطعاً جائز نہیں ہے جائز طریقے سے جن میں شرعی قباحت نہ ہو دم اور تعویذات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میرے پاس بھی مرد، عورتیں تعویذ لینے کے لئے آتے ہیں۔ تعویذ لینے کے بعد عورتیں فیس پوچھتی ہیں میں کہتا ہوں کہ میں نے کبھی کسی سے کچھ مانگا نہیں ہے۔ اگر کوئی خوشی کے ساتھ کچھ دے جائے تو رد بھی نہیں کرتا۔ بڑی حیران ہوتی ہیں کہ فلاں مولوی صاحب نے تو ہم سے پانچ سو روپیہ مانگا ہے۔ اور فلاں نے تین سو مانگا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں نے ہمیں یہی سبق دیا ہے۔ الحمدللہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے ہم اسی پر عمل کر رہے ہیں۔

بہر حال بابل شہر میں جادو کا بڑا زور تھا یہودیوں کے مولوی اور پیر کرتے تھے اور اس کو اپنی کرامتوں کا نام دیتے تھے کہ یہ ہماری کرامتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جادو اور کرامت میں فرق بتانے کے لئے دو فرشتوں ہاروت اور ماروت علیہما السلام کو نازل فرمایا۔ وہ فرشتے مجمع لگا لیتے تھے اور لوگوں کو کہتے کہ بھائی یہ تمہارے مولوی اور پیر جو کام کر رہے ہیں یہ جادو ہے۔ ان کے قریب نہ جاؤ۔ یہ کرامتیں نہیں ہیں۔ لوگ کہتے کہ تم تو جادو جانتے نہیں ہو لہٰذا تم کس طرح کہتے ہو کہ یہ جادو ہے۔ وہ کہتے کہ رب تعالیٰ نے ہمیں جادو کا علم دیا ہے۔ اور بتا بھی سکتے ہیں مگر وہ کفر ہے۔ اس لئے تم جادو نہ سیکھو اور اگر تم اصرار کرو گے تو ہم تمہیں سکھا بھی دیں گے۔ مگر ہم آزمائش اور امتحان ہیں۔ تمہاری آزمائش کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ اور وہ دونوں کسی کو نہیں سکھاتے تھے حَتّٰى يَقُوْلَآ یہاں تک کہ وہ دونوں کہتے تھے اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ بے شک ہم

آزمائش ہیں فَلَا تَكْفُرْ پس تو کفر اختیار نہ کر۔ مگر اس کے باوجود لوگ ان سے سیکھتے تھے اور انہوں نے لوگوں کو کچھ چیزیں بتائیں جو منتقل ہوتی آرہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا پس سیکھتے تھے لوگ ان دونوں سے مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ تفریق کرتے تھے اس کے ذریعے مرد اور عورت کے درمیان۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر :

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''جادو کا یہ اثر ہے کہ بندے کا گدھا اور گدھے کا بندہ بن جائے''۔ اور ان فرشتوں کے متعلق عجیب قسم کی کہانیاں تفسیروں میں موجود ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

مثال کے طور پر ایک کہانی یہ بھی لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی خواہشات رکھیں۔ ان فرشتوں کی نگاہ ایک عورت پر پڑ گئی یہ اس کے پیچھے لگ گئے اور اس عورت سے نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے درخواست کی۔ اس عورت نے خواہش کی تکمیل کے لئے یہ شرط لگائی کہ مجھے اسم اعظم سکھا دو۔ جسے تم پڑھ کر آسمانوں پر چلے جاتے ہو اور واپس آجاتے ہو۔ فرشتوں نے اس عورت کو اسم اعظم سکھا دیا پھر اس عورت نے کہا کہ میرے ساتھ یہ لڑکا ہے اس کو قتل کر دو ورنہ یہ راز فاش کردے گا۔

فرشتوں نے ایسا کرنے سے معذرت کی۔ تو عورت نے کہا اچھا یہ شراب پی لو، بڑی لذیذ ہے۔ فرشتوں نے شراب پی لی۔ اور نشے میں آکر انہوں نے لڑکے کو

قتل کر دیا اور زنا کے بھی مرتکب ہوئے۔اور عورت اسم اعظم پڑھ کر اوپر چلی گئی اور زہرہ ستارہ بن گئی۔اور ان کو سزا کے طور پر بابل شہر کے ایک کنویں میں الٹا لٹکا دیا گیا۔ تا کہ یہ سزا بھگتیں۔حاشا وکلا۔قطعاً کوئی ایسی بات نہیں ہے۔یہ یہودیوں کی گھڑی ہوئی کہانیاں اور خرافات ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے اور آزمائش کے طور پر آئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کا ذہن صاف کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

اس کو تم اس طرح سمجھو کہ رشوت خوروں کو پکڑنے کے لئے ''انٹی کرپشن'' والے نوٹوں پر دستخط کر کے دیتے ہیں کہ یہ نوٹ تم رشوت کے طور پر دو جب وہ دے دیتے ہیں تو چھاپہ مار کر پکڑ لیتے ہیں۔تو یہ رشوت جو دی گئی ہے یہ بدکاروں کو پکڑنے کا ذریعہ ہے۔اسی طرح ان کی برائی کو واضح کرنے کے لئے فرشتے بھیجے گئے تھے ایسا نہیں ہے کہ وہ انسان بن گئے تھے اور ان میں انسانی خواہشات پیدا ہو گئی تھیں۔ اور پھر وہ گناہ میں مبتلا ہو گئے۔معاذ اللہ تعالیٰ۔

☆ فرشتوں کی صفت ہے.........

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ رب تعالیٰ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔فرمایا.........

وَ مَا ھُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اور وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے جادو کے ذریعے کسی کو اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو تو جادو بھی کچھ اثر نہیں کر سکتا۔ہر چیز میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

دیکھو! آگ کا کام ہے جلانا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے آلاؤ میں ڈالا گیا وہ آپ علیہ السلام کے بدن کا ایک بال بھی نہ جلا سکی۔کیونکہ جلانے کا نہیں بلکہ گل گلزار

ہونے کا حکم تھا۔ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جانے کا حکم تھا۔ اسی طرح ہو گئی۔

زہر کے اندر اللہ تعالیٰ نے مارنے کا اثر رکھا ہے۔ مگر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے چلو بھر کر پھانک لیا ان کو کچھ بھی نہ ہوا۔ الٹا ان کا نزلہ، زکام ختم ہو گیا۔ اور وہ پہلے سے بھی زیادہ صحت مند ہو گئے۔ حالانکہ وہ اتنی تیز تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس میں اثر رکھتے تو ایک ذرّے سے مر جاتے۔ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

وَيَتَعَلَّمُوْنَ اور سیکھتے ہیں مَا يَضُرُّهُمْ وہ چیز جو ان کو نقصان پہنچاتی ہے۔ دوسرے نقصان کے علاوہ جادو سیکھنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ کفر سے بڑا کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ اور ان کو نفع نہیں دیتی۔ چلو مالی طور پر کچھ نفع ہو بھی گیا تو اس کا کیا فائدہ؟ کافر بن کر حاصل کیا۔ فرمایا.........

وَلَقَدْ عَلِمُوْا اور البتہ تحقیق وہ جانتے ہیں لَمَنِ اشْتَرٰهُ البتہ وہ شخص جس نے جادو کو حاصل کیا مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ نہیں ہے اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اور البتہ بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کاش کہ وہ جانتے۔ کہ دنیا کے تھوڑے سے فائدے کے بدلے کافر بن گئے، ایمان ضائع ہو گیا، آخرت برباد ہو گئی۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا اور اگر بے شک وہ لوگ ایمان لے آتے وَاتَّقَوْا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور کفر شرک سے بچتے لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ البتہ بدلا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتر لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کاش کہ وہ لوگ

جانتے۔اور آخرت کے نقصان سے بچتے۔

''فال'' نکلوانے کا حکم :

مسئلہ ایک دفعہ پھر سمجھ لیں کہ دوسروں کو تکلیف پہنچانے کے لئے جتنے عمل کئے جاتے ہیں۔ یہ بھی جادو کی ایک قسم ہے۔ان کو جائز سمجھ کر کرانے والا بھی کافر اور کرنے والا بھی کافر اور اس کے ذریعے جو کمائی ہے وہ بھی حرام ہے۔اور یہی حکم ہے ''فال'' والوں کا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس نے فال نکلوائی فَقَدْ كَفَرَ بِمَآ اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پس اس نے انکار کر دیا اس کا جو کچھ نازل کیا گیا محمد ﷺ پر۔

اسی طرح شریعت کی رو سے وہ کافر ہو گیا۔اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔تجدید ایمان اور تجدید نکاح نہ کیا تو اس کے بعد جو بچے پیدا ہوں گے وہ حرامی ہوں گے۔اور عموماً عورتیں اس میں زیادہ مبتلا ہیں آپ کا فرض ہے کہ ان کی اصلاح کریں۔اللہ پاک ہمیں احکامِ شرعیہ پر کما حقہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (امین)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ

بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾

لفظی ترجمہ :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو لَاتَقُوْلُوْا رَاعِنَا تم رَاعِنَا نہ کہو وَقُوْلُوا انْظُرْنَا اور اُنْظُرْنَا کہو وَاسْمَعُوْا اور سنو وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہیں مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اہلِ کتاب میں سے وَلَاالْمُشْرِکِیْنَ اور نہ مشرکوں میں سے اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ یہ کہ اتاری جائے تم پر کوئی بھلائی مِّنْ رَّبِّکُمْ تمہارے رب کی طرف سے وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اور اللہ تعالیٰ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ جو منسوخ کرتے ہیں ہم کسی آیت کو اَوْ نُنْسِھَا یا ہم اس کو مٹا دیتے ہیں نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ تو ہم اس سے بہتر لے آتے ہیں اَوْ مِثْلِھَا یا اس جیسی اَلَمْ تَعْلَمْ کیا آپ نہیں جانتے؟ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

قادر ہے۔

24 اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے لئے ہی ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اورنہیں ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ کیا تم ارادہ کرتے ہو اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ کہ سوال کرو تم اپنے رسول (ﷺ) سے كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ جس طرح سوال کیا گیا موسیٰ علیہ السلام سے اس سے پہلے وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ اور جو شخص تبدیل کرے گا کفر کو بِالْاِيْمَانِ ایمان کے ساتھ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ پس تحقیق وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہوگیا۔

ربط :

ان آیات کا ماقبل کے ساتھ ربط واضح ہے کہ یہود ونصاریٰ کی شرارتوں کا ذکر چلا آرہا ہے۔ ان آیات میں بھی ان کی ایک شرارت کا ذکر ہے۔ کہ وہ آنحضرت ﷺ اور ایمان والوں کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ اس طرح کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہر طرح کے لوگ آتے تھے ان میں شہری بھی ہوتے تھے اور دیہاتی بھی، تعلیم یافتہ بھی اور ان پڑھ بھی، ذہین، غبی اور متوسط ذہن کے لوگ بھی ہوتے تھے۔ اور ہر مجلس میں ہر طرح کے آدمی موجود ہوتے ہیں۔

سب کو اللہ تعالیٰ نے ایک جیسا پیدا نہیں فرمایا۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ کلام کے شروع ہوتے ہی سمجھ جاتے ہیں کہ متکلم کیا کہنا چاہتا ہے؟۔ اور بعضے کلام ختم ہونے کے بعد سمجھتے ہیں اور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ سارا بیان ختم ہونے کے بعد بھی ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

یہودیوں کی لفظی تحریف :

چونکہ آپ ﷺ کی مجلس میں ہر طرح کے آدمی ہوتے تھے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی اور کہا رَاعِنَا حضرت ہماری رعایت فرمانا۔ کہ بیان ایسے طریقے سے ہو کہ دیہاتی بھی سمجھ لیں اور شہری بھی۔ پڑھے لکھے بھی اور اَن پڑھ بھی، ذہین بھی اور درمیانے ذہن کے بھی۔ لفظ بھی صحیح تھا رَاعِنَا اور مراد بھی صحیح تھی۔

مگر یہودی اس لفظ سے غلط مراد لیتے تھے کہ ان کی لغت میں رَاعِنَا، رَعُوْنَتْ سے احمق اور جاہل کے معنٰی میں استعمال ہوتا تھا۔ وہ رَاعِنَا بولتے اور آپس میں ہنستے کہ ہم نے محمد ﷺ کو احمق اور جاہل کہا ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور اس طرح بھی شرارت کرتے تھے کہ رَاعِنَا کے لفظ کو ذرا کھینچ کر رَاعِیْنَا بولتے تھے یعنی ''ہمارا چرواہا''۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔

صحیح الفاظ کی غلط تعبیر :

اسی طرح یہودی جب آپ ﷺ کے پاس آتے تو جلدی سے کہتے اَلسَّامُ علیکُم اس کا معنٰی ہے ''تم پر موت واقع ہو''۔ اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کا معنٰی ہے ''تم پر رب تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو''۔

اس طرح چالاکی سے یہ حرکت بھی کرتے تھے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اپنے کمرے میں موجود تھے اور ایک کونے پر پردہ لٹکا ہوا ہوتا تھا جب کوئی آدمی آتا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پردے کے پیچھے چلی جاتیں کیونکہ ایک ہی کمرہ تھا۔ ایک آدمی نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ ﷺ نے اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پردے کے پیچھے چلی گئیں............

☆...... اس آدمی نے کہا اَلسَّامُ علیکُم۔

○...... انہوں نے اندر سے کہا عَلَیْكَ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ تیرے اوپر موت اور لعنت پڑے۔ خیر اس یہودی نے جو بات کرنی تھی کر کے چلا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا عائشہ! تو بڑے غصے میں تھی، کیا بات تھی؟ کہنے لگیں حضرت اَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ آپ نے سنا نہیں جو اس نے کہا یعنی اَلسَّامُ عَلَیْكَ آپ ﷺ نے فرمایا اَلَمْ تَسْمَعِیْ مَا قُلْتُ لَهٗ کیا تو نے نہیں سنا جو میں نے اس کو کہا ہے؟۔ یعنی عَلَیْكَ تجھ پر پڑے۔ بس اتنا جواب کافی تھا۔

تو یہ خبیث لفظوں میں ہیرا پھیری کرتے تھے اور رَاعِنَا کے جملہ سے چونکہ توہین کا پہلو نکلتا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اس جملے کے استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا تم رَاعِنَا نہ کہو۔ اگرچہ لفظ بھی صحیح ہے اور معنیٰ بھی صحیح ہے اور تمہاری مراد بھی صحیح ہے لیکن یہودی اس سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے یہ لفظ استعمال نہ کرو۔

وَقُوْلُوا انْظُرْنَا اور اُنْظُرْنَا کہو۔ کہ حضرت ہماری طرف نظر

شفقت فرماؤ۔اس سے اتنی بات سمجھ آگئی کہ اگر جملہ صحیح ہو اور اس سے مراد غلط ہو تو اس کا بولنا صحیح نہیں ہے۔لہٰذا اگر کوئی شخص اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اس عقیدے اور نظریئے کے ساتھ پڑھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ''حاضر و ناظر'' ہیں تو ناجائز ہے۔اور اگر کوئی صحیح العقیدہ ہے آپ ﷺ کو ''حاضر و ناظر'' نہیں سمجھتا تو اس کے لئے یہ پڑھنا جائز اور درست ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد :

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کے الفاظ کے ساتھ درود شریف پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟۔حضرت نے فرمایا کہ یہ درود شریف کے مختصر الفاظ ہیں لیکن پڑھنے والا یہ سمجھے کہ میرے اس درود شریف کو فرشتے آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے ہیں۔اور اگر آپ ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھ کر پڑھے گا تو کفر ہوگا۔

آج کل اکثریت کے ذہن چونکہ خراب ہیں اور وہ آنحضرت ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھ کر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ پڑھتے ہیں لہٰذا صحیح العقیدہ ہونے کے باوجود ان الفاظ سے گریز کرنا چاہیے۔تاکہ کسی باطل فرقے کی تائید نہ ہو۔اور اس کی دلیل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم رَاعِنَا نہ کہو بلکہ اُنْظُرْنَا کہو۔صرف اتنا ہی نہیں بلکہ........

وَاسْمَعُوْا اور آنحضرت ﷺ کی بات کو غور سے سنو وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو تمہارے ساتھ عداوت ہے وہ کسی خیر اور بھلائی کو تمہارے لئے

پسند نہیں کرتے۔ فرمایا..........

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہیں مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اہلِ کتاب میں سے۔ یہودی ہوں یا عیسائی وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اور نہ مشرکوں میں سے اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ یہ کہ اتاری جائے تم پر کوئی بھلائی مِّنْ رَّبِّکُمْ تمہارے رب کی طرف سے۔

نبوة کسبی نہیں :

وہ کہتے ہیں کہ ان کو نبوۃ ملی ہے ہمیں کیوں نہیں ملی؟۔ ان کو کتاب ملی ہے ہمیں کیوں نہیں ملی؟۔ فرشتہ ان کے پاس کیوں آتا ہے ہمارے پاس کیوں نہیں آتا؟۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا مختصر جواب دیا۔ فرمایا..........

وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اور اللہ تعالیٰ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے۔ اپنی مرضی سے نبوۃ کسی کو نہیں مل سکتی۔ وہ حکیم و خبیر اور علیم ہے۔ وہ ہر شئی کو جانتا ہے۔ اور ہر چیز سے باخبر ہے۔ اور اپنی حکمت کے مطابق کام کرتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیغمبر بنایا۔ اور آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اعتبار سے ''خاتم النبیین'' ہیں۔ زمانے کے اعتبار سے، مرتبہ کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے بڑا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر بن کر آ سکتا ہے۔

قادیانیوں کا عقیدہ باطل اور غلط ہے جیسا کہ مرزا قادیانی کے لڑکے بشیر الدین محمود نے لکھا ہے کہ.......... ''اگر کوئی شخص چاہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کو پہنچ سکتا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بھی نکل سکتا ہے'' مَعَاذَ اللّٰہِ تَعَالٰی، ثُمَّ مَعَاذَ

اللهِ تَعَالٰی، ثُمَّ مَعَاذَ اللهِ تَعَالٰی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبوۃ ایسی چیز ہے کہ بندہ محنت کر کے اس کو حاصل کر سکتا ہے حالانکہ نبوۃ صرف رب تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو رب تعالیٰ نے چاہا اس کو عطا فرمائی۔ حضرت محمد ﷺ پر ختم فرما دی۔ آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مسائل نسخ :

آگے اللہ تعالیٰ نے ''نسخ'' کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ ''نسخ'' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حکم نازل فرمایا پھر کچھ عرصہ کے بعد بندوں کی نسبت سے اس کو ختم کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل فرما دیا۔ اس پر یہود و نصاریٰ اور مشرکین اعتراض کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں میں یہ تبدیلی کیوں آتی ہے؟۔ ایسا تو وہ کرتا ہے جس کو علم نہ ہو۔

''نسخ'' پر دیانند سرسوتی کا اعتراض :

نسخ کے مسئلہ پر ''آریہ سماج'' کے لیڈر ''دیانند سرسوتی'' نے بھی اعتراض کیا ہے۔ یہ بڑا منطقی، منہ پھٹ اور بے حیا قسم کا آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ دیکھو جی! تم مسلمان کہتے ہو کہ احکام میں نسخ بھی ہوتا ہے۔ کل رب تعالیٰ کا حکم وہ تھا اور آج یہ ہے تو کیا رب تعالیٰ کو معلوم نہیں ہوتا کہ کل میں نے کیا کرنا ہے اور آج میں نے کیا کرنا ہے؟۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات :

اس زندیق کے سوالوں کے جوابات بانی دارالعلوم دیوبند، قاسم العلوم و الخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''انتصار الاسلام'' میں چند شقوں میں دیئے ہیں۔

پہلی شق :

①...... ''نسخ'' کے مسئلہ پر حضرت کے جواب کی ایک شق یہ ہے کہ جس طرح انسان کی جسمانی بیماریاں ہیں اسی طرح روحانی بیماریاں بھی ہیں۔ جسمانی بیماریوں کے معالج، ڈاکٹر اور ماہر حکیم مریض کے لئے پہلے ایک نسخہ تجویز کرتے ہیں، پھر کچھ مدت کے بعد بدل دیتے ہیں اس کی بیماری کے حساب سے نسخہ کا بدلنا حکمت کا تقاضا ہے نہ کہ ان کی نالائقی کی دلیل ہے۔

پہلے بیمار کے لئے وہ دوائی مفید تھی اور اب یہ ہے۔ اور جس طرح دوا بدلتے ہیں اسی طرح غذا بھی بدلتے ہیں۔ انتہائی کمزور مریض کو ہلکی پھلکی غذا کھچڑی، دلیہ، شوربا اور یخنی استعمال کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور جوں جوں روبصحت ہوتا ہے تو سخت غذا کھانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی حکیم یا ڈاکٹر پر اعتراض کرے کہ یہ بڑا نالائق اور بے وقوف ہے کہ کل ایک نسخہ تجویز کیا۔ آج دوسرا تجویز کر دیا ہے کل کہتا تھا یہ کھاؤ اور آج کہتا ہے یہ کھاؤ۔ تو یہ اعتراض کرنے والا بے وقوف اور نالائق سمجھا جائے گا۔

یہی حال روحانی بیماریوں کا ہے جن کا معالج پروردگار ہے۔ اس حکیم علی الاطلاق نے روحانی بیماریوں کے مطابق احکام میں تبدیلیاں فرمائیں۔ مثلاً پہلے

مسلمان کم تھے اور ظاہر بات ہے کہ جنسی خواہشات ان میں بھی تھیں نسل انسانی چلانے کے لئے۔ لہٰذا اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمان مرد کا کافر عورت کے ساتھ اور کافر مرد کا مسلمان عورت کے ساتھ نکاح جائز رکھا۔ بعد میں جب اسلام عامۃ الناس میں پھیل گیا اور طرفین سے مسلمان مرد، عورتوں کے رشتے ملنے لگے تو ہجرت کے تیسرے سال اللہ تعالیٰ نے وہ حکم بدل دیا۔ اور کافر و مشرک کے ساتھ رشتہ کرنے سے منع فرما دیا۔ فرمایا.........

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ اور مشرکوں کو اپنی بیٹیاں اور بہنیں بھی نکاح میں نہیں دے سکتے۔ مکہ مکرمہ میں روزے نہیں تھے اور نہ ہی جہاد کرنے کا حکم تھا۔ کیونکہ مکی زندگی بڑی صبر آزما تھی۔ جن کو پہلے ہی کھانا نہیں ملتا اور بھوکے رہ کر گزارہ کرتے تھے۔ اس لئے جو مسلمان ہو جاتا تھا اس کو تو بڑی سختیاں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ گھر والے روٹی تک بند کر دیتے تھے۔ ان کو روزے کا کیا حکم دینا ہے وہ تو پہلے ہی بھوکے ہیں۔

حضرت عبداللہ اور استقامت دین :

حضرت عبداللہ ''ذو البجادین'' ایک نوجوان صحابی تھے اپنے چچا کے گھر پرورش پا رہے تھے جب انہوں نے کلمہ پڑھا تو چچا نے سختی کی تاکہ کلمہ چھوڑ دے۔ جب اس نے کلمہ چھوڑنے سے انکار کیا تو اس کی روٹی بند کر دی۔ اور اس کو تکلیفیں دیں، پھر بھی نہ مانا اور کلمہ چھوڑنے سے انکار کر دیا تو اس کو کہا کہ ہمارے کپڑے اتار دے۔ چنانچہ اس کے کپڑے اتر والئے قریب ہی ایک گرا ہوا مکان تھا بیچارے ننگ

دھڑنگ اس کے اندر بیٹھ گئے۔

دِن چڑھا تو ایک آدمی بوری لے کر جا رہا تھا گھاس لینے کے لئے۔ اس کو آواز دی اور کہا اللہ کے بندے اندر نہ آنا کیونکہ میں ننگا ہوں اگر تیرے پاس تَن پوشی کے لئے کوئی چیز ہے تو میری طرف پھینک دے۔ اس نے سمجھا کہ پتہ نہیں کوئی جن بھوت بول رہا ہے، ڈر گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب خوف کم ہوا تو اس نے کہا کہ میرے پاس تو یہ بوری ہے۔ فرمایا بوری ہی پھینک دے۔ اس نے بوری پھینک دی۔ انہوں نے بوری کے اندر سوراخ کر کے پہنی۔ جس طرح مُردوں کو کفنی پہناتے ہیں اسی وجہ سے ان کا نام "ذو البجاد" پڑ گیا۔ "ذو البجاد" کا معنٰی "پرانا کمبل" ہے۔

دوسری شق :

(۲)...... احکام بدلنے کو آپ اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ موسم کے ساتھ لباس بدل جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ سردیوں میں آدمی کیسے گرم کپڑے پہنتا ہے اگر وہی کپڑے گرمیوں میں پہنے تو اس کا حشر ہو جائے۔ تو جس طرح جسمانی بیماریوں کے لئے دوا بدلتے ہیں موسم کے تغیر سے لباس بدلتے ہیں اسی طرح روحانی علاج بھی بدلتا ہے۔

تیسری شق :

پہلے ایک مسلمان کا دس کے ساتھ مقابلہ کرنا ضروری تھا کیونکہ مسلمان تھوڑے تھے جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو فرمایا اب ایک مسلمان دو کافروں کا مقابلہ کرے۔ تو مخالفوں نے چونکہ نسخ پر اعتراضات کئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ فرمایا......

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ جو منسوخ کرتے ہیں ہم کسی آیت کو۔ مثلاً پہلے کافر

کے ساتھ نکاح جائز تھا پھر منع کر دیا۔ پہلے ایک کا مقابلہ دس کے ساتھ تھا پھر دو کے ساتھ کر دیا پہلے شراب حلال تھی پھر حرام کر دی گئی۔ اسی طرح اور کئی مسائل ہیں.........

اَوْ نُنْسِهَا یا ہم اس کو بھلا دیں یہ بھی نسخ کی ایک قسم ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہی حکم ختم کرنا ہے آپ ﷺ نہیں ختم کر سکتے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ہم آپ کو پڑھائیں گے پس آپ بھولیں گے نہیں اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهِ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔جس حکم کو اللہ تعالیٰ منسوخ کرنا چاہے وہ آپ کے ذہن سے نکال دیتا ہے۔تو فرمایا کہ ہم کسی حکم کو منسوخ کر دیں یا بھلا دیں......

نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ تو ہم اس سے بہتر لے آتے ہیں۔جیسے دس کے ساتھ مقابلے کی بجائے دو کے ساتھ مقابلے کا حکم بہتر ہے۔

اَوْ مِثْلِهَا ''یا اس جیسی''۔یعنی جو حکم منسوخ ہوا ہے اسی جیسا دوسرا حکم دے دیتے ہیں سولہ سترہ مہینے مسلمان مسجد اقصیٰ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور مسجد اقصیٰ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم اس لئے تھا کہ پہلی کتابوں میں آپ ﷺ کی تعریف نبی الثقلین کے لقب کے ساتھ آئی ہے یعنی دو قبلوں والا نبی۔کہ وہ بیت اللہ کی طرف چہرہ کر کے بھی نماز پڑھے گا اور مسجد اقصیٰ کی طرف بھی۔تو پہلے مسجد اقصیٰ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا پھر کعبۃ اللہ کی طرف تو یہ دونوں حکم برابر ہیں۔

④...... ''نسخ'' کے مسئلہ پر اعتراض کا جواب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح دیتے ہیں کہ ''پنڈت جی! کچھ احکام تشریعی ہیں اور کچھ احکام تکوینی ہیں۔تکوینی کا

مطلب ہے کلمہ کن سے ہو جانے والے کہ جن میں احکام شرع کا تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی کو اللہ تعالیٰ بیٹا دیتا ہے یا بیٹی دیتا ہے پھر چند دنوں کے بعد واپس لے لیتا ہے یعنی مار دیتا ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ اے پروردگار! جب لینا ہی تھا تو دیا کیوں؟۔

☆...... اسی طرح ایک آدمی کو مالدار بنانے کے بعد غریب بنا دیتا ہے، تندرست کو بیمار کر دیتا ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ اے پروردگار! اگر غریب بنانا تھا تو مالدار ہی کیوں بنایا؟۔ بیمار کرنا تھا تو صحت کیوں دی؟۔ فرمایا: پنڈت جی! جس طرح اللہ تعالیٰ کے ان احکامات میں تغیر کے تم بھی قائل ہو اور اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے دانا ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تشریعی احکام میں بھی تبدیلی پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیے''۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں............

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟۔ جو چاہے، جس طرح چاہے کر سکتا ہے کسی کو امیر بنائے، غریب بنائے، بادشاہ بنائے، گدا بنائے، عزت دے، ذلت دے، سب کچھ کر سکتا ہے۔

امریکہ اور شاہِ ایران :

جو بڑی عمر کے بزرگ حضرات بیٹھے ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ رضا شاہ پہلوی ایران کا بادشاہ تھا اور وہ ایشیا میں امریکہ کے مفادات کا چوکیدار تھا۔ امریکہ کے حقوق کی حفاظت اس کے ذمہ تھی۔ اور اس نے یہ ذمہ داری پوری طرح نبھائی اور

حفاظت کا حق ادا کیا جس طرح حفاظت کرنی چاہیے تھی مگر کچھ حالات ایسے پیدا ہوئے کہ وہ امریکہ کی ناراضگی کا سبب بن گئے اور وہ اقتدار سے محروم ہوگیا۔ اس کو شہنشاہِ ایران کہا جاتا تھا۔ اس کے دورِ اقتدار میں ایک پاکستانی اخبار نے خبر شائع کی اور لکھا کہ ”شاہِ ایران نے یہ اعلان کیا ہے“۔ اس پر ایران کے سفارت کاروں نے اس اخبار کو نوٹس بھیجا کہ تم نے ہمارے بادشاہ کو شاہِ ایران لکھ کر اس کی توہین کی ہے۔ وہ شاہِ ایران نہیں ہے بلکہ شہنشاہِ ایران ہے۔ یا تو معذرت کرو یا پھر مقدمے کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ خیر! اخبارات نے معذرت کر لی۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب جہاز میں بیٹھ کر ایران سے بھاگا تو کوئی ملک اس کے جہاز کو اترنے کی اجازت نہیں دیتا تھا جب وہ اترنے کی اجازت مانگتا تو یہ کہہ کر جواب دے دیتے کہ ہم بین الاقوامی طور پر مجبور ہیں۔ بالآخر مصر نے دِل مضبوط کیا کہ..........

هر چه باد آباد

کہا کہ جو ہوتا ہے ہو جائے تم آجاؤ یہ رب تعالیٰ کے کام ہیں وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور یاد رکھنا! ہمارے پاکستان میں دو سفارت خانے انتہائی اپنے ملک کا پرچار کرتے ہیں۔ اور اپنے مسلک کا تحفظ کرتے ہیں ایک ایران کا اور دوسرا امریکہ کا، یہ بہت تیز ہیں۔ پاکستان میں جتنی ان کی چلتی ہے اتنی اور کسی کی نہیں چلتی۔ بات وہاں پر ختم ہو جاتی ہے جہاں امریکہ ختم کر دے اور یہ ان کی بات مانتے ہیں کہ یہ مشکل وقت میں ہمارے کام آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا آپ نہیں

جانتے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ اور نہیں ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حمایتی کہ زبان سے حمایت کرے اور نہ کوئی مددگار ہے کہ رب تعالیٰ کی گرفت سے بچانے کے لئے عملی طور پر میدان میں آئے۔

بے جا سوالات کا مرض :

اَمْ تُرِيْدُوْنَ کیا تم ارادہ کرتے ہو اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ کہ سوال کرو تم اپنے رسول (ﷺ) سے كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ جس طرح سوال کیا گیا موسیٰ علیہ السلام سے اس سے پہلے اور کہا کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ پر یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو سامنے آنکھوں سے۔ اسی طرح کے لایعنی سوالات مشرکین نے بھی کئے تھے کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ پر یہاں تک کہ آپ ہمارے مطالبے پورے کریں، پھر انہوں نے اپنے مطالبے پیش کئے ان میں سے ایک مطالبہ یہ بھی تھا......

اَنْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا کہ آپ ﷺ رب تعالیٰ کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا کریں اور اس کے پیچھے فرشتوں کی لائن لگی ہوئی ہو اور اللہ تعالیٰ کہے کہ یہ میرا پیغمبر ہے اور فرشتے اس کی تائید کریں کہ اللہ تعالیٰ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ تو پھر ہم مانیں گے تو فرمایا تم اس طرح لایعنی سوالات کرتے ہو جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام سے کئے گئے تھے۔

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ اور جو شخص تبدیل کرے گا کفر کو

ایمان کے ساتھ کہ ایمان کے بدلے کفر حاصل کرے گا فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ پس تحقیق وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ گمراہی سے بھی اور گمراہ کرنے والوں سے بھی بچائے اور محفوظ رکھے۔ امین۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ
مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ
عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ
الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ
بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا
لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ
الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ
اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

لفظی ترجمہ :

وَدَّ كَثِيْرٌ پسند کیا بہت سے لوگوں نے مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اہلِ کتاب میں سے لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ اس بات کو کہ وہ لوٹا دیں تمہیں مِّنْ ، بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا تمہارے مومن ہونے کے بعد کفر کی طرف حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ اپنے نفسوں میں حسد کرتے ہوئے مِّنْ ، بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا ہے لَهُمُ الْحَقُّ ان کے لئے حق فَاعْفُوْا پس معاف کردو وَاصْفَحُوْا اور درگزر کرو حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ یہاں تک کہ لائے اللہ تعالیٰ اپنا حکم اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور قائم کرو نماز وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ دیتے رہو وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ اور جو کچھ بھیجو گے تم آگے مِّنْ خَيْرٍ کوئی بھی نیکی تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ پاؤ گے تم اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ جو تم عمل کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔

وَقَالُوْا اور کہا انھوں نے لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ ہرگز نہیں داخل ہوگا جنت میں اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى مگر وہ جو یہودی ہو یا نصرانی تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ یہ ان کی خواہشات ہیں قُلْ هَاتُوْا

بُرْهَانَكُمْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں لاؤتم اپنی دلیل اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر ہوتم سچے۔

25

بَلٰى کیوں نہیں؟ (داخل ہوگا جنت میں) مَنْ اَسْلَمَ جو مسلمان ہوا (اور جھکا دیا) وَجْهَهٗ لِلّٰهِ اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے وَهُوَ مُحْسِنٌ اور وہ نیک کام کرنے والا ہو فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ پس اس کے لئے اس کا اجر ہے عِنْدَ رَبِّهٖ اس کے رب کے ہاں وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ اور نہ خوف ہوگا ان پر وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اہلِ کتاب کے مصداق :

اہلِ کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی آسمانی کتاب کو مانتے ہیں جیسے یہود توراۃ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نصاریٰ انجیل کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور صابی زبور کو ماننے کے مدعی ہیں اگرچہ محض ان کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اپنی کتابوں پر چلنے اور عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ اگر اپنی کتابوں پر عمل کریں تو آخری پیغمبر پر ایمان لے آئیں کہ ان کی کتابوں توراۃ، انجیل، زبور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت موجود ہے۔

اور جس طرح یہود و نصاریٰ اور صابی آسمانی کتابوں کو ماننے کے دعویدار تھے اسی طرح مشرکینِ مکہ دینِ ابراہیمی پر چلنے کے دعویدار تھے۔ اور اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر جب تاجِ نبوۃ رکھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توحید کی دعوت دی تو کہنے لگے ہم تو ابراہیمی ہیں۔ حالانکہ ان ظالموں نے وہ گھر

جس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور عبادت کے لئے بنایا تھا اس کی بیرونی دیواروں پر تین سو ساٹھ بت نصب کئے ہوئے تھے۔ جن میں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت عیسیٰ، حضرت مریم علیہم السلام کا بت بھی نصب تھا۔

دیکھو اس وقت کے متولی بڑے رمز شناس تھے ان کو معلوم تھا کہ یہاں یہودی بھی رہتے ہیں، عیسائی بھی رہتے ہیں اور دیگر قومیں بھی آباد ہیں لہٰذا ہر قوم کی نسبت سے الگ الگ بت رکھے ہوئے تھے اور سال کے دن چونکہ تین سو ساٹھ ہیں اس لئے بتوں کی تعداد بھی دنوں کے برابر تھی تا کہ کوئی دن چڑھاوے سے خالی نہ جائے۔ اور ہمارا کام چلتا رہے۔ تو کیا ابراہیم علیہ السلام بتوں کی پوجا کرتے تھے اور انہوں نے یہ تعلیم دی تھی؟۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو موحد تھے اور جو دین انہوں نے پیش کیا تھا وہ توحید والا تھا۔ اور اس کے برعکس تم شرک میں ڈوبے ہوئے ہو۔ اور اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے ہو۔ بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اسی لئے کرتے تھے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے دین کا مخالف ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ.........

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین :

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (پارہ : ۳)۔ ابراہیم (علیہ السلام) سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر ہے آخر الزمان اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ تو یہ تمام کے تمام مدعی تھے اور اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے۔ حالانکہ یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین میں سے کوئی بھی حقیقتاً ابراہیمی نہیں تھا۔ اور اپنی کتابوں کو ماننے

کا بھی محض دعویٰ ہی دعویٰ تھا۔اور چاہتے یہ تھے کہ یہ مسلمان بھی پھر کافر ہو جائیں جس طرح پہلے کافر تھے۔اسی کا ذکر ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ پسند کیا بہت سے لوگوں نے اہلِ کتاب میں سے۔یہ کثیر کا لفظ اس لئے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ میں سے کچھ بڑے نیک دِل تھے اور وہ مسلمان ہو چکے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہما یہ پہلے یہودی تھے اور تمیم داری اور مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہما یہ پہلے عیسائی تھے اور ان جیسے کچھ اور حضرات۔لیکن اکثریت دوسری طرف ہی رہی۔اس لئے فرمایا کہ اہلِ کتاب کی اکثریت چاہتی ہے.........

حسد کی تعریف/انجام اور بچاؤ کے طریقے :

لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا اس بات کو کہ وہ لوٹا دیں تمہیں تمہارے مومن ہونے کے بعد کفر کی طرف۔یعنی مسلمانوں کے دلوں میں ایسے شبہات پیدا کرتے ہیں اور منصوبے بناتے ہیں کہ وہ ایمان چھوڑ کر کافر ہو جائیں جیسے پہلے کافر تھے۔اس طرح کیوں کرتے ہیں؟۔فرمایا.........

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ اپنے نفسوں میں حسد کرتے ہوئے۔ کہ یہ فضیلت ان کو کیوں ملی ہے؟۔ مِّنْ ۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا ہے ان کے لئے حق۔کہ وہ پیغمبر آخر الزمان جنہوں نے آنا تھا یہ وہی ہیں۔کیونکہ ان کی کتابوں میں آخری پیغمبر کی نشانیاں تحریر تھیں۔اور تمام کی تمام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھیں۔اور یہ ان ساری باتوں کو سمجھتے اور جانتے تھے مگر ضد کی وجہ سے مانتے نہیں تھے جس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

ابو جہل بھی ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لایا ورنہ آپ ﷺ کی نبوة کی نشانیاں اس پر بھی واضح تھیں۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ اور آپ ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ ابو جہل آیا اور اس نے کنکریوں کی مٹھی بھری ہوئی تھی کہنے لگا اگر آپ (ﷺ) نبی ہیں تو بتائیں میری مٹھی میں کیا ہے؟۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا چچا جی! اگر مٹھی والی چیز خود بول پڑے تو کیا ہوگا؟۔ چنانچہ مٹھی میں پکڑی ہوئی کنکریوں نے سُبْحَانَ اللّٰهِ پڑھنا شروع کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنا شروع کر دیا۔ ابو جہل نے کنکریاں پھینک دیں اور ان سے کہا کہ تم بھی اس کی طرفدار ہوگئی ہو؟۔ اب بتاؤ ایسی ضد کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے؟۔

تو حق یہود و نصاریٰ پر واضح تھا بس ضد تھی اور حسد تھا کہ یہ نعمت ان کو کیوں ملی ہے؟۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جہاں اور چیزوں سے پناہ مانگنے کا سبق دیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے......

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ پروردگار! حسد کرنے والے کے حسد سے ہمیں بچا۔ ضد اتنی بری چیز ہے کہ اس سے بچنے کی تلقین اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمائی ہے۔

اور ابو داؤد شریف میں روایت آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ حسد کی مختلف شکلیں ہیں

جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

①...... حسد کسے کہتے ہیں؟۔ حسد کہتے ہیں کسی کی خوبی اور کمال کو دیکھ کر کُڑھنا کہ یہ خوبی اور کمال اس کو کیوں ملا ہے؟۔ مجھے کیوں نہیں ملا۔ مثلاً کسی کو اللہ تعالیٰ نے حسن عطا کیا ہے، علم دیا ہے یا کوئی اور ہنر عطا فرمایا ہے تو حاسد آدمی دل میں کڑھتا ہے کہ یہ اس کو کیوں ملا ہے؟۔ حسد کا تعلق زبان سے نہیں بلکہ دِل کے ساتھ ہے اور یہ بڑا گناہ ہے۔ بلکہ یہ ایسا گناہ ہے کہ حسد کرنے والے کی نیکیاں اس کو مل جاتی ہے جس کے ساتھ یہ حسد کر رہا ہے۔ اور اس کے گناہ حسد کرنے والے کو مل جاتے ہیں۔

②...... اور حسد کی دوسری شکل یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کی زوال کی تمنا کرے کہ مجھے نہیں ملی نہ سہی اللہ کرے اس کے پاس بھی نہ رہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ وسوسے پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

وسوسہ اور اس کی تعریف :

وسوسہ کہتے ہیں کسی چیز کا خیال خود بخود دِل میں آجانا بغیر قصد اور ارادے کے اور نہ ہی اس خیال پر راضی ہے اور اگر وسوسہ نماز میں بھی آجائے تو نماز پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ البتہ اگر نماز میں آجائے تو اس کو فوراً نکالنے کی کوشش کرے اور وسوسہ ایسی چیز ہے کہ اس سے کوئی آدمی بھی خالی نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول مبارک :

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کا قول بخاری شریف میں موجود ہے، فرمایا......

اِنِّیْ لَاُجَھِّزُ جَیْشِیْ وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ بسا اوقات میں اپنے لشکر کی تیاری میں رہتا ہوں کہ اس لشکر کو اِدھر بھیجوں اور اس لشکر کو اُدھر بھیجوں اور میں نماز میں ہوتا ہوں۔یعنی یہ خیال مجھے نماز میں آتا رہتا ہے۔

حضور ﷺ کو نماز میں سونے کے ٹکڑے کا یاد آنا :

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور فوراً حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لے گئے لوگ اپنی، اپنی جگہ بیٹھے رہے اور حیرانگی سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ معلوم ہے آپ ﷺ فوراً کیوں تشریف لے گئے ہیں؟۔ کیونکہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ سلام پھیرنے کے بعد چہرہ مبارک مقتدیوں کی طرف کر کے بیٹھتے اور تسبیحات پڑھتے۔اور فرضوں کے بعد اجتماعی دعا بھی ثابت ہے۔ البتہ سنتوں اور نفلوں کے بعد اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے۔نہ تراویح کے بعد ثابت ہے۔ہاں ختمِ قرآن کے وقت سنت ہے کہ سب مل کر دعا کریں۔چونکہ آپ ﷺ کا معمول نہیں تھا اس طرح جلدی سے تشریف لے جانے کا۔اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعجب ہوا۔یہ حضرات ابھی آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور مصلے پر بیٹھ گئے۔اور فرمایا.........

''تم نے میرے جلدی جانے پر تعجب کیا ہے؟۔فرمایا: تَذَکَّرْتُ وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ مجھے نماز میں یاد آیا کہ میرے گھر میں ایک سونے کا ٹکڑا پڑا ہے جو غریبوں میں تقسیم کرنا ہے اور وقت تھوڑا رہ گیا ہے،یعنی سورج غروب ہونے والا ہے۔اس لئے میں فوراً گیا اور گھر والوں کو کہا کہ یہ فوراً فلاں،فلاں مسکین کو بھیج دو۔ایسا نہ ہو کہ یہ ٹکڑا رات کو ہمارے گھر پڑا رہے۔اور رب تعالیٰ مجھ سے سوال کریں کہ غریبوں کو ان

کا حق آپ نے بروقت کیوں نہ دیا؟''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے اَلتَّفَکُّرُ فِی الصَّلٰوۃِ مقصد یہ ہے کہ نماز میں ہر آدمی کو خیال آتا ہے خیال آجانے پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ اور اس سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ البتہ قصداً خیال نہ لائے۔ اور کوشش یہی کرے کہ خیال نہ آئے۔ تو فرمایا کہ یہ حسد کرتے ہوئے چاہتے ہیں کہ تمہیں دوبارہ کافر بنادیں۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا پس معاف کردو اور درگزر کرو فَاعْفُوْا کا معنٰی ہے کہ تم ان کو سزا نہ دو اور اِصْفَحُوْا کا معنٰی ہے ان کی ملامت نہ کرو۔ اس لئے کہ انہوں نے وہی کرنا ہے جو ان کے دِل میں ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے............

کُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْہِ ہر برتن سے وہی نکلتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ پانی ہے تو پانی ہی نکلے گا۔ دودھ ہے تو دودھ ہی نکلے گا۔ اسی طرح ان کے دلوں میں تمہارے خلاف بغض اور حسد بھرا ہوا ہے جس کی وجہ سے تمہارے خلاف منصوبے بناتے ہیں۔ تم اپنا وقت ضائع نہ کرو.........

حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ یہاں تک کہ لائے اللہ تعالیٰ اپنا حکم۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے خلاف لڑنے کا حکم دے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ تم ان کی طرف توجہ دینے کی بجائے اہم کاموں کی طرف متوجہ ہو۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور قائم کرو نماز وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دیتے رہو

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ اور جو کچھ بھیجو گے تم آگے مِّنْ خَيْرٍ کوئی بھی نیکی تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللهِ پاؤ گے تم اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر نیکی کا اجر عطا فرمائے گا مگر نیکی کی قبولیت کیلئے تین بنیادی شرائط ہیں..........

قبولیت اعمال کی شرائط :

①...... پہلی شرط یہ ہے کہ عقیدہ صحیح ہو کیونکہ ایمان کے بغیر کسی نیکی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

②...... دوسری شرط یہ ہے کہ نیکی ریاء اور دکھلاوے کے طور پر نہ ہو۔ اگر دکھاوے کے طور پر ہوگی تو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ چاہے نماز ہی کیوں نہ ہو؟۔

③...... اور تیسری شرط یہ ہے کہ سنت کے مطابق ہو۔ اگر سنت کے مطابق نہیں ہے تو گناہ ہوگا۔ ثواب نہیں ملے گا۔ چاہے نماز ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص سورج کے طلوع ہوتے وقت یا غروب کے وقت یا زوال کے وقت نماز پڑھے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملے گی، جزا نہیں ملے گی۔ حالانکہ اس نے نماز ہی پڑھی ہے۔ کیوں سزا ملے گی؟۔ اس لئے کہ خلافِ سنت پڑھ رہا ہے۔

اسی طرح بخاری شریف میں روایت ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا..........

''مَنْ صَامَ يَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) شک کے دن جس نے روزہ رکھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔

یعنی رمضان المبارک کا چاند نظر آنے کے متعلق تردد ہے، یقین نہیں ہے کہ چاند نظر آ گیا ہے تو اس دن روزہ رکھنے والا گنہگار ہوگا''۔

رمضان المبارک میں تلاوت کا ثواب :

اور عزیز و! یہ بات بھی سمجھ لو اور ذہن نشین کر لو کہ ہر نیکی کا اجر عام مہینوں میں دس گنا ملتا ہے اور رمضان المبارک کے مہینہ میں ہر نیکی ستر گنا بڑھ جاتی ہے۔ رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ''سبحان اللہ'' کہو تو دس نیکیاں ملیں گی۔ اسی طرح رمضان کے علاوہ میں الٓمٓ پڑھنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں کیونکہ ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ہیں، پڑھنے کی بھی اور سننے کی بھی۔ اور رمضان شریف میں الٓمٓ پڑھنے اور سننے کی دو سو دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اندازہ لگاؤ کتنا اجر و ثواب ہے۔

آٹھ تراویح کی بدعت :

پھر کچھ لوگ آٹھ تراویح پڑھ کر چلے جاتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آٹھ تراویح قطعاً نہیں ہیں۔ تراویح بیس رکعت ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر آج تک امت کا معمول بیس رکعت تراویح ہی ہے۔ یہ آٹھ پر اصرار کی بدعت چند سالوں سے چلی ہے۔ لہٰذا تم بیس رکعات اہتمام کے ساتھ پڑھو اور نیکی ضائع نہ کرو۔ جو بھی نیکی کرو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پاؤ گے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ جو تم عمل کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کا ایک اور بے بنیاد دعویٰ سنو..........

جنت میں کون جائے گا؟ :

وَقَالُوْا اور کہا انہوں نے لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ہرگز نہیں داخل ہوگا جنت میں مگر وہ جو یہودی ہو یا نصرانی۔ یہودیوں نے کہا کہ جنت میں صرف یہودی داخل ہوں گے اور نصاریٰ نے کہا کہ جنت میں صرف نصاریٰ داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا..........

تِلْکَ اَمَانِیُّھُمْ یہ ان کی خواہشات ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یہودیت سچا مذہب تھا اس دور اور زمانے میں جو یہودی صحیح معنٰی میں اپنے مذہب پر تھے وہ جنت کے حق دار تھے اسی طرح عیسائیت اپنے دور اور زمانے میں سچا مذہب تھا جو عیسائی صحیح معنٰی میں اپنے مذہب پر تھے وہ جنت کے حقدار تھے اور جو صابی اپنے دور میں داؤد علیہ السلام کو مانتے تھے اور زبور پر عمل کرتے تھے وہ جنت کے حقدار تھے۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کو نبوۃ ملنے کے بعد آپ ﷺ سے پہلے کے جتنے بھی دین تھے سب منسوخ ہو گئے اور قرآنِ کریم کے نزول کے بعد پہلی تمام کتابیں منسوخ ہوگئیں۔

آپ ﷺ کے مبعوث ہونے اور نزولِ قرآن کے بعد نجات صرف آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ کی اتباع کرنے اور قرآنِ کریم پر عمل کرنے میں ہے۔ اب اگر کوئی یہودی یا عیسائی اپنے اصل عقیدہ پر ہی کیوں نہ ہو نجات نہیں ملے گی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا..........

مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ اور جس شخص نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کیا پس وہ ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا۔اس سے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ بے شک دین اللہ تعالیٰ کے ہاں مفید صرف اسلام ہے۔اب فائدہ صرف اسلام میں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں ہے۔آگے فرمایا کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ جنت میں صرف یہودی یا عیسائی ہی جائیں گے تو..........

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں لاؤ تم اپنی دلیل اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر ہو تم سچے۔اے یہودیو! تم اس پر دلیل لاؤ کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے اور اے عیسائیو! تم اس پر دلیل لاؤ کہ جنت میں صرف عیسائی ہی جائیں گے فرمایا: تمہارے دعوے سے کیا بنتا ہے؟..........

بَلٰی کیوں نہیں جنت میں جائیں گے؟ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ جو مسلمان ہوا اور اپنا چہرہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا وَهُوَ مُحْسِنٌ اور وہ نیک کام کرنے والا ہو۔اب جو مسلمان نیکی کرنے والے ہیں وہ جنت میں جائیں گے اور اس میں نہ کسی یہودی کا دخل ہوگا اور نہ کسی عیسائی کا۔

فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ پس اس کے لئے اس کا اجر ہے اس کے رب کے ہاں وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ اور نہ خوف ہوگا ان پر وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

خوف کہتے ہیں آئندہ کسی چیز کا خطرہ ہونا اور غم گزشتہ کسی شی پر افسوس ہو۔تو یہ

جب جنت میں داخل ہوں گے تو آئندہ بیماری کا، قتل کا، ڈاکے کا، مرنے کا، جنت سے نکلنے کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اور دنیا میں چونکہ صحیح اعمال کر کے آئے ہیں اس لئے یہ غم نہیں ہوگا کہ کاش! ہم فلاں نیکی کر لیتے۔ الحمدللہ! انہوں نے خوب نیکیاں کیں اور جنت میں داخل ہو گئے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ
وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ
وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ
اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ
خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ
اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ
فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ
وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا
سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

لفظی ترجمہ:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ اور کہا یہود نے لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ نہیں ہیں نصاریٰ کسی چیز پر وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى اور کہا نصاریٰ نے لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ نہیں ہیں یہودی کسی چیز پر وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ اسی طرح کہا ان لوگوں نے لَا يَعْلَمُوْنَ جو علم نہیں رکھتے مِثْلَ قَوْلِهِمْ ان کی بات کی طرح فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ پس اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن فِيْمَا ان چیزوں میں كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے؟ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ جو روکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ کہ ذکر کیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کے نام کا وَسَعٰى

فِیْ خَرَابِھَا اور کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے گھروں کو برباد کرنے کی۔

اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ وہ لوگ ہیں نہیں تھا ان کو حق اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ یہ کہ داخل ہوتے (ان مسجدوں میں) اِلَّا خَآئِفِیْنَ مگر خوف کرتے ہوئے لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اور ان کے لئے آخرت میں عَذَابٌ عَظِیْمٌ عذاب ہے بڑا۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا پس جس طرف تم چہرہ پھیرو فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ پس اسی طرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا اور کہا انہوں نے بنالی اللہ تعالیٰ نے اولاد سُبْحٰنَهٗ پاک ہے اس کی ذات بَلْ لَّهٗ بلکہ اسی کے لئے ہے مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا اور جب وہ فیصلہ کرتا ہے کسی معاملے کا فَاِنَّمَا پس پختہ بات ہے یَقُوْلُ لَهٗ کہتا ہے اس کو كُنْ

ہو جا فَیَکُوْنُ پس وہ ہو جاتی ہے۔

ربط :

ان آیات کا پچھلی آیات سے ربط یہ ہے کہ پچھلی آیات میں تھا کہ یہودیوں نے کہا تھا کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے اور نصاریٰ نے کہا تھا کہ جنت میں صرف نصاریٰ جائیں گے اور آج کی آیات میں ان کے ایک دوسرے پر مذہبی طعن کا ذکر ہے کہ انہوں نے ضد میں آ کر ایک دوسرے کے مذہب کو کالعدم قرار دیا۔

جیسا کہ آج کل کے لیڈر ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے ہیں۔ ایک جماعت والے دوسروں کو جھوٹا کہتے ہیں اور وہ ان کو جھوٹا کہتے ہیں ہم کہتے ہیں دونوں سچے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے ضد میں آ کر ایک دوسرے کے مذہب کو کالعدم قرار دیا۔ حالانکہ اصل کے اعتبار سے یہودیوں کا مذہب بھی سچا تھا اور عیسائیوں کا مذہب بھی سچا تھا۔

یہودیوں کو یہودی کیوں کہا جاتا ہے؟ اور نصاریٰ کو نصاریٰ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لہٰذا دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

یہود و نصاریٰ کی محاذ آرائی :

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ اور کہا یہود نے نہیں ہیں نصاریٰ کسی چیز پر۔ یعنی ان کا مذہب بالکل جھوٹا ہے۔ اب نصاریٰ کی باری آئی۔ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَھُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ اور کہا نصاریٰ نے نہیں ہیں یہودی کسی چیز پر۔ یعنی ان کا مذہب بالکل جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں..........

وَّ ھُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ یعنی توراۃ اور انجیل کی تلاوت کرتے ہیں دونوں آسمانی کتابیں ہیں۔ توراۃ بھی سچی کتاب تھی اور انجیل بھی سچی کتاب تھی۔ اوراس وقت انہی پر عمل کرنے میں کامیابی تھی۔ یہ مذہب اس وقت منسوخ ہوئے جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔

اس کی مثال تم اس طرح سمجھو کہ جب چاند اور ستارے جگمگا رہے ہوتے ہیں لوگ ان کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب سورج طلوع ہو جائے تو پھر نہ چاند کی ضرورت، نہ ستاروں کی۔ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام چاند ستاروں کی مانند تھے اور آنحضرت ﷺ سورج کی مانند ہیں۔ جب آپ ﷺ تشریف لے آئے، سورج طلوع ہو گیا تو اب چاند تاروں کی ضرورت نہیں رہی۔ تو انہوں نے ایک دوسرے کے مذہب کو ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے جھوٹا کہا، فرمایا..........

جاہل مشرکین کا عقیدہ :

کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے مِثْلَ قَوْلِھِمْ ان کی بات کی طرح۔ یہ اَن پڑھ علم سے محروم عرب کے مشرک تھے انہوں نے کہا کہ ہم سچے ہیں ہمارے علاوہ سب جھوٹے ہیں۔ حالانکہ وہ سر سے لے کر پاؤں تک شرک میں ڈوبے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کا وہ گھر جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بنایا تھا اس کی بیرونی دیواروں پر انہوں نے تین سو ساٹھ بت نصب کئے ہوئے تھے۔ جن میں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام کے بت بھی

شامل تھے۔

بدکار جوڑے کی پوجا :

اور بڑے غضب کی بات یہ تھی کہ ان بتوں میں ''اِساف اور نائلہ'' کے بت بھی شامل تھے۔ ''اساف'' مرد تھا اور ''نائلہ'' عورت تھی۔ ان کے آپس میں برے تعلقات تھے ان کو خواہش پوری کرنے کے لئے اور کوئی جگہ نہ ملی۔ اس زمانے میں لوگ تھوڑے ہوتے تھے رات کو جب لوگ اپنے گھروں میں چلے گئے تو انہوں نے کعبۃ اللہ کے اندر بدکاری کی اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر بنا دیا۔ شکلیں تو وہی رہیں مگر پتھر میں تبدیل ہو گئے۔

لوگوں نے ان کو عبرت کے لئے وہیں کھڑا کر دیا کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں کہ کعبۃ اللہ میں برائی کا یہ انجام ہے۔ مگر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد لوگوں نے ان کی پوجا شروع کر دی کہ اب یہ ان کے نزدیک محترم ہو گئے۔ اور مشرکین مکہ کے ہاں سب سے زیادہ محترم مجسمہ ''ہُبل'' کا تھا یہ انہوں نے حضرت ہابیل رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر بنایا ہوا تھا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے مظلوم شہید بیٹے تھے تو ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کے گھر کو شرک کے ساتھ بھرا ہوا تھا اور اس کے باوجود وہ کہتے تھے کہ ہم سچے ہیں اور باقی سب جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

فَاللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ پس اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قیامت کے دن فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ان چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ یہ فیصلہ عملی طور پر ہوگا کہ سچے جنت میں اور جھوٹے دوزخ میں۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ورنہ دلائل کے

اعتبار سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟۔اور یہ لوگ باطل پر ہونے کے باوجود اس قدر عنادی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عبادت کرنے سے روکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جو روکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے؟ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ کہ ذکر کیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کے نام کا وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اور کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے گھروں کو برباد کرنے کی اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ وہ لوگ ہیں نہیں تھا ان کو حق اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ یہ کہ داخل ہوتے (ان مسجدوں میں) اِلَّا خَآئِفِيْنَ مگر خوف کرتے ہوئے۔

ان آیات کے مختلف مطالب بیان فرمائے گئے ہیں.........

مسلمانوں کو عمرہ سے روکنا :

① ...... ان کا ایک مطلب تو یہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہجرت کے چھٹے سال ذوالقعدہ کے مہینے میں تقریباً پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے اس وقت ابھی حج فرض نہیں ہوا تھا۔حج ۹ھ میں فرض ہوا ہے۔آنحضرت ﷺ بمع ساتھیوں کے جب مکہ مکرمہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جس کا آج کل نام شمیسہ ہے اور مکہ مکرمہ کے حدود میں آ گیا ہے۔تو مشرکین مکہ نے مزاحمت کی اور کہا کہ ہم تمہیں مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے باوجود اس کے کہ ان کو یقین تھا کہ یہ حضرات عمرہ کرنے کے لئے آ رہے ہیں۔لڑنے کے لئے نہیں آئے۔کئی دنوں تک بحث ہوتی رہی سفیر آتے جاتے رہے۔مگر

انہوں نے عمرہ نہ کرنے دیا پھر اگلے سال ۷ھ میں آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء کیا تو ان مشرکین مکہ سے بڑا ظالم کون ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مسجد سے روک دیا چونکہ اوپر مشرکین کا ذکر تھا اس لئے یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے۔

شاہِ روم کا مسجد اقصیٰ پر حملہ اور نمازیوں کا قتل عام :

۲...... اور یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے روم کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام ''طیطس'' بھی لکھتے ہیں اور ''طیطاؤس'' بھی لکھتے ہیں عیسائیوں نے اس کے ساتھ مل کر مسجد اقصیٰ پر حملہ کیا اور جتنے یہودی نمازی تھے ان سب کو قتل کر دیا اور مسجد اقصیٰ کے آس پاس کے علاقوں میں بھی اس نے بڑا طوفان کھڑا کیا۔ اور اتنی قتل و غارت کی کہ تاریخ بتاتی ہے کہ گلیوں میں اتنا خون تھا کہ گھوڑوں کے گھٹنے اس میں ڈوبے ہوئے تھے تو اس نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے گھر میں ذکر کرنے سے روکا اور قتل کیا۔ اس سے بڑا کون ظالم ہوسکتا ہے۔ چونکہ اوپر نصاریٰ کا بھی ذکر ہے، لہٰذا یہ مطلب بھی بن سکتا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کے گھر سے روکنے والے سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے روکے۔ حالانکہ روکنے کی بجائے ان کو تو چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں ڈرتے ہوئے اور خوف کھاتے ہوئے داخل ہوتے۔ الٹا یہ روکتے ہیں۔

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور ان کے لئے آخرت میں عذاب ہے بڑا۔

مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا :

یہاں ایک بات سمجھ لیں کہ بعض اہلِ بدعت نے يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ مسجدوں میں بلند آواز سے ذکر کیا جائے۔ لہٰذا اس سے روکنے والے ظالم ہیں۔ بھائی! آیت کریمہ میں تو صرف ذکر اللہ کا بیان ہے، یہ بلند آواز سے ذکر کرنا کس لفظ کا ترجمہ ہے۔

ایک ہے نفس ذکر اور ایک ہے شور ڈالنا۔ دونوں چیزوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نفسِ ذکر میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور بلند آواز سے ذکر کرنا کہ جس سے نمازی کو یا تلاوت کرنے والے کو یا سوئے ہوئے کو تکلیف پہنچے۔ یا قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں خلل واقع ہو تو حرام ہے۔ مسجدوں میں بلند آواز سے ذکر کرنے کے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے........

رَفْعُ الصَّوْتِ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَوْ بِالذِّكْرِ حَرَامٌ مسجدوں میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر کے لئے ہو حرام ہے۔ گیارہویں صدی کے مجدد ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں رَفْعُ الصَّوْتِ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَوْ بِالذِّكْرِ حَرَامٌ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے۔ نفس ذکر سے کوئی نہیں منع کرتا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت اس طرح کرو کہ دیکھنے والے کہیں دیوانہ ہو گیا ہے۔ بات تو ہے بلند آواز سے ذکر کرنے کے بارے میں۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ مسجد میں اگر ایک بھی نمازی ہو تو بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا لَا يَجُوزُ جائز نہیں ہے۔ اور مسجد میں شور ڈالنا مسجد کے آداب کے بھی خلاف ہے۔ مسجد کے ادب کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

مسجد کے چند آداب :

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھنے کے بعد ان الفاظ کے ساتھ دعا کی اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ وَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا اے اللہ! مجھ پر رحمت نازل کر اور محمد ﷺ پر اور کسی پر نازل نہ کرنا۔ آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا تو نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تنگ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت تو وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ہر شی پر وسیع ہے۔

یہ باتیں کر رہے تھے کہ اس نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے روکنے کے لئے دوڑے تو آپ ﷺ نے منع فرمادیا کہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ یا اس لئے منع فرمایا کہ تم روکو گے وہ دوڑے گا گندگی پھیلے گی ساری مسجد پلید ہوگی جب وہ فارغ ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا کہ یہ نماز کے لئے ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کیلئے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے ہیں۔ اس کارروائی کے لئے نہیں ہیں جو تو نے کی ہے۔ تو مسجد کا ادب و احترام بڑی چیز ہے۔

① ...... مصنف عبدالرزاق میں حدیث آتی ہے جَنِّبُوْا مَسَاجِدَکُمْ مَجَانِیْنَکُمْ مسجدوں میں پاگلوں کو نہ داخل ہونے دو کیونکہ وہ پیشاب کر دیں، تھوک دیں گے اور کوئی ایسی حرکت کر دیں گے جو خلاف ادب ہوگی۔ اسی طرح صِبْیَانَکُمْ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کہ چھوٹے بچے جن کو تمیز نہیں ہے ان کو بھی مسجد میں نہ آنے دو کوئی ایسی حرکت نہ کر دیں جس سے مسجد کی بے حرمتی ہو۔ اسی لئے

مسجد میں دوڑنا حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر امام رکوع میں چلا گیا ہے اور کوئی شخص جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ.........

②...... لَاتَاتُوْهَا وَاَنْتُمْ تَسْعَوْنَ دوڑ کر تم نماز میں شریک نہ ہو عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ آہستہ چل کر آؤ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا جو رکعتیں امام کے ساتھ مل جائیں وہ پڑھ لو اور جو تم سے رہ گئی ہیں ان کو بعد میں پڑھ لو کیونکہ تیز دوڑنے سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی اور یہ بڑا گناہ ہے۔

قبلہ کی تبدیلی:

پہلے آپ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں کہ کچھ احکام منسوخ بھی ہیں، انہی احکام میں سے تحویل قبلہ کا مسئلہ بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے تقریباً سولہ سترہ مہینے مسجد اقصیٰ کی طرف چہرہ کر کے نمازیں پڑھیں۔ مسجد نبوی سے تقریباً ایک میل دور قبیلہ بنوسلمہ جو مشہور قبیلہ تھا کی مسجد میں آپ ﷺ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے جس کو آج کل مسجد قبلتین کہا جاتا ہے۔ عین نماز کی حالت میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا دو رکعتیں آپ ﷺ پڑھا چکے تھے دوسری دو رکعتیں آپ ﷺ نے کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ مبارک کر کے پڑھائیں۔ یہودیوں کو اعتراض کا موقع مل گیا کہنے لگے اس کا بھی کوئی اعتبار ہے جس کا قبلہ بدلتا رہتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا.........

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب۔ ہم تو رب تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا پس جس طرف تم چہرہ پھیرو فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ پس اسی طرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اِنَّ اللّٰهَ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ پہلے تین فرقوں کا ذکر ہوا ہے یہود، نصاریٰ اور مشرکین کا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا اور کہا انہوں نے بنالی اللہ تعالیٰ نے اولاد۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ اور کہا یہود نے عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى مَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ اور عیسائیوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور مشرکوں نے کہا وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ اور بنائی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

سُبْحٰنَهٗ پاک ہے اس کی ذات۔ بیٹوں سے اور بیٹیوں سے بیوی سے ماں سے اور ہر اس چیز سے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بلکہ اسی کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔ فرشتے بھی، حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی۔ اور اس کی صفت ہے.........

''بدعت'' اور ''ایجاد'' کا فرق :

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو۔ بدعت کا لفظ بھی اسی باب سے ہے۔ بدعت کا معنیٰ ہے ''نو ایجاد'' اگر یہ دین میں ہو یعنی من گھڑت چیز کو دین سمجھا جائے تو اس کا بڑا گناہ ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ کہ جس نے دین میں کوئی نئی چیز بنائی تو وہ مردود ہوگی۔ اس کا بڑا گناہ ہے۔ باقی رہا دنیاوی طور پر کسی چیز کا نو ایجاد ہونا تو وہ شرعی

بدعت نہیں ہے۔ وہ لغوی طور پر بدعت ہوگی۔ بعض جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو جی تم ہمیں بدعتی کہتے ہو؟ کیا تمہاری مسجدوں میں پنکھے نہیں لگے ہوئے۔ تم لاؤڈ سپیکر پر تقریر نہیں کرتے تم نے گھڑیاں نہیں پہن رکھیں۔ ٹوٹیوں سے وضو نہیں کرتے۔ تم گاڑیوں اور جہازوں پر سوار نہیں ہوتے۔ یہ تمام چیزیں ''نوایجاد'' اور ''بدعت'' نہیں ہیں؟ یہ جاہلانہ اعتراض ہے۔ اس لئے کہ ان چیزوں کو دین کوئی بھی نہیں سمجھتا شرعی بدعت وہ ہے جس کو دین سمجھ کر کیا جائے۔ کیونکہ لفظ ہیں مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جس نے کوئی نئی چیز گھڑی ہمارے اس دین کے معاملے میں یعنی اس کو دین سمجھا جائے اور اسے ثواب کی امید پر کیا جائے ان چیزوں کو کوئی بھی دین سمجھ کر استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ یہ چیزیں وقتی ضرورت ہیں ہاں اگر کوئی شخص دین سمجھ کر گھڑی پہنتا ہے یا دین سمجھ کر عینک پہنتا ہے تو یہ بدعت ہوگی۔ بدعت لغوی اور بدعت شرعی کا فرق اچھی طرح سمجھ لو۔

اور یاد رکھنا! ایک شرعی بدعت کا گناہ سو کبیرہ گناہوں سے زیادہ ہے اس کو تم اس طرح سمجھو کہ مسجد کے محراب میں سو بوتلیں شراب پینے کا اتنا گناہ نہیں جتنا دین میں ایک بدعت کا گناہ ہے۔ اس لئے کہ گناہ کبیرہ سے دین کا نقشہ نہیں بدلتا اس کو کرنے والا گناہ ہی سمجھتا ہے۔ اور بدعت سے دین کا نقشہ بدل جاتا ہے اور نقشوں پر حکومتوں کی لڑائیاں ہوتی ہیں کہ یہ حصہ میرا ہے اور یہ حصہ تیرا ہے۔ بدعت کو لوگ معمولی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ شرک کے بعد بدعت بہت بری چیز ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَلٰی کُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ بدعتی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

بدعت سے دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا بدعت سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ............

وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا اور جب وہ فیصلہ کرتا ہے کسی معاملے کا فَاِنَّمَا پس پختہ بات ہے یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ کہتا ہے اس کو ہوجا فَيَكُوْنُ پس وہ ہوجاتی ہے۔ وہ کسی چیز کے بنانے میں بیٹی بیٹے کا محتاج نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کو ساز و سامان کی ضرورت ہے۔ کلمہ کن سے اس کے ارادے کے مطابق چیز ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح عقیدہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور گندے عقیدوں سے محفوظ رکھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

لفظی ترجمہ :

وَقَالَ الَّذِیْنَ اور کہا ان لوگوں نے لَایَعْلَمُوْنَ جو نہیں جانتے لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ کیوں نہیں کلام کرتا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ یا کیوں نہیں آئی ہمارے پاس کوئی نشانی کَذٰلِکَ قَالَ اسی طرح کہا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے مِّثْلَ قَوْلِھِمْ ان کی بات کی طرح۔

تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہیں قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ تحقیق ہم نے بیان کردیں نشانیاں لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ اس قوم کے لئے جو یقین رکھتی ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بے شک بھیجا ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔

وَّلَا تُسْئَلُ اور آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونے والوں کے بارے میں وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ اور ہرگز راضی نہیں ہوں گے آپ سے الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی یہودی اور نہ عیسائی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ یہاں تک کہ آپ پیروی کریں ان کی ملت کی۔

قُلْ اِنَّ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں بے شک ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ

الْهُدٰی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ہدایت ہے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ اور البتہ اگر آپ (ﷺ) نے پیروی کی ان کی خواہشات کی بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ بعد اس کے کہ آچکا آپ کے پاس علم مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ نہیں ہوگا آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب یَتْلُوْنَهٗ وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں حَقَّ تِلَاوَتِهٖ جیسا کہ اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ پس وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

ربط :

ان آیات کا پچھلی آیات کے ساتھ ربط یہ ہے کہ پہلی آیات میں بھی آپ ﷺ پر یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے بے جا اعتراضات کا ذکر تھا اور ان آیات میں بھی بے جا اعتراض کا ذکر ہے۔

کفار کا بے جا مطالبہ :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق رافع نامی یہودی آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کہیں کہ وہ ہمارے ساتھ کلام کرے اور ہمیں کہے کہ میں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا

ہے۔ یا کوئی کھلی نشانی ظاہر کرے جو آپ کی نبوۃ پر دلالت کرے تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔

اور بعض روایات میں آتا ہے کہ عیسائیوں نے آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کلام کرکے یا کوئی نشانی ظاہر کرکے بتائے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات عرب کے بعض لوگوں نے کی تھی۔ بہرحال ان میں سے کسی نے بھی کی ہو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو بے علم اور جاہل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ....

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی پہچان نہیں اور رسالت کی حقیقت کا علم نہیں رکھتے اور بصیرت سے محروم کر دیئے گئے ہیں، کیا کہا؟........

لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ کیوں نہیں کلام کرتا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ؟ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ یا کیوں نہیں آئی ہمارے پاس کوئی نشانی؟۔ جس کے بعد ہمیں آپ ﷺ کی رسالت میں کوئی شک وشبہ نہ رہے اور آپ ﷺ کی نبوۃ ہم پر واضح ہو جائے یہ ان کا مطالبہ انتہائی لاعلمی اور جہالت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے ساتھ ہم کلام ہو کر کہنا کہ یہ میرا پیغمبر ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

کیونکہ اس طرح پیغمبر کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے جو صفات اور کمالات رکھے ہیں ان کا لحاظ ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ میں نے جو خوبیاں اور کمال پیغمبر کی ذات میں رکھے ہیں ان کو دیکھو اور پیغمبر کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اس پر

ایمان لاؤ۔اور اس کی اتباع کرو۔اور اگر اللہ تعالیٰ خود آواز دے کر کہہ دیں تو یہ ساری ختم ہوجاتی ہیں۔ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ اورانہوں نے یہ بھی کہا ''یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی؟''۔

آیت کا ایک معنٰی حسی ہے اور ایک معنٰی معنوی ہے۔آیت کا حسی معنٰی معجزہ ہے کہ خرق عادت کے طور پر اطلاق قرآن کریم یا دیگر آسمانی کتابوں پر ہوتا ہے۔اگر حسی معنٰی کے لحاظ سے آیت کا مطلب لیا جائے تو یہ مفہوم ہوگا کہ ہمارے سامنے ہماری مرضی کے مطابق کوئی معجزہ ظاہر کیوں نہیں کرتے؟۔ جیسا کہ پندرہویں پارے میں آئے گا کہ مشرکین نے کہا تھا.........

لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا ہم آپ (ﷺ) پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ (ﷺ) ہمارے لئے زمین سے چشمے جاری کریں۔ یا آپ (ﷺ) کے لئے سونے کا محل ہونا چاہیے۔ یا آپ (ﷺ) ہمارے سامنے آسمانوں پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ایسی کتاب لے کر آئیں نَقْرَءُہٗ جس کو ہم پڑھیں۔اس قسم کے لایعنی سوالات اور مطالبات کرتے تھے ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صداقت کو ظاہر کرنے کیلئے بیشمار معجزات ان کے ہاتھ مبارک پر ظاہر فرمائے اور اگر آیت کا مطلب معنوی لحاظ سے لیا جائے تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ آپ (ﷺ) پر کتاب نازل ہوسکتی ہے۔تو ہم پر آیت یعنی کتاب نازل کیوں نہیں ہوتی؟۔ اور ایسا کہنا بھی انتہائی جہالت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کے نزول کے لئے اپنے بندوں میں سے نبیوں او ررسولوں کا انتخاب خود کرتا ہے کہ کون اس کے لائق ہے.........

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (پارہ : ۸) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس موقع پر وہ اپنے پیغام کو رکھتا ہے۔ یعنی اس کو معلوم ہے کہ اس نے کس کو اپنی جانب سے رسول بنا کر بھیجنا ہے اگر ہر ایک پر اللہ تعالیٰ آیات نازل کرے تو نبوۃ اور رسالت کا مقصد ہی باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا ایسا مطالبہ کرنے والے بالکل بے علم اور جاہل ہیں۔ چونکہ اس قسم کے لایعنی سوالات سے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو پریشانی ہوتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مطمئن فرمایا اور کہا کہ یہ معاملہ صرف آپ سے نہیں ہو رہا بلکہ ایسی جاہلانہ باتیں پہلے لوگوں نے بھی کی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے...........

کفار کی باہمی مشابہت :

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے ان کی بات کی طرح۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے بعض لوگوں نے کہا تھا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو سامنے دیکھ لیں، فرمایا......

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے ہیں۔ جس طرح ان کے دلوں میں پیغمبر خدا اور حق کے خلاف جذبات اور شیطانی وسوسے تھے اسی طرح ان کی بھی وہی حالت ہے، فرمایا..........

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ تحقیق ہم نے بیان کر دیں نشانیاں اس قوم کے لئے جو یقین رکھتی ہے۔ نشانیاں تو سب کے لئے ہیں مگر ان سے سبق

27

وہی حاصل کرتے ہیں جو یقین کرنے والے ہیں یہ اسی طرح ہے جس طرح قرآنِ کریم کے متعلق فرمایا کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے قرآن پاک ہدایت تو سب کے لئے ہے مگر اس سے فائدہ متقین نے اٹھایا، فرمایا......

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بے شک بھیجا ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ جو ایمان لائیں اور عمل اچھے کریں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی خوشخبری سنا دے اور نافرمانوں اور فاسقوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور جہنم سے ڈرا دے۔

ہدایت دینا صرف خدا کا کام ہے :

وَّ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ اور آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونے والوں کے بارے میں کہ یہ جہنم میں کیوں گئے ہیں؟۔ یہ سوال تو تب ہوتا کہ آپ ﷺ نے تبلیغ نہ کی ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے احکام ان تک نہ پہنچائے ہوتے۔ آپ ﷺ نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی اور آپ ﷺ کے ذمہ اتنا ہی تھا۔ ہدایت دینا آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ خود ان سے نمٹ لے گا کہ میں نے تمہاری طرف پیغمبر بھیجا تھا جس نے تمہیں میرا پیغام دیا تھا؟۔ میرا پیغام سن کر تم نے کیا جواب دیا تھا؟۔ پیغمبر علیہ السلام حق تبلیغ ادا کر کے اپنے عہدہ سے بری ہو گئے۔ ہدایت دینا ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر ہدایت دینا نبی کے اختیار میں ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے قابیل کو اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کنعان کو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آذر کو ہدایت سے

نوازتے اور آنحضرت ﷺ طبعی محبت کے باوجود اپنے چچا ابو طالب کو گمراہی میں نہ رہنے دیتے بلکہ اس کو ایمان کی دولت سے مالا مال کردیتے، فرمایا......

یہود و نصاریٰ کی پیروی :

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى اور ہرگز راضی نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ یہاں تک کہ آپ پیروی کریں ان کی ملت کی۔ یعنی یہود و نصاریٰ جو آپ ﷺ سے معجزات کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس سے ان کی نیت یہ نہیں ہے کہ وہ معجزات دیکھ کر ایمان لے آئیں گے بلکہ وہ صرف آپ ﷺ کو پریشان کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں وہ آپ پر کسی صورت میں بھی راضی نہیں ہوں گے مگر یہ کہ آپ ﷺ ان کے دین کی پیروی کریں۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى آپ (ﷺ) کہہ دیں بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ہدایت ہے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اور البتہ اگر آپ (ﷺ) نے پیروی کی ان کی خواہشات کی بعد اس کے کہ آچکا آپ کے پاس علم مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ نہیں ہوگا آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔

دیکھو! وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ ''اور اگر آپ نے اتباع کی'' اس میں خطاب تو آنحضرت ﷺ کو کیا گیا ہے مگر سمجھانا امت کو مقصود ہے۔ کیونکہ پیغمبر کے متعلق تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ گمراہ لوگوں کی پیروی کرے گا البتہ امت کے افراد سے اس کا امکان اور خوف ہے۔ اس لئے امت کو سمجھایا گیا ہے کہ اگر تم علم ہو جانے کے بعد یہود و نصاریٰ کی خواہشات پر چلو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت ہوگی اور تمہارا حمایتی اور مدد

گار بھی کوئی نہیں ہوگا۔

یہود ونصاریٰ کی نقالی پر آنحضرت ﷺ کا فرمان مبارک :

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ایک وقت آئے گا کہ تم یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر چلو گے حتی کہ وہ اگر کسی سوراخ میں گھسیں گے تو تم بھی اس سوراخ میں گھسنے کی کوشش کرو گے"۔ آج کے معاشرے پر نظر کی جائے تو آنحضرت ﷺ کا فرمان دکھائی دے رہا ہے۔ یہود ونصاریٰ جو فیشن ایجاد کرتے ہیں مسلمان اس کی نقالی کو فخر سمجھتے ہیں۔ اور تہذیب جدید کا نام دے کر اس کو اپناتے ہیں۔ حالانکہ ان کا مقصود مسلمانوں کو اپنی تہذیب اور اخلاق سے دور کرنا ہے۔ لہٰذا ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جاؤ۔ فرمایا......

تلاوت کلام پاک کے آداب :

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے۔ تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کے احکامات کو تسلیم کیا جائے اور ان پر عمل کیا جائے اور اس کی منع کردہ باتوں سے بچا جائے۔ اگر اس کے احکامات کو ماننا ہی نہیں ہے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے باز ہی نہیں آنا تو اس کی تلاوت کا کیا فائدہ؟۔

جیسا کہ بعض عیسائی اور یہودی بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور بعض جگہوں میں عیسائی ٹیچر قرآن کریم پڑھاتے ہیں۔ مگر نہ مانتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔ تو اس سے ان کو کیا فائدہ ہوگا؟۔ اسی طرح اہلِ کتاب توراۃ، انجیل اور

زبور کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں۔ اور اپنی کتابوں میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نشانیاں بھی پڑھتے ہیں اور اس کا علم ہونے کے باوجود آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے۔ تو ایسے لوگوں نے تلاوت کا حق ادا نہیں کیا۔

تلاوت کا حق ادا کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ، حضرت عدی بن حاتم، حضرت تمیم داری اور حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہم ہیں جو آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ اور قرآنِ کریم کی تلاوت کا حق اس وقت ادا ہوگا جب اس کا مفہوم سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے گا۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے رُبَّ قَارِئٍ لِلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ بہت سے قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز نہیں پڑھتا اٰتُوا الزَّکَاۃَ پڑھتا ہے اور صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ سے بھاگتا ہے۔ تو یہ تلاوت کر رہا ہے اور قرآن کریم اس پر لعنت کر رہا ہے۔ کیونکہ جو پڑھ رہا ہے اس پر عمل نہیں کر رہا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کے حلال کردہ احکام کو حلال اور حرام کردہ احکام کو حرام سمجھا جائے"۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسی طرح پڑھے کلمات کو ان کی جگہ سے نہ بدلے اور خواہ مخواہ ان کی تاویل بھی نہ کرے، فرمایا......

اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں جو اس کی

تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ پس وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ یعنی اہلِ کتاب میں سے جس نے قرآنِ کریم کا انکار کیا اس نے اپنی کتاب کا بھی انکار کیا اور اس انکار کا وبال بھی انہیں پر، پڑے گا کہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ پر یا اللہ تعالیٰ کے نبی پر اس کا کیا اثر ہے؟۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

لفظی ترجمہ :

یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ اے اسرائیل (علیہ السلام) کی اولاد اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ یاد کرو میری نعمتوں کو الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ جو میں نے تم پر کیں وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ اور میں نے تمہیں فضیلت بخشی عَلَی الْعٰلَمِیْنَ جہان والوں پر۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا اور ڈرو اس دن سے لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ نہیں کفایت کرے گا کوئی نفس عَنْ نَّفْسٍ کسی نفس کی طرف سے شَیْئًا کچھ بھی وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے عَدْلٌ بدلہ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ اور نہ نفع دے گا اس کو سفارش کرنا وَّلَاهُمْ یُنْصَرُوْنَ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ اور جب آزمایا ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے بِکَلِمٰتٍ چند باتوں کے ساتھ فَاَتَمَّهُنَّ پس انہوں نے ان باتوں کو پورا کر دیا قَالَ فرمایا (پروردگار نے) اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا بے شک میں بنانے والا ہوں تمہیں لوگوں کے لئے پیشوا قَالَ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ اور میری اولاد میں سے بھی قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) نہیں پہنچے گا میرا عہد ظالموں کو۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ اور جب بنایا ہم نے بیت اللہ کو مَثَابَةً لِّلنَّاسِ لوٹنے کی جگہ وَاَمْنًا اورامن کی جگہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى اور بناؤتم ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کونماز کی جگہ وَعَهِدْنَآ اورہم نے تاکید کی اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ ابراہیم اوراسماعیل (علیہما السلام) کو اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ کہ پاک رکھوتم دونوں میرے گھرکو لِلطَّآئِفِيْنَ طواف کرنے والوں کے لئے وَالْعٰكِفِيْنَ اوراعتکاف بیٹھنے والوں کے لئے وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اوررکوع اورسجدہ کرنے والوں کے لئے۔

بنی اسرائیل کون تھے؟ :

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب جس کا معنٰی ''عبداللہ'' ہے اوراس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔تو.........

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ کا معنی ہوگا''یعقوب علیہ السلام کی اولاد''۔حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے،بیٹی کوئی نہیں تھی ان میں سے ایک حضرت یوسف علیہ السلام بھی تھے جواللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے ہر بیٹے کی آگے نسل چلی اوروہ مستقل خاندان بنا اور اپنے باپ کی طرف نسبت سے مشہور ہوا کوئی یوسفی کہلائے کوئی بنیامینی،کوئی روبینی اور کوئی یہودی کہلائے۔تو یہ بنی اسرائیل فرعون سے نجات حاصل کرنے کے بعد جب وادی تیہ میں پہنچے (جس کا آج کل نام وادی سینائی ہے۔اوراس کا وہ حصہ جوفوجی اہمیت کا حامل ہے یہودیوں کے قبضہ میں ہے اورباقی مصر کے پاس ہے)۔

بنی اسرائیل جب اس میدان میں پہنچے تو تفصیلاً پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کھانے پینے کا انتظام فرمایا من سلویٰ کے ساتھ۔ سائے کا انتظام فرمایا بادلوں کے ساتھ۔ اور پانی کا انتظام فرمایا پتھر سے چشمے جاری فرما کر۔ اس کے علاوہ ان پر اور بڑے انعام فرمائے۔ (اسی طرح "نــعـمـتــی" میں "نعمت" کا ترجمہ جمع والا کیا گیا ہے اور "نعمت" مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق مفرد، جمع سب پر ہوتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اے اسرائیل (علیہ السلام) کی اولاد اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ یاد کرو میری نعمتوں کو الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ جو میں نے تم پر کیں۔ نعمتوں کو یاد کرانے کا مطلب ہے کہ ان کی قدر کرو اور ان کا شکریہ ادا کرو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے.........

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ اگر تم میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو گے تو میں تمہیں ضرور زیادہ دوں گا وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ اور اگر تم ناشکری کرو گے بے شک میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ اور میں نے تمہیں فضیلت بخشی جہان والوں پر۔ اس وقت دنیا میں جتنے لوگ موجود تھے بنی اسرائیل کو ان سب پر فوقیت اور فضیلت حاصل تھی ظاہری اعتبار سے بھی اور باطنی اعتبار سے بھی ظاہری اعتبار سے۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہی عطا فرمائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ بنے حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلافت عطا فرمائی اور سلیمان علیہ السلام کو بے

مثال بادشاہی عطا فرمائی۔اوران کی نسل میں اورکئی بادشاہ ہوئے اور باطنی اعتبار سے اس طرح کہ اس کورسالت عطا فرمائی۔حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کرعیسیٰ علیہ السلام تک تقریباً چار ہزار پیغمبر بنی اسرائیل میں آئے ہیں۔اگرایک پیغمبرکسی قوم میں آجائے تو اس قوم کا سرفخر سے بلند ہوجاتا ہے،آسمان سے جا لگتا ہے چہ جائیکہ کسی قوم میں چار ہزار پیغمبر آئیں۔پھر چار بڑی مشہور کتابوں میں سے تین کتابیں بھی رب تعالیٰ نے ان کو دیں۔توراۃ موسیٰ علیہ السلام کو، زبور داؤد علیہ السلام کو، انجیل عیسیٰ علیہ السلام کو۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہری اور باطنی ہرطرح کی نعمتوں سے مالا مال فرمایا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔فرمایا......

روزِ قیامت کی نفسانفسی :

وَاتَّقُوْا يَوْمًا اورڈروقیامت کےدن سے لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ نہیں کفایت کرے گا کوئی نفس عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا کسی نفس کی طرف سے کچھ بھی۔ لَا يَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا نہ باپ بیٹے کے کام آئے اور نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا۔اورتیسویں پارے میں آتا ہے۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ اس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا اور اپنے ماں، باپ سے اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا اس سے اندازہ لگالو کہ کوئی کسی کے کیا کام آئے گا؟۔محشر والے دن یہ حال ہوگا کہ ایک آدمی کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔مثلاً نیکیاں بھی پچاس اور بدیاں بھی پچاس۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے بندے تیرا نیکی اور بدی والا پلہ برابر ہے۔اس طرح کر کہ تو ایک نیکی تلاش کر کے لا۔تاکہ تیرا نیکیوں والا پلہ بھاری

ہو جائے وہ بڑا خوش ہو جائے گا کہ ایک نیکی کا لانا کون سا مشکل ہے؟۔ اپنے لنگوٹے یاروں کے پاس جائے گا جو ہر وقت اس کے ساتھ ٹہلتے اور چلتے پھرتے اور اس کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے وہ ایک نیکی دینے سے انکار کر دیں گے پھر اپنے بھائی کے پاس جائے گا کہ یہ دنیا میں میرا بازو تھا بھائی بھی انکار کر دے گا۔ پھر باپ کے پاس جائے گا وہ بھی انکار کر دے گا۔ غرضیکہ جب سارے عزیز و اقارب انکار کر دیں گے تو پھر آخر میں ماں کے پاس جائے گا اور کہے گا......

اَتَعْرِفِیْنِیْ کیا تو مجھے پہچانتی ہے کہ میں کون ہوں؟۔ وہ کہے گی کہ ہاں میں نے تجھے پیٹ میں اٹھایا اور مشقت کے ساتھ تجھے جنا پھر تیری پرورش کی تو میرا بیٹا ہے۔ وہ کہے گا اے میری ماں مجھے ایک نیکی دے، دے تاکہ میرا نیکیوں والا پلہ بھاری ہو جائے وہ کہے گی اِلَیْكَ عَنِّیْ مجھ سے دور ہو جا۔ میں نیکی تجھے دے کر خود کیا کروں گی؟۔ اس سے اندازہ لگالو یومِ محشر کا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ..........

لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ نہیں کفایت کرے گا کوئی نفس عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا کسی نفس کی طرف سے کچھ بھی وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے بدلہ، جرمانہ اور فدیہ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ اور نہ نفع دے گا اس کو سفارش کرنا۔ قیامت والے دن کافر، مشرک نفس کو شفاعت بھی فائدہ نہیں دے گی۔

وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ دیکھو! اگر کوئی آدمی جیل یا تھانے میں گرفتار ہو جائے تو اس کو رہا کرانے کے عقلی طور پر چار ہی طریقے ہیں......

①...... ضمانت دے کر رہا کرالیا جاتا ہے کہ اس کو چھوڑ دو ہم اس کے ضامن ہیں کہ یہ عدالت کے طلب کرنے پر حاضر ہو جائے گا۔

②...... دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ واقعی اس نے جرم کیا ہے تم جرمانہ لے کر اس کو چھوڑ دو۔

③...... تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ بااثر آدمی سفارش کر کے رہا کر لیتا ہے۔

④...... چوتھی صورت یہ ہوتی ہے کہ حملہ کر کے زبردستی رہا کرالیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت والے دن نہ تو کوئی کسی کی ضمانت دے گا اور نہ فدیہ اور جرمانہ وصول کیا جائے گا اور نہ ہی نافرمانوں کے لئے سفارش۔ اس کے متعلق یاد رکھنا کہ سفارش کی جو نفی کی گئی ہے یہ کافر اور مشرک سے سفارش کی نفی ہے۔ باقی گنہگار مومنوں کے لئے سفارش اپنی جگہ برحق ہے۔ اور مومنوں سے جو غلطیاں ہوئی ہوں گی تو ان کے لئے سفارش قرآنِ کریم سے بھی ثابت ہے اور احادیث اور اجماعِ امت سے بھی ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی سفارش کریں گے۔ فرشتے بھی سفارش کریں گے۔ حافظ قرآن بھی سفارش کریں گے۔

حفاظ، شہدا اور نابالغ بچوں کی سفارش :

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک حافظ قرآن کی سفارش سے اس کی برادری کے دس مجرموں کو چھٹکارا ملے گا۔ گویا کہ حافظ قرآن صرف اپنے لئے نہیں پڑھ رہا بلکہ دوسروں کے لئے بھی پڑھ رہا ہے بشرطیکہ صحیح معنیٰ میں حافظ قرآن ہو اسی طرح شہید بھی سفارش کریں گے۔ اور چھوٹے بچے جو نابالغی میں فوت ہو گئے ہیں۔ لڑکے

یا لڑکیاں وہ بھی سفارش کریں گے۔ بشرطیکہ ماں، باپ نے ان کی موت پر بین نہ کیا ہو۔ اگر بین کریں گے تو پھر ان کی سفارش سے محروم ہو جائیں گے۔ ہاں اگر بین کیا پھر سچے دل سے توبہ کرلی تو رب تعالیٰ معاف کردے گا۔ اور نمازی اور روزے دار آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کریں گے۔ بہر حال اہلِ توحید کی اہلِ توحید کے لئے سفارش برحق ہے۔ اور کافر اور مشرک کے لئے کوئی سفارش نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت چونکہ بہت بڑی تھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا درجہ ہے یہ کوئی معمولی عہدہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہر ایک ان کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ اور اپنی نسبت ان کے ساتھ جوڑتا تھا۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے مسلک پر تھے نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے تھے۔ اور عرب کے مشرک کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے تھے۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کے کارنامے بیان کر کے بتاتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کون تھے؟ اور انہوں نے کیا کام کئے تھے اور تم کیا کر رہے ہو اور ان کا تعلق کن کے ساتھ تھا؟۔ آگے دونوں رکوعوں تک یہی بیان چلے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان :

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ اور جب آزمایا ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے بِكَلِمٰتٍ چند باتوں میں، چند کاموں میں فَاَتَمَّهُنَّ پس ابراہیم (علیہ السلام) نے ان باتوں کو پورا کر دیا۔

ایک اشکال :

یہاں پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ امتحان تو وہ لیتا ہے جسے کسی کی قابلیت اور

اہلیت کا علم نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تو علیم کُل ہے اس کے امتحان لینے کا کیا مطلب ہے؟۔

جواب :

اس کے دو جوابات ہیں..........

① ...... ایک جواب یہ ہے کہ ایک امتحان تو ہوتا ہے کسی کی قابلیت اور اہلیت کو معلوم کرنے کے لئے جو عام طور پر لیا جاتا ہے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس طالب نے یہ پڑھا ہے یا نہیں فلاں کتاب اس کو یاد ہے یا نہیں؟ اور اس میں کتنی قابلیت رکھتا ہے؟۔ تو یہ امتحان ہوتا ہے معلومات حاصل کرنے کے لئے۔ رب تعالیٰ کے امتحان لینے کا یہ معنٰی نہیں ہے کیونکہ اس کو تو سب کچھ معلوم ہے۔

② ...... اور دوسرا معنٰی امتحان کا یہ ہے کہ امتحان لینے والے کو تو اس کی قابلیت اور اہلیت کا علم ہوتا ہے۔ مگر دوسرے لوگ اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا امتحان کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کہ تا کہ دوسروں پر اس کی خوبیاں واضح کر دی جائیں کہ اس میں کیا، کیا خوبیاں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحان کی یہی غرض و غایت تھی کہ جس ہستی کو میں نے اپنا خلیل منتخب کیا ہے۔ اور اپنا بلند مقام عطا کیا ہے۔ ان میں یہ، یہ خوبیاں ہیں۔

مثال کے طور پر ہمیں معلوم ہے کہ ہمارا فلاں شاگرد قابل ہے۔ اور وہ ہمارے سوالات کے جوابات جانتا ہے۔ اب مجمع میں ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ برخوردار اس کا جواب دے؟۔ اب ہمارا اس سے سوال کرنا اس غرض سے نہیں ہے کہ ہم اس کی قابلیت معلوم کرنا چاہتے ہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ مجلس والے اس فضیلت کو

تسلیم کرلیں کہ کس طرح صحیح ، صحیح جواب دے رہا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف جب امتحان لینے کی نسبت ہوگی تو اسی معنیٰ میں ہوگی کہ مخلوق کو اس کی قدر و منزلت کا علم ہو جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا۔جیسا کہ قرآن پاک میں اس کا ذکر موجود ہے..........

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ آزَرَ اور جب کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر کو اور تارخ آزر کا لقب تھا۔اس وقت کلدانیوں کی حکومت تھی اور نمرود بن کنعان بڑا ظالم، جابر اور مشرک بادشاہ اس کا دار الحکومت شہر کوئی بروزن ''طوبیٰ'' تھا۔آج کے جغرافیہ میں اس کا نام ''اُور'' (UR) ہے۔ جو چھوٹا سا قصبہ معلوم ہوتا ہے ملک عراق میں۔اس ملک میں بے شمار بت خانے تھے اور ان کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر اس حکومت کے وزیر مذہبی امور تھے وہ بت اور بت خانے بناتے تھے اور جس بت خانے میں بتوں کی کمی ہوتی تھی پوری کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بت گر کے گھر بت شکن پیدا فرمایا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن سے ہی بتوں سے نفرت تھی جس کی وجہ سے ہر وقت باپ کے ساتھ تلخی رہتی تھی۔لیکن کبھی بے ادبی سے پیش نہیں آئے۔جب بھی بلایا ہے یَـا اَبَتِ اے اباجی کہہ کر بلایا ہے۔انداز نرم اور پیارا ہوتا تھا مگر کفر شرک کی تردید ڈٹ کر کرتے تھے۔جس گھر میں جھگڑا اور آپس میں ضد بازی ہو تو بڑا امتحان ہوتا ہے۔اور زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ گھریلو جھگڑے سے بچائے۔اور جس گھر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ جنت کا ٹکڑا ہے۔بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مختلف امتحان ہوئے ہیں ان میں

سے..........

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائشیں :

①...... پہلا امتحان باپ کے ساتھ مقابلہ تھا۔

②...... دوسرا امتحان پوری برادری کے ساتھ مقابلہ۔

③...... تیسرا امتحان پورے ملک کے ساتھ مقابلہ۔

④...... اور چوتھا امتحان نمرود بن کنعان جیسے ظالم اور جابر بادشاہ کے ساتھ مقابلہ تھا۔

⑤...... ان کے علاوہ جب اللہ تعالیٰ نے عراق سے ہجرت کرنے کا حکم دیا اور راستے میں امتحان۔

عراق میں یہ تین بزرگ ہی مسلمان تھے۔ حضرت ابراہیم، ان کے بھتیجے حضرت لوط، اور اہلیہ حضرت سارا علیہم السلام جو ان کے چچا کی بیٹی تھیں۔ یہ تینوں حضرات عراق سے ہجرت کر کے شام تشریف لے گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بدکردار بادشاہ :

راستے میں ایک ظالم بدکردار بادشاہ تھا اس علاقہ سے جو خوبصورت عورت گزرتی اسے بے آبرو کئے بغیر نہیں چھوڑتا تھا اور اگر اس عورت کے ساتھ خاوند ہوتا تو اسے قتل کرا دیتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اس علاقہ سے گزرنے لگے تو بادشاہ کے کسی ملازم نے ان سے سوال کیا کہ تمہارے ساتھ جو عورت ہے وہ تمہاری کیا لگتی ہے؟۔ فرمایا میری بیوی ہے۔ نوکر نے کہا کہ یہاں تم اس کو بیوی نہ کہنا ورنہ کسی مصیبت میں

پڑ جاؤ گے اگر تم نے بیوی کہا تو بادشاہ پہلے تمہیں قتل کرے گا پھر اگلی کارروائی ہوگی۔ شریف آدمی معلوم ہوتے ہو اور پردیسی مسافر نظر آرہے ہو۔ اس لئے ہم نے تمہیں بتا دیا ہے اگر بادشاہ تمہیں بلا کر پوچھے تو بیوی نہ کہنا بلکہ کہنا کہ میری بہن ہے۔ اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ ہم ملازم ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارا علیہا السلام کو سمجھا دیا کہ اگر بادشاہ تجھے پوچھے کہ تیرے ساتھ کون ہے؟۔ تو کہہ دینا کہ میرا بھائی ہے۔ اس لئے کہ "اَنْتِ اُخْتِیْ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ" اللہ تعالیٰ کے دین میں تو میری بہن ہے۔ تو دینی بھائی مراد لینا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو بادشاہ نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟۔ فرمایا میری بہن ہے۔ پھر اس بادشاہ نے غلط ارادہ کیا تو گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ پھر لگا منت سماجت کرنے اور غلط ارادے سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے زمین سے نکالا مجبور ہو کر اپنی لونڈی "ہاجرہ" ان کو دے کر جان چھڑائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے نکاح کر لیا اور ان کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

⑥...... اس کے بعد پھر یہ امتحان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر واپس آجاؤ۔ جہاں نہ کوئی سبزہ نہ کوئی انسان اور نہ کوئی مکان جواں سال عورت اور دودھ پیتا بچہ مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

⑦...... پھر وہ بچہ جب چلنے پھرنے کے قابل ہوا جو تقریباً تیرہ سال کی عمر کا ہوتا ہے تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو ذبح کر دو؟ اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر امتحان لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ اور جب آزمایا ابراہیم (علیہ السلام) کو اس کے رب نے بِكَلِمٰتٍ چند باتوں میں، چند کاموں میں فَاَتَمَّهُنَّ پس ابراہیم (علیہ السلام) نے ان باتوں کو پورا کر دیا۔ قَالَ فرمایا (پروردگار نے) اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا بے شک میں بنانے والا ہوں تمہیں لوگوں کے لئے پیشوا قَالَ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ اور میری اولاد میں سے بھی قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) نہیں پہنچے گا میرا عہد ظالموں کو۔ یہ دینی امامت کا عہدہ بہت بلند ہے اور آپ کی اولاد میں کافر، مشرک بھی ہوں گے۔ لہٰذا یہ وعدہ ساری اولاد کے لئے نہیں ہے۔

قبلہ رُخ ہونے کا حکم :

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ اور جب بنایا ہم نے بیت اللہ کو مَثَابَةً لِّلنَّاسِ لوٹنے کی جگہ وَاَمْنًا اور امن کی جگہ۔ کعبۃ اللہ کے متعلق تفصیل تو آگے آئے گی۔ ابھی صرف اس قدر سمجھیں کہ تمام لوگوں کو نماز کی حالت میں کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ کرنا ہے چاہے وہ کسی بھی سمت میں ہوں۔ ہم کعبۃ اللہ سے مشرق کی جانب رہتے ہیں اس لئے ہم مغرب کی طرف چہرہ کرتے ہیں۔ اور جو لوگ مغرب کی جانب رہتے ہیں وہ مشرق کی طرف چہرہ کرتے ہیں اور جو حضرات شمال کی طرف رہتے ہیں وہ جنوب کی طرف چہرہ کرتے ہیں اور جو جنوب کی طرف رہتے ہیں وہ شمال کی طرف چہرہ کرتے ہیں اگر نمازی کو کعبۃ اللہ سامنے نظر آ رہا ہو تو پھر عین کعبہ کی طرف رخ کرنا فرض ہے۔ ایسی حالت میں جہت اور سمت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور اگر کعبہ سامنے نظر نہیں آتا تو پھر کعبہ کی سمت اور جہت ہی کافی ہے اور تھوڑا بہت فرق

بھی ہوتو ڈر نہیں ہے۔

یہ ہماری مسجدیں کعبہ سے ڈگری دو ڈگری پھری ہوئی ہیں اور یہ ہماری مسجد بھی کعبہ سے تقریباً ڈیڑھ ڈگری پھری ہوئی ہے۔لیکن اگر کوئی مسجد پانچ ڈگری تک بھی پھری ہوئی ہوتو نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔البتہ جو نئی مسجدیں بنائی جائیں تو کوشش کرنی چاہیے کہ ان کا رخ اور سمت صحیح کعبہ کی طرف ہونی چاہیے۔اور وہ قبلہ نما کے ذریعہ معلوم ہوجاتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

بیت اللہ کی تعمیر :

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی اور بناؤتم ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کونماز کی جگہ۔ مقامِ ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبۃ اللہ کی چنائی کرتے تھے۔اور یہ گو"لفٹ" کا کام دیتا تھا۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشان آج بھی موجود ہیں۔اور بیت اللہ کے قریب شیشے کے خول میں محفوظ ہے۔اوراس سے پہلے یہ سطح زمین پرنصب تھا۔ مخلوق کی کثرت کی وجہ سے اب اسے تھوڑا سا دُور رکھ دیا گیا ہے۔

اس پتھر کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارادے کے تابع کر دیا تھا۔ جب وہ دائیں بائیں ہونے کا ارادہ کرتے تو یہ دائیں بائیں ہوجاتا اور جب اوپر نیچے آنے جانے کا ارادہ فرماتے تو وہ اوپر نیچے ہوجاتا کعبۃ اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام دونوں باپ بیٹے نے مل کر کی۔اس میں کوئی تیسرا آدمی شامل نہیں تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے راج (مستری) کا کام کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مزدور کا۔

مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کے دو نفل :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت مقامِ ابراہیم کی جگہ ہم نماز نہ پڑھیں؟ (یعنی جی چاہتا ہے کہ یہاں دو نفل پڑھیں)۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق حکم نازل فرمایا کہ مقام ابراہیم کو تم نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔ اکیس مقامات ایسے ہیں جن کے متعلق احکام اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق نازل فرمائے ہیں۔

مسئلہ :

مسئلہ یہ ہے کہ جب آدمی طواف کے سات چکر پورے کرلے تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اور ہم نے تاکید کی ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کو اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ کہ پاک رکھو تم دونوں میرے گھر کو ظاہری اور باطنی نجاستوں سے۔ باطنی نجاست شرک ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے......

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ پختہ بات ہے کہ مشرک پلید ہیں۔ ظاہری طور پر یہ کتنے صاف نظر آئیں کہ بدن اور کپڑے صاف ہوں لیکن دل میں نجاست ہوتی ہے۔ اور دل پاک نہیں ہوسکتا چاہے سات سمندروں میں غسل کرلے جب تک کہ تہہ دل سے کلمہ طیبہ نہیں پڑھے گا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو فرمایا کہ میرے گھر کو پاک رکھو، کن کے لئے؟............

لِلطَّآئِفِیْنَ طواف کرنے والوں کے لئے وَالْعٰکِفِیْنَ اوراعتکاف بیٹھنے والوں کے لئے وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے۔ رُکَّعَ، رَاکِعٌ کی جمع ہےاور سُجُود، سَاجِدٌ کی جمع ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے دونوں بزرگوں کو حکم دیا کعبۃ اللہ کو پاک رکھنے کا اور پھر یہی حکم قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کو ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ
ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ
قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ
اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً
لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ
اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

لفظی ترجمہ :

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ اور جب کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا اے میرے رب! بنادے اس کو بَلَدًا اٰمِنًا شہر امن والا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ اور رزق دے اس کے باشندوں کو مِنَ الثَّمَرٰتِ پھلوں سے۔

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ جو کوئی ان میں سے ایمان لائے بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) اور جس نے کفر کیا فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا پس اس کو بھی فائدہ پہنچاؤں گا تھوڑا سا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ پھر میں اس کو مجبور کردوں گا اِلٰى عَذَابِ النَّارِ دوزخ کے عذاب کی طرف وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ بیت اللہ کی دیواریں وَاِسْمٰعِيْلُ اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بے شک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اے ہمارے رب اور بنادے ہم دونوں کو فرمانبردار اپنا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اور ہماری اولاد میں سے

بھی اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ایک امت جو فرمانبردار ہو تیری وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا اور دکھا ہم کو ہمارے احکام وَتُبْ عَلَيْنَا اور ہمارے اوپر رجوع فرما اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بے شک تو ہی ہے رجوع فرمانے والا، مہربان۔

رَبَّنَا اے ہمارے رب! وَابْعَثْ فِيْهِمْ اور بھیج ان میں رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ایک رسول ان ہی میں سے يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ جو تلاوت کرے ان پر تیری آیتیں وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ اور تعلیم دے ان کو کتاب کی وَالْحِكْمَةَ اور دانائی کی وَيُزَكِّيْهِمْ اور ان کو پاک کرے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ بے شک تو ہی ہے زبردست، حکمت والا۔

ربط :

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو مکہ مکرمہ پہنچا دو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور شیر خوار حضرت اسماعیل علیہما السلام کو مکہ مکرمہ پہنچا دیا۔ اور جہاں کعبۃ اللہ ہے اس کے سامنے ایک درخت تھا اس کے نیچے بٹھا دیا پانی کا ایک مشکیزہ اور تھوڑی سی کھجوریں بھی ان کو دے دیں اور ان کو پہلے یہ پروگرام بھی نہیں بتایا تھا کہ میں نے تمہیں وہاں پہنچا کر واپس آجانا ہے۔ جب واپس جانے لگے تو فرمایا کہ.........

❀ ...... تم ماں بیٹے نے یہیں رہنا ہے۔

☆...... حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے سوال کیا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟۔

❀...... فرمایا میں واپس شام جا رہا ہوں۔

☆...... کہنے لگیں اِلٰی مَنْ تَتْرُکُنَا یَااِبْرَاھِیْمَ ؟ اے ابراہیم! ہمیں کس کے پاس چھوڑ کے جا رہے ہو؟ اس وقت وہاں نہ کوئی مکان تھا اور نہ کوئی انسان تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام آگے، آگے جا رہے ہیں اور حضرت ہاجرہ پیچھے، پیچھے چل رہی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ ہمیں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہو؟۔ جب جواب نہ ملا تو پھر خود ہی کہا......

☆...... اَللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ہمیں یہاں چھوڑنے کا؟۔

❀...... فرمایا ہاں!۔

☆...... کہنے لگیں اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا تب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا؟ فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی امان میں رہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے۔ چند دنوں میں وہ کھجوریں اور پانی جو اِن کے پاس تھا ختم ہو گیا۔ بھوک، پیاس نے ستایا تو صفا پہاڑی پر چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھا کوئی انسان نظر نہ آیا تو صفا اور مروہ کے درمیان جہاں پر سعی ہوتی ہے گہرائی تھی اور بارش کا پانی یہاں سے گزرتا تھا۔ اور اب اوپر چھت ڈال دی گئی ہے۔ اور پانی اب بھی وہیں نیچے سے گزرتا ہے۔ کیونکہ متبادل راستہ نہیں ہے۔ تو یہاں سے دوڑ کر مروہ پر چڑھیں اِدھر اُدھر دیکھا وہاں بھی کوئی آدمی نظر نہ آیا اس طرح سات چکر لگائے۔ عجیب حالت تھی دوڑ کر اسماعیل علیہ السلام کے پاس آتیں کہ بچہ زندہ بھی ہے یا

نہیں؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایڑیاں رگڑ رہے تھے غیبی آواز آئی پریشان نہ ہو۔

☆...... فرمایا غیبی آواز دینے والے کچھ ہماری مدد بھی کر؟۔

زمزم کا چشمہ :

❀...... اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں پاؤں مارا تو اللہ تعالیٰ نے آبِ زم زم کا چشمہ جاری فرما دیا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پانی پلایا۔ مشکیزہ بھرا اور وہاں گڑھا بنا دیا تاکہ پانی جمع رہے۔

مکہ مکرمہ کی آبادی :

قبیلہ بنو جرہم وہاں سے گزرتا رہتا تھا مگر پانی نہ ہونے کی وجہ سے وہاں ٹھہرتا نہیں تھا۔ اس دفعہ گزرے تو پانی کو دیکھ کر قریب ہوئے۔ اور دیکھا کہ وہاں پر ایک عورت اور بچہ بھی ہے۔ ان سے پوچھا کہ اگر ہمیں یہاں رہنے کی اجازت دے دو تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں۔ انہوں نے رہنے کی اجازت دے دی۔ یہ کافی بڑا قافلہ تھا ان میں بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں شامل تھیں۔

بخاری شریف میں آتا ہے کہ تَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ الْإِسْمٰعِيْلَ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عربی انہیں سے سیکھی۔ اس سے پہلے ان کی کون سی زبان تھی تعین نہیں کر سکتے کہ عراق کی کُردی زبان تھی یا اس سے ملتی جلتی کوئی اور زبان تھی۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ماں بیٹے کو وہاں چھوڑا تو دعا کی اس کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ اور جب کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا اے میرے رب! بنادے اس کو بَلَدًا اٰمِنًا شہر امن والا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ اور رزق دے اس کے باشندوں کو مِنَ الثَّمَرٰتِ پھلوں سے (لیکن کن کو؟) مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ جو کوئی ان میں سے ایمان لائے بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امانت :

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رزق کے ساتھ ایمان والوں کی تخصیص کیوں فرمائی؟۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ گزشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا بے شک میں تجھے لوگوں کا امام اور پیشوا بنانے والا ہوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا کہ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ اور میری اولاد میں سے بھی پیشوا بنانا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا............

لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ کہ امامت کا عہدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خیال میں یہ بات آئی کہ جس طرح امامت کا عہدہ ظالموں کو نہیں مل سکتا ہو سکتا ہے رزق بھی ظالموں کو نہ ملے۔ اس لئے ایمان کی تخصیص کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کا معاملہ جدا ہی ہے۔

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) اور جس نے کفر کیا اس کو بھی رزق دوں گا بلکہ رزق مسلمانوں کی نسبت زیادہ مل سکتا ہے۔ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا پس اس کو بھی فائدہ پہنچاؤں گا تھوڑا سا یعنی چند دن کیونکہ وہ دنیا میں کتنی دیر زندہ رہے گا۔ آخر مرنا ہے تو دنیا میں جتنا بھی فائدہ مل جائے قلیل ہے۔

دنیا کی زندگی کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام کا فرمان مبارک :

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مبارک بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے چودہ سو سال تھی۔ ساڑھے نو سو سال تو قوم کو تبلیغ کی نبوۃ ملنے سے پہلے بھی کچھ عمر تھی۔ اور طوفان نوح کے بعد کئی سو سال تک زندہ رہے جب وفات کا وقت آیا تو کسی نے پوچھا حضرت آپ دنیا میں بڑی دیر رہے ہیں دنیا کو کس طرح دیکھا؟۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اس طرح سمجھو کہ ایک مکان ہے جس کے دو دروازے ہیں ایک سے داخل ہوا ہوں اور دوسرے سے نکل آیا ہوں''۔

چودہ سو سال کی عمر کو انہوں نے کس طرح معمولی سمجھا؟۔ مگر ہم اس کو بہت کچھ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ موت میں ابھی بڑی دیر ہے۔ غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ نہ نیکی کی طرف دھیان ہے اور نہ توبہ کی طرف۔ حالانکہ دنیا کی زندگی بہت قلیل ہے۔ تو فرمایا کہ کافروں کو تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا......

ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ پھر میں اس کو مجبور کر دوں گا دوزخ کے عذاب کی طرف وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اور یہ بات آپ حضرات کئی مرتبہ پڑھ چکے ہیں کہ نہ جنت دور ہے اور نہ دوزخ۔ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے۔ دفن ہونے سے پہلے فرشتے بھی نظر آنے لگ جائیں گے اور جنت اور دوزخ بھی نظر آئے گی۔ آگے اللہ تعالیٰ بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر فرماتے ہیں۔ فرمایا......

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) بیت اللہ کی دیواریں وَاِسْمٰعِیْلُ اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی۔ اینٹ یا

پتھر رکھ کر اس کے اوپر گارا یا سیمنٹ لگا کر اوپر دوسری اینٹ یا پتھر جوڑا جاتا ہے اور دیوار بلند ہو جاتی ہے۔ اس کو ''قاعدہ'' کہتے ہیں۔ جس کو ہم لوگ ردّے سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ردے لگا کر بیت اللہ کی دیواروں کو اٹھا رہے تھے۔ اور اسماعیل علیہ السلام انہیں گارا یا پتھر دے رہے تھے اس وقت دونوں نے دعا کی.........

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے اس خدمت کو۔

''کعبہ'' کا معنیٰ :

''کعبہ'' کا معنیٰ ہے ''اَلْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ الْمُرَبَّعُ'' چار کونے والی اونچی جگہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد اس کا نشان مٹ گیا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے لکیر کھینچ کر بتایا کہ یہ جگہ کعبۃ اللہ کی ہے۔ کعبۃ اللہ چوالیس مربع فٹ ہے۔ یعنی ہر طرف سے چوالیس، چوالیس فٹ ہے۔ اور پچاس فٹ بلند ہے۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کعبۃ اللہ کی تعمیر یکم ذوالقعدہ کو شروع فرمائی اور پچیس ذوالقعدہ کو مکمل کر دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے راج (مستری) کا کام کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مزدور کا۔ قریبی پہاڑ سے پتھر لا کے دیتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام جوڑتے تھے۔

اب کعبۃ اللہ حجر اور حطیم کی طرف سے گیارہ فٹ باہر نکال دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس طرف سے تینتیس/۳۳ فٹ باقی رہ گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک

پینتیس/ ۳۵ سال تھی۔ کعبۃ اللہ کو کچھ نقصان پہنچا۔ تو اس دور کے لوگوں نے کعبۃ اللہ کو شہید کر کے دوبارہ تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا۔

بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر :

''وہب بن عابد مخزومی'' جو اس وقت کعبۃ اللہ کے متولی تھے، نے اعلان کیا کہ ہمیں چندہ دو مگر ہم چوری، رشوت، سود اور کسی قسم کی حرام کی کمائی نہیں لیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا گھر بنانا ہے۔ چنانچہ اتنی رقم اکٹھی نہ ہوسکی کہ مکمل عمارت تعمیر ہوسکتی۔ اس لئے اتنا حصہ چھوڑ دیا گیا اور رب تعالیٰ کی حکمتیں بھی ہوتی ہیں۔

بظاہر یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ہر آدمی کا جی چاہتا ہے کہ میں کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہوں مگر ہر آدمی کے لئے دروازہ کون کھولتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے کمزوروں کے لئے وہ حصہ باہر نکلوا دیا کہ کمزور لوگ بھی کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہوسکیں۔ اور ان لوگوں کی آرزو بھی پوری ہو جائے اور یاد رکھنا جس شخص نے حجر اور حطیم میں نماز پڑھی اس نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بے شک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ بنا دے ہم دونوں کو فرمانبردار اپنا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اور ہماری اولاد میں سے بھی اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ایک امت جو فرمانبردار ہو تیری۔ اس دعا کے نتیجے میں ہمارا نام مسلمان ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ابراہیم (علیہ السلام) نے ہی تمہارا نام مسلمان رکھوایا ہے۔

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا اور دکھا ہم کو ہمارے احکام۔ یعنی ہمیں حج کے احکام

بتادے کہ ہم نے کہاں ٹھہرنا ہے اور کیا کرنا ہے؟۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اور ہمارے اوپر رجوع فرما اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بے شک تو ہی ہے رجوع فرمانے والا، مہربان۔ اور رَبَّنَا اے ہمارے رب! وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ اور بھیج ان میں ایک رسول ان ہی میں سے۔ چونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام دونوں نے مل کر دعا کی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی نسل سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دونوں کی نسل سے اور کوئی نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دنیا میں آنے کے ظاہری سبب تین ہیں.........

بعثت محمدی کے تین ظاہری اسباب :

① ...... دَعْوَةُ اَبِىْ اِبْرَاهِيْمَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا۔ جو انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ کی تھی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ۔

② ...... دوم وَبُشْرٰى عِيْسٰى حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں اور حواریوں کو میرے آنے کی بشارت سنائی تھی۔ قرآنِ کریم میں آتا ہے وَمُبَشِّرًا ، بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْ ، بَعْدِى اسْمُهٗ اَحْمَدُ اور خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ میں محمد بھی ہوں اور میں احمد بھی ہوں۔ یعنی میرا نام ''محمد'' بھی ہے اور ''احمد'' بھی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِىْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَىَّ

میرا نام ''حاشر'' بھی ہے جس کے قدموں میں یعنی جھنڈے کے نیچے سارے لوگ جمع ہوں گے قیامت والے دن۔ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ اور میرا نام ''عاقب'' بھی ہے۔ ''عاقب'' کے معنیٰ ''آخری'' کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

③...... تیسرا ظاہری سبب فرمایا ''میری والدہ ماجدہ نے میری ولادت سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ ان کے بدن سے ایک روشنی نکلی ہے جس سے شام کے محل روشن ہوگئے''۔ تو یہ آپ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے اسباب ہیں۔ اور ان میں سے ایک سبب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے۔ دعا میں یہ بھی مانگا............

نبی اکرم ﷺ کے چار فرائض منصبی :

①...... یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وہ تلاوت کرے ان پر تیری آیتیں۔ یعنی ان کو پڑھ کر سنائے۔ آپ ﷺ کے اوّل مخاطب چونکہ عربی تھے اور عربی ان کی مادری زبان تھی۔ اس لئے قرآن کریم کے اکثر مضامین تو وہ محض سننے سے ہی سمجھ جاتے تھے۔

②...... وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ اور تعلیم دے ان کو کتاب کی۔ قرآنِ کریم کی وہ آیات جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف سننے سے نہیں سمجھ سکتے تھے تو آپ ﷺ اس کی تفسیر کردیتے کہ اس کا یہ مطلب اور مفہوم ہے۔ مثلاً پانچویں پارے میں آیت آتی ہے............

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ جو شخص برے عمل کرے گا اس کا بدلہ دیا

جائے گا اس کی سزا پائے گا یہ آیت کریمہ جب نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت ہم میں سے کون سا آدمی ہے جس سے کوئی نہ کوئی برائی نہ ہو؟ معصوم تو صرف پیغمبر ہیں۔ ان کے بغیر کوئی معصوم تو نہیں ہے؟۔ لہٰذا چھوٹی بڑی غلطی انسان سے ہو ہی جاتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ بدلہ قبر، برزخ اور آخرت میں ہوگا کہ جس کے نتیجے میں دوزخ جانا پڑے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یُّجْزَ بِہٖ کا مطلب ہے کہ مومن کو دنیا میں جو تکلیفیں آتی ہیں وہ اس عمل کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ مثلاً بخار ہے، گرمی، سردی ہے، سردرد ہے، کمر درد ہے، گھٹنے کا درد ہے، پیٹ درد ہے، کوئی تکلیف ہو یہ گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے۔ چلتے چلتے جیب سے رقم گر گئی یہ بھی گناہ کا کفارہ ہوگئی۔ حتی کہ کانٹے کا چبھ جانا اور چیونٹی کا کاٹنا یہ بھی گناہ کا کفارہ ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم بھی دی اور قرآن کریم کا پڑھانا اور سمجھانا بڑا کام ہے۔

ابن ماجہ جو صحاح ستہ کی کتاب ہے اس میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآنِ کریم کی ایک آیت سیکھے گا (بغیر ترجمہ کے) اس کو سو نفل پڑھنے والے سے زیادہ ثواب ملے گا اور جو شخص ایک آیت کریمہ ترجمہ کے ساتھ سیکھے گا اس کو ہزار نفل پڑھنے والے سے زیادہ ثواب ملے گا۔ اور یاد رکھنا! قرآنِ کریم پڑھنا اور اس کا ترجمہ سیکھنا مردوں، عورتوں سب کے لئے ضروری ہے۔ پہلے تو خیر اس کے لئے کافی دقت ہوتی تھی اور اب الحمدللہ ہر جگہ اس کا انتظام ہے صرف ہمارے ہاں (گکھڑ میں) عورتوں کی تعلیم کے پانچ چھ مدرسے ہیں۔ جہاں عورتیں ہی پڑھاتی ہیں۔ اور الحمدللہ ان شاخوں میں وہ بچیاں پڑھاتی ہیں جنہوں نے براہِ راست سالہا

سال مجھ سے پڑھا ہے۔اب تو پڑھنے والیوں کی ضرورت ہے۔

③...... آپ ﷺ کا تیسرا کام وَالْحِكْمَةَ اور دانائی کی تعلیم دے یعنی حدیث کی۔ حدیث کے الفاظ بھی آپ نے بیان فرمائے اور معانی بھی سکھائے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور ہر، ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے حیران ہوئے اور عرض کیا۔ حضرت! "مَنْ يُّطِيْقُ ذٰلِكَ" کس کو اس کی طاقت ہے کہ روزانہ تین سو ساٹھ صدقے کرے؟۔ فرمایا......

صدقہ کا شرعی مفہوم :

"تم نے صدقے کا معنیٰ روپیہ دینا ہی سمجھا ہے۔ صرف یہ معنیٰ نہیں ہے بلکہ ایک دفعہ الحمدللہ کہا صدقہ ادا ہو گیا۔"سبحان اللہ" کہا صدقہ ادا ہو گیا ہے۔"اللہ اکبر" کہا، صدقہ ادا ہو گیا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا صدقہ ادا ہو گیا۔"وعلیکم السلام" کہا صدقہ ادا ہو گیا۔ بلکہ ایک دوسرے کو ملتے وقت خندہ پیشانی سے پیش آنا یہ بھی صدقہ ہے۔ راستہ پر اینٹ پتھر پڑا ہوا جو لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث ہے اس کو راستے سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ ناواقف کو راستہ بتا دینا یا اس کو منزل تک پہنچا دینا بھی صدقہ ہے۔

نفلی نماز کی جماعت...... :

ایک دفعہ درود شریف پڑھنے سے دس نیکیاں بھی ملتی ہیں اور ایک صدقہ بھی ادا ہو گیا۔ اور اگر یہ چاہتے ہو کہ تین سو ساٹھ صدقے ایک ہی کام میں آ جائیں تو وہ بھی ہے کہ چاشت کی نماز پڑھو۔ چاشت کی دو رکعت پڑھو۔ اس میں تین سو ساٹھ صدقے

ہیں۔اور نماز چاشت کے لئے مسجد میں جانا بھی ضروری نہیں ہے۔گھر میں پڑھ لو، دفتر میں، کارخانے میں، اپنی زمین میں جہاں کہیں بھی پڑھ سکتے ہو اور یہ اکیلے پڑھنی ہے۔جماعت کے ساتھ نہیں کیونکہ نفلی نماز کے لئے جماعت کا اہتمام کرنا بڑا گناہ ہے۔یہ بات تمام فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے لکھی ہے۔

اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی نماز میں اگر ایک دو آدمی ساتھ مل جائیں تو کراہت نہیں ہے اور اگر تیسرا ساتھ مل گیا تو مکروہ تنزیہی ہے۔اور چوتھا ساتھ مل گیا تو مکروہ تحریمی ہے یعنی حرام ہے۔مردوں کے متعلق یہ حکم ہے۔

اور اب عورتوں نے یہ بدعت شروع کی ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کے لئے اہتمام کرتی ہیں اور اس کے لئے باقاعدہ مسجدوں میں اعلان ہوتے ہیں یہ تمام بدعت ہیں۔اور بدعت کا گناہ تو ہوتا ہے۔ثواب نہیں ہوتا۔کیونکہ بدعت سے دین کا نقشہ بگڑ جاتا ہے۔اپنی جگہ تہجد پڑھو، اشراق پڑھو، صلوٰۃ التسبیح پڑھو، بڑی سعادت کی بات ہے۔مگر اس کے لئے اہتمام کرنا بدعت ہے۔اللہ تعالیٰ بدعت سے محفوظ فرمائے۔

تو خیر! صدقے کے متعلق بیان کر رہا تھا کہ صدقہ ضروری نہیں کہ رقم اور جنس کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے بلکہ اللہ، اللہ کرنے میں بھی صدقہ ہے۔اور ایک اور بات بھی سمجھ لیں کہ جاہلوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صدقہ ''کالی سری'' کا نام ہے کہ ''کالی سری'' دینے سے سب بلائیں ٹل جاتی ہیں۔یہ بالکل غلط بات ہے۔

صدقے کا مفہوم ہے، غریب کی ضرورت پوری کرنا، غریب کو ضرورت ہے کپڑے کی تم ''کالی سری'' اس کی جھولی میں ڈالتے ہو۔وہ اس کا کیا کرے گا۔اس کو جوتے کی ضرورت ہے۔اس کے بچے پڑھتے ہیں ان کو کتابوں کی ضرورت ہے۔تو یہ

ضرورت ''کالی سری'' تو پوری نہیں کرے گی۔

لہٰذا جو اس کی ضرورت ہے وہ اس کو دو، چاول کی اس کو ضرورت ہے وہ اس کو دو۔ کپڑے کی ضرورت ہے تو کپڑا لا کر دو، بلکہ بہتر یہ ہے کہ نقد رقم دے دو اس کی جو ضرورت ہے وہ پوری کرے گا۔ آنحضرت ﷺ کا چوتھا کام تھا ''تزکیۂ نفس''۔

فرمایا........

④...... وَيُزَكِّيْهِمْ اور ان کو پاک کرے۔ حقیقتاً تزکیہ یعنی دلوں کی صفائی تو رب کرتا ہے آپ ﷺ اس کا ذریعہ تھے۔ آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ اور تعلیم و تربیت سے لوگوں کے دل صاف ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے وظائف کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر اب زنگ اتارنے کے لئے وظائف کرنے پڑتے ہیں۔ پیر کامل اپنے مریدوں کو اگر کوئی وظیفہ بتائے گا اور وہ توجہ کے ساتھ پڑھے گا تو یقیناً اثر ہوگا۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ بے شک تو ہی ہے زبردست، حکمت والا۔ یہ تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ
نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ
فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ
رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ
يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا
تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ
شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ
لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ
اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ
﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

لفظی ترجمہ :

وَمَنْ يَّرْغَبُ اورکون اعراض کرتا ہے عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت اور طریقے سے اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ مگر وہ شخص جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیا وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا اور البتہ تحقیق ہم نے چن لیا ابراہیم (علیہ السلام) کو دنیا میں وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ اور بے شک وہ آخرت میں لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ البتہ نیکو کاروں سے ہوگا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ جب فرمایا اس کو اس کے رب نے اَسْلِمْ جھک جا (میرے سامنے) قَالَ فرمایا (ابراہیم علیہ السلام نے) اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جھک گیا میں رب العالمین کے سامنے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ اور وصیت کی (اس ملت پر قائم رہنے کی) ابراہیم (علیہ السلام) نے بَنِيْهِ اپنے بیٹوں کو وَيَعْقُوْبُ اور یعقوب (علیہ السلام نے بھی) يٰبَنِىَّ اے میرے بیٹو! اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى بے شک

اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے لَكُمُ الدِّيْنَ تمہارے لئے دین فَلَا تَمُوْتُنَّ پس تم ہرگز نہ مرنا اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ کیا تم حاضر تھے اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ جب حاضر ہوئی یعقوب (علیہ السلام) کے پاس موت اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ جب کہا انہوں نے اپنے بیٹوں سے مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ ۢ بَعْدِیْ کس کی تم عبادت کرو گے میرے بعد؟۔ قَالُوْا کہا انہوں نے نَعْبُدُ اِلٰهَكَ ہم عبادت کریں گے تیرے معبود کی وَاِلٰـهَ اٰبَآئِكَ اور تیرے باپ، دادا کے معبود کی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق (علیہم السلام) تھے اِلٰـهًا وَّاحِدًا جو ایک ہی الٰہ ہے وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ یہ ایک گروہ تھا تحقیق وہ گزر گیا لَهَا مَا كَسَبَتْ اس کے لئے ہے جو اس نے کمایا وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کمایا وَلَا تُسْئَلُوْنَ اور تم سے سوال نہیں کیا جائے گا عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان چیزوں کے بارے میں جو وہ کرتے تھے۔

وَقَالُوْا اور کہا انہوں نے كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ہو جاؤ تم

یہودی یا نصرانی تَهْتَدُوْا ہدایت پا جاؤ گے قُلْ آپ (ﷺ) کہہ دیں
بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا بلکہ ہم ملت ابراہیمی کی پیروی کریں گے جو
ایک طرف ہونے والے تھے وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور نہیں
تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے۔

ربط :

اس سے پہلے رکوع میں کعبۃ اللہ کی تعمیر کا ذکر تھا کہ کعبۃ اللہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مل کر تعمیر کیا اور پچیس دن میں مکمل کر دیا۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ کعبۃ اللہ کا درجہ زمین کے تمام ٹکڑوں سے بلند ہے۔ سوائے زمین کے اس ٹکڑے کے کہ جہاں آنحضرت ﷺ مدفون ہیں کہ اس کا درجہ کعبۃ اللہ عرش کرسی حتی کہ لوح سے بھی بلند ہے۔ تو کعبۃ اللہ کی تعمیر اور ابراہیم علیہ السلام کے کارناموں کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ان کے طریقہ سے چہرہ پھیرے گا وہ بے وقوف آدمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے.........

ملت ابراہیمی کی پیروی :

وَمَنْ يَّرْغَبُ اور کون اعراض کرتا ہے عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت اور طریقے سے اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ مگر وہ شخص جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیا۔ ظاہر بات ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت اس مذہب کا نام تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر عمل کیا اور اس کو اپنایا تو اس مذہب سے وہی شخص اعراض کرے گا، چہرہ پھیرے گا جو بے

وقوف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا اور البتہ تحقیق ہم نے چن لیا ابراہیم (علیہ السلام) کو دنیا میں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت بلند مقام اور فضیلت عطاء فرمائی ہے۔ البتہ متعدد دلائل سے ثابت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت کلی یعنی تمام کائنات پر فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء فرمائے ہیں وہ اور کسی کو نہیں عطا فرمائے۔ خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بہت بلند مقام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کلی کی وہ دلیلیں نہ ہوتیں تو یہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دوسری آیات بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ سب سے بلند ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اتنے کمالات عطا فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو نہیں عطا فرمائے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تمام مخلوقات سے بلند ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مخلوق میں سب سے بلند مقام ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔

جن علماء کرام نے عقائد پر کتابیں لکھی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درجہ ہے وہ بڑے رتبے اور شان والے پیغمبر تھے''۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

پیغمبر فرشتوں سے افضل ہیں :

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور بے شک وہ آخرت میں البتہ نیکوکاروں میں سے ہوگا۔ پیغمبر سے بڑھ کر صالح کون ہوسکتا ہے؟۔ پھر وہ پیغمبر جو پیدائش سے لے کر وفات تک امتحانوں میں ہی رہا ہو جس کی تفصیل قرآن کریم میں

موجود ہے اور یہ بھی یاد رکھنا کہ پیغمبروں کا درجہ اور مقام فرشتوں سے بلند ہے۔ اگرچہ فرشتے نوری مخلوق ہیں اور **معصوم عن الخطاء** ہیں اور پیغمبر انسان بشر اور آدمی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے نبوۃ اور رسالت کا منصب اتنا بلند رکھا ہے کہ فرشتوں کا درجہ اور مقام پیغمبروں سے کم ہے۔ اور اسی لئے انسان مجموعی لحاظ سے اشرف المخلوقات ہے کہ انسانوں میں اللہ تعالیٰ کے رسول آئے ہیں ان کی وجہ سے انسان کا پلہ بھاری ہو گیا ہے اور مجموعی لحاظ سے فرشتے انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، فرمایا.........

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ جب فرمایا اس کو اس کے رب نے جھک جا (میرے سامنے) **قَالَ** تو ابراہیم علیہ السلام نے بغیر کسی قیل وقال کے کہا **اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** جھک گیا میں رب العالمین کے سامنے، فرمانبردار ہو گیا رب العالمین کا جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

①...... پہلا حکم یہ تھا کہ باپ کا ادب واحترام ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اس کو تبلیغ کرو اور توحید کی دعوت دو اسی لئے ابراہیم علیہ السلام نے جب بھی باپ سے بات کی تو **یَآ اَبَتِ، یٰٓاَبَتِ، یَآ اَبَتِ** اے میرے ابا جی، اے میرے ابا جی، اے میرے ابا جی کہہ کر بڑے اچھے اور پیارے انداز میں تبلیغ کی یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ باپ بت بنانے والا اور بیٹا بت گرانے والا۔ باپ بت گر اور بیٹا بت شکن پھر آخر دم تک سمجھانے میں کوئی کمی نہیں کی اور ادب واحترام بھی ملحوظ رکھا۔

②...... پھر دوسرا حکم اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ دوسرے لوگوں کو بھی تبلیغ کر اور واضح طریقہ سے شرک کی تردید کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ساری قوم کے علاوہ وقت کے ظالم اور جابر بادشاہ نمرود بن کنعان جو بت پرستوں کا پیر ومرشد تھا کو بھی تبلیغ کی

اور اس کے سامنے کلمہ حق بیان کیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ساری قوم کی مخالفت مول لی۔ بادشاہ کی مخالفت اور باپ کی مخالفت برداشت کی اور نبوت ملنے کے بعد اسی/۸۰ سال تبلیغ کرتے رہے۔ ہمت نہیں ہاری۔ آپ علیہ السلام کو پتھر مارے گئے، گالیاں دی گئیں، قید کیا گیا، آگ میں ڈالا گیا اور بہت کچھ ہوا۔ مگر اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں فرمانبردار ہوگیا رب العالمین کے سامنے۔

③...... پھر رب تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ ہجرت کرکے شام چلے جاؤ۔
پورے ملک عراق میں صرف تین موحد تھے

①...... ابراہیم علیہ السلام ②...... ان کی اہلیہ حضرت سارا علیہا السلام

③...... اور بھتیجے حضرت لوط بن حاران بن آزر۔

کوئی چوتھا آدمی ساتھ نہیں ملا۔ دورانِ سفر آزمائشیں آئیں پھر حضرت ہاجرہ کے ساتھ نکاح ہوا حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو حکم ہوا کہ بیوی کو بتائے بغیر ان کو ساتھ لے جاؤ اور مکہ مکرمہ چھوڑ کے واپس آجاؤ۔ دمشق سے مکہ مکرمہ انگریزی میلوں کے حساب سے تقریباً پندرہ سو میل کا فاصلہ ہے سڑکیں نہیں، آمد و رفت کے ذرائع نہیں، جنگلات سے گزرنا ہے۔ دشوار گزار سفر کر کے جب مکہ مکرمہ پہنچے تو رب تعالیٰ نے فرمایا............

''یہ جو درخت کھڑا ہے اس کے نیچے ان کو بٹھا کر واپس چلے جاؤ''۔ دیکھو! کتنا بڑا امتحان ہے کہ جواں سال بیوی، دودھ پیتا بچہ، اور وہاں چھوڑنا ہے کہ جہاں نہ آبادی، نہ کوئی مکان، نہ کوئی انسان، نہ کھانے کا انتظام، نہ پینے کا صرف رب کا حکم

ہے اور مانتے چلے جا رہے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اور شیطان کو کنکریاں مارنا :

پھر وہی بچہ جب کام کاج کی عمر کو پہنچتا ہے تو رب تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اس کو ذبح کر دو۔ کوئی قیل وقال نہیں کی کہ "اے پروردگار! ایک ہی تو بچہ ہے اس کو بھی ذبح کر دوں رب تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں"۔ ابلیس لعین نے بڑے حیلے بہانے کئے، پھسلانے کی کوشش کی۔ مگر اس کو پتھر مارے کہ تو دور ہو جا یہ حاجی حضرات جمرات کی رمی کرتے ہیں۔ جمرہ عقبیٰ، جمرہ اُولیٰ اور جمرہ ثانیہ شیطانوں کو مارتے ہیں۔ یہ وہی جگہیں ہیں جہاں شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پھسلانے کے لئے آیا تھا۔ اور انہوں نے اس کو پتھر مارے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ کی طرف لے جا رہے تھے تو شیطان بڑا بزرگ بن کر آیا اور کہنے لگا......

☆...... حضرت! اس کو لے کر کہاں جا رہے ہو؟۔

*...... فرمایا میں اس بچے کو رب تعالیٰ کی رضا کے لئے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہا ہوں۔

☆...... کہنے لگا تمہارے کتنے بچے ہیں؟۔

*...... فرمایا: یہی ایک ہے۔

☆...... تو کہنے لگا اس کو ذبح کرنا گوارا کر لو گے؟۔

*...... فرمایا رب تعالیٰ کا حکم ہے۔

☆ ...... کہنے لگا رب تعالیٰ کا حکم سر آنکھوں پر مگر اس کا مطلب سمجھنا چاہیے۔ اس میں کوئی اور قسم کا اشارہ ہوگا۔ یعنی ذبح کرنا مقصود نہیں ہوگا کچھ اور مراد ہوگی۔

* ...... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ اکبر کہہ کر شیطان کو سات کنکر مارے۔ مگر وہ تو شیطان خبیث تھا آگے جا کر پھر سامنے آ گیا اور کہنے لگا کہ............

☆ ...... رب تعالیٰ کے حکم میں تو کوئی قیل و قال نہیں ہے۔ مگر سوچو اس کا مفہوم کوئی اور ہوگا؟۔

* ...... پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو اللہ اکبر کہہ کر سات کنکر مارے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اس کا حکم ماننا ہے تو باز آ جا۔

☆ ...... پھر تیسری مرتبہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور وہی بات دوہرائی۔

* ...... پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں۔

یہ رمی جمار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ اور حکماً واجب ہے۔ اگر کسی سے رہ جائے تو قربانی دینی پڑتی ہے۔ اگر کوئی معذور ہے، بہت بوڑھا ہے یا وہاں جا کر بیمار ہو گیا ہے کہ خود رمی نہیں کر سکتا تو اس کو نائب بنانے کی اجازت ہے۔ مگر وہ نائب پہلے اپنی رمی کرے گا اور پھر اس کی طرف سے رمی کرے گا۔

انبیاء (علیہم السلام) اور علم غیب :

اے نوجوانو! یہاں ایک اور بات بھی سمجھ لو کہ غلط کار لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر

سب کچھ جانتے ہیں۔ اگر پیغمبر سب کچھ جانتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لے جارہے تھے تو ان کو معلوم تھا کہ اسماعیل علیہ السلام کی قربانی نہیں ہوگی۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی علم تھا کہ میں نے ذبح نہیں ہونا پھر تو معاف کرنا یہ ایک ڈرامہ ہی تھا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)۔ اور باپ بیٹے نے ایک کھیل کھیلنا تھا جس کی حقیقت کچھ نہیں تھی۔ معاذ اللہ تعالیٰ۔ تو پھر قربانی کا نتیجہ تو کوئی نہ ہوا۔

حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ باپ حقیقتاً قربانی کرنے کے لئے جارہا تھا اور بیٹا حقیقتاً قربان ہونے کے لئے جارہا تھا۔ اور اسی وجہ سے باپ بیٹے کی عظمت دنیا والوں پر نمایاں ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باقی بیٹے :

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ، "ھَا" ضمیر "مِلَّتْ" کی طرف لوٹ رہی ہے معنٰی ہوگا اور وصیت کی ابراہیم علیہ السلام نے اس ملت پر قائم رہنے کی بَنِيْهِ اپنے بیٹوں کو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ بیٹوں کا ذکر ملتا ہے دو کا قرآنِ کریم میں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام اور تین کا ذکر تاریخ اور توراۃ میں آتا ہے۔ حضرت مدین، حضرت مدائن اور حضرت قیدار رحمۃ اللہ علیہم چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیٹی کوئی نہیں تھی۔ اس لئے بیٹوں کو نصیحت فرمائی کہ اسلام نہ چھوڑنا۔

وَيَعْقُوْبُ اور یعقوب (علیہ السلام) نے بھی اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ اسلام پر قائم رہنا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے بارہ بیٹے عطا فرمائے تھے، بیٹی ان کی بھی نہیں تھی اس لئے انہوں نے بھی

اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی............

یٰبَنِیَّ اے میرے بیٹو! اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے تمہارے لئے دین فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ پس تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔یعنی اسلام پر قائم رہنا۔

نیکی کا اختیار اور توفیق :

پہلے لوگوں کی یہی وصیتیں ہوتی تھیں۔ کہ اسلام پر قائم رہنا، اعمال اچھے کرنا، آخرت کا فکر کرنا اپنے ارادے کو درست رکھنا۔ کیونکہ نیکی، بدی میں ارادے کا دخل ہے تم جیسا ارادہ کرو گے اللہ تعالیٰ ویسی توفیق عطا فرمائیں گے۔ بندہ مختار ہے مجبور نہیں ہے۔ مثلاً تم نے اپنے گھر سے مسجد میں آنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے توفیق دے دی اور تم آ گئے۔ جو نہیں آئے ان کو اللہ تعالیٰ نے جبراً تو نہیں روکا کہ تم مسجد میں نہیں آسکتے انہوں نے آنے کا ارادہ نہیں کیا وہ اس وقت گھروں میں سوئے ہوئے ہیں۔ اور ایسے بد بخت بھی ہوں گے جنہوں نے اٹھ کر سحری بھی نہیں کھائی ہوگی۔ اور روزے بھی نہیں رکھے ہوں گے۔ ان کی نیت وہ تھی لہٰذا وہ اپنی نیت پوری کر رہے ہیں۔ انسان نیکی بدی کرنے میں مختار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے............

فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے اور دوسرے مقام پر آتا ہے وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ اور ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیئے۔ تو رب تعالیٰ نے نیکی، بدی کے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں پھر جس راہ پر کوئی چلے گا نُوَلِّہٖ

مَاتَوَلّٰی پھر پھیر دیں گے ہم اس کو اس طرف جس طرف وہ پھرے گا۔ یعنی جس راہ کا کوئی ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کی توفیق دے دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ بندے کو ارادے کا اختیار دیا ہے، مجبور محض نہیں ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت :

تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کو چنا ہے۔ پس تم اسلام پر قائم رہنا انہوں نے تو اسلام پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی برخلاف اس کے یہودی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یعقوب علیہ السلام جب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ یہودیت یعنی یہودی مذہب نہ چھوڑنا اور ان کا یہ پروپیگنڈہ صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ کیا تم حاضر تھے اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ جب حاضر ہوئی یعقوب (علیہ السلام) کے پاس موت؟۔ یعنی تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ انہوں نے یہودیت کی وصیت فرمائی تھی تو کیا جب ان کو موت آئی تھی اس وقت تم موجود تھے۔ جو تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے یہ وصیت فرمائی تھی۔ اور تمہاری یہودیت تو یہ ہے کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انہوں نے بنا لیا اپنے مولویوں اور پیروں کو رب تعالیٰ کے سوا۔ تو انہوں نے مولویوں اور پیروں کو رب بنانے کی وصیت کی تھی؟۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)۔ اب تم سنو کہ انہوں نے کیا وصیت فرمائی تھی جب موت حاضر ہوئی، فرمایا اللہ تعالیٰ نے

اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ جب کہا انہوں (یعقوب علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں سے مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ م بَعْدِیْ کس کی تم عبادت کروگے میرے بعد؟۔ قَالُوْا کہا انہوں (بیٹوں) نے نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ ا بَآئِكَ ہم عبادت کریں گے تیرے معبود کی اور تیرے باپ، دادا کے معبود کی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق (علیہم السلام) تھے، ان کے الٰہ کی عبادت کریں گے اِلٰهًا وَّاحِدًا جو ایک ہی الٰہ ہے۔

تو یعقوب علیہ السلام نے تو مرتے وقت توحید کی وصیت فرمائی تھی اور ظالمو! تم نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب بنا لیا ہے۔ تمہاری اس یہودیت کے ساتھ ان کا کیا تعلق ہے؟۔ اور یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے یہ بھی کہا..........

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ یعنی ہم مسلمان ہی مریں گے اور اسلام پر ہی قائم رہیں گے اور تم کہتے ہو کہ یہودیت کی وصیت کی تھی۔ فرمایا..........

تِلْكَ اُمَّةٌ یہ ایک گروہ تھا۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کا کہ قَدْ خَلَتْ تحقیق وہ گزر گیا، دنیا سے چلا گیا لَهَا مَا كَسَبَتْ اس کے لئے ہے جو اس نے کمایا وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کمایا وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور تم سے سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔

اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت بین الاقوامی طور پر مسلم تھی اس لئے یہودی کہتے تھے کہ وہ یہودی تھے لہٰذا تم یہودی بن جاؤ اور عیسائی کہتے تھے وہ عیسائی تھے لہٰذا

تم عیسائی بن جاؤ۔ اور مشرک کہتے تھے وہ ہمارے تھے ہر ایک فرقہ ان کو اپنے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے سب کی تردید فرمائی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے......

وَقَالُوْا اور کہا انہوں نے کُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ہو جاؤ تم یہودی یا نصرانی تَهْتَدُوْا ہدایت پا جاؤ گے۔ اور قرآن کریم بڑی واضح کتاب ہے اس کے تیسرے پارے کے پندرھویں رکوع میں ہے......

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ اے اہل کتاب! یہودیو اور نصرانیو! لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ تم کیوں جھگڑا کرتے ہو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں؟ کہ تم کہتے ہو کہ یہودی تھے یا نصرانی تھے وَمَا اُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ حالانکہ نہیں اتاری گئی توراۃ اور انجیل مگر ان کے بعد اور توراۃ کا مذہب یہودی تھا اور انجیل کا مذہب نصرانیت تھا اور توراۃ ابراہیم علیہ السلام سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال بعد نازل ہوئی ہے اور انجیل تقریباً ساڑھے تین ہزار سال بعد نازل ہوئی ہے تو وہ یہودی عیسائی کس طرح بن گئے؟۔ بڑی عجیب منطق ہے کہ کتاب اور شریعت بعد میں نازل ہوئی اور ان کو ماننے والا پہلے آ کہ چلا گیا......

اللہ تعالیٰ کی ذات میں جھگڑا :

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے؟۔ هٰاَنْتُمْ هٰؤُلَاۤءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ خبردار! تم نے جھگڑا کیا اس چیز میں جس کا تمہیں تھوڑا بہت کچھ علم بھی ہے۔ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

پس کیوں جھگڑا کرتے ہو اس چیز میں جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے؟۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور تم نہیں جانتے جو جانتا ہے وہ کہہ رہا ہے......

حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد اور مسلم تھے :

مَا کَانَ اِبْرَاھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا اور لیکن تھے وہ حنیف یعنی ہر طرف سے ہٹ کر ایک طرف لگنے والے مسلمان اور موحد۔ اور مشرکو تم بھی سن لو وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے۔ اب بتاؤ کہ تم کس طرح کہتے ہو کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے؟۔

قُلْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیں بَلْ مِلَّۃَ اِبْرٰھٖمَ حَنِیْفًا بلکہ ہم ملت ابراہیمی کی پیروی کریں گے جو ایک طرف ہونے والے تھے، موحد تھے، نہ یہودی تھے، نہ عیسائی تھے اور نہ مشرک تھے۔

وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے۔ وہ موحد تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا بلند مقام عطا فرمایا تھا ہم تو ان کی ملت کی اتباع کریں گے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳۷﴾ ؕ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ لا اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

لفظی ترجمہ :

قُوْلُوْآ اور (اے مومنو!) کہہ دو اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ایمان لائے ہم اللہ تعالیٰ پر وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور اس چیز پر جو نازل کی گئی ہماری طرف وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اور اس پر جو نازل کی گئی ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد در اولاد کی طرف وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى اور اس چیز پر (بھی ایمان لائے) جو دی گئی موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ اور (اس چیز پر بھی) جو دی گئی پیغمبروں کو مِنْ رَّبِّهِمْ

ان کے رب کی طرف سے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ نہیں فرق کرتے ہم ان پیغمبروں میں سے کسی ایک کے درمیان وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم اسی کے فرمان بردار ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا پس اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ جیسا کہ تم ایمان لائے ہو اس کے ساتھ فَقَدِ اهْتَدَوْا پس تحقیق یہ ہدایت پا جائیں گے وَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر انہوں نے روگردانی کی فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ پس پختہ بات ہے وہ ضد اور مخالفت میں ہیں فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ پس عنقریب اللہ تعالیٰ کفایت کرے گا آپ کے لئے ان سے وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اور وہی سننے والا، جاننے والا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا رنگ (اختیار کرو) وَمَنْ اَحْسَنُ اور کون بہتر ہے مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے صِبْغَةً رنگ (کے لحاظ سے) وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ اور ہم اسی (اللہ تعالیٰ) کی عبادت کرنے والے ہیں۔

قُلْ آپ (ﷺ) فرما دیں اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ کیا تم ہمارے ساتھ جھگڑا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں؟ وَهُوَ رَبُّنَا حالانکہ وہی ہمارا رب ہے وَرَبُّكُمْ اور تمہارا بھی رب ہے وَلَنَآ

اَعْمَالُنَا اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ اور ہم تو خالص اسی کے ہیں۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ کیا تم کہتے ہو؟ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کہ بے شک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد در اولاد كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى یہودی تھے یا نصرانی قُلْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ (زیادہ جانتا ہے) وَمَنْ اَظْلَمُ اور اس سے بڑا کون ظالم ہے مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً جس نے چھپائی گواہی عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ جو اس کے پاس ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ غافل عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

تِلْكَ اُمَّةٌ یہ ایک گروہ تھا قَدْ خَلَتْ تحقیق وہ گزر گیا لَهَا مَا كَسَبَتْ ان کے لئے ہے جو انہوں نے کمایا وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کمایا وَلَا تُسْئَلُوْنَ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان کاموں کے بارے میں جو وہ کرتے تھے۔

ربط :

یہودی مسلمانوں کو کہتے تھے یہودی ہو جاؤ کہ نجات یہودیت میں ہے اور عیسائی کہتے تھے کہ عیسائی ہو جاؤ کہ نجات عیسائیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کہا تم کہو کہ ہم سب کو مانتے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا اور جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا اور جو دوسرے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا سب کو مانتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے زمانے میں برحق تھا لیکن آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد پہلے تمام پیغمبروں کی شریعتیں منسوخ ہوگئی ہیں۔ اب ہدایت اور نجات صرف آخری پیغمبر کی اتباع میں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے..........

قُوْلُوْٓا اور (اے مومنو!) کہہ دو اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ایمان لائے ہم اللہ تعالیٰ پر وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور اس چیز پر جو نازل کی گئی ہماری طرف وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اور اس پر جو نازل کی گئی ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد در اولاد کی طرف۔

”سبط“ کا معنیٰ :

”سبط“ کا معنیٰ ہے ”اولاد کی اولاد اور آگے ان کی اولاد“ یعنی یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یوسف علیہ السلام پیغمبر ہوئے پھر آگے ان کی نسل میں اور جتنے پیغمبر تشریف لائے ان پر جو کچھ نازل ہوا ہم سب کو مانتے ہیں۔

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى اور اس چیز پر (بھی ایمان لائے) جو دی گئی موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو۔ یعنی ان پر جو کچھ نازل ہوا تورات، انجیل، معجزات اور دیگر صحیفے ہم سب کو مانتے ہیں۔ یہاں تک تو مشہور و مخصوص پیغمبروں کا ذکر تھا آگے

تعمیم فرمادی، ارشاد ہے.........

وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ اور (اس چیز پر بھی ہمارا ایمان ہے) جو دی گئی پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے۔ صحیفے اور کتابیں اور ہم تو اتنے وسیع الصدر ہیں کہ.........

انبیاء علیہم السلام کی باہمی فضیلت :

لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ نہیں فرق کرتے ہم ان پیغمبروں میں سے کسی ایک کے درمیان، ایمان لانے میں کہ ہمارا سب پر ایمان ہے کہ وہ اپنے، اپنے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے برحق پیغمبر تھے البتہ درجے اور مرتبے کے اعتبار سے ان میں کمی بیشی ہے۔ تیسرے پارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ پیغمبروں کا گروہ ہے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور اسی طرح پندرہویں پارے میں آتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے.........

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا

اور البتہ تحقیق ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی اور داود (علیہ السلام) کو ہم نے زبور عطا کی۔ تو پیغمبروں کے درجات میں کمی بیشی ہے۔ سب سے بلند اور اعلیٰ درجہ ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی قدر کے بعد درجہ اور مقام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد درجہ ہے موسیٰ علیہ السلام کا تو درجات میں تو فرق ہے۔ ان پر ایمان لانے میں ہم تفریق نہیں کرتے جس طرح یہودی کہتے تھے۔

نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ بعض کو ہم مانتے ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو اور بعض کا ہم انکار کرتے ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام اور یہ بات آپ پہلے پڑھ چکے ہو کہ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتے تھے کہ ہم اس کو نبی کیا مانیں گے؟ یہ تو حلال زادہ ہی نہیں ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ تو یہ تفریق ہم نہیں کرتے۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم اسی کے فرمان بردار ہیں۔ ہم نے اپنی گردنیں رب تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھکا دی ہیں۔

اس سے پہلے تین گروہوں کا ذکر تھا.........

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان معیاری ہے :

① ...... یہود ② ...... نصاریٰ ③ ...... اور ضمناً مشرکین کا۔

کہ یہ سارے مسلمانوں کو اپنے، اپنے مذہب کی دعوت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ ہم تو قاعدے کے مطابق سب کو مانتے ہیں اور تم نہیں مانتے۔ پس تم ان سے کہو کہ اگر یہ لوگ تمہاری طرح ایمان لائیں گے تو ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ پس اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں جیسا کہ تم ایمان لائے ہو اس کے ساتھ فَقَدِ اهْتَدَوْا پس تحقیق یہ ہدایت پا جائیں گے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو معیار قرار دیا ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہارے جیسا یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ایمان لائیں گے تو ہدایت حاصل ہوگی۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ اور اگر انہوں نے روگردانی کی پس

پختہ بات ہے وہ ضد، مخالفت اور بدبختی ہے۔ اور جو حضرات دوسروں کے لئے معیار ہیں۔ وہ ثقہ، عادل، متقی، پرہیزگار ہیں۔ اور ان پر جرح واعتراض جائز نہیں ہے۔

①...... چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "مرقات شرح مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اور سنت اور معتمد لوگوں کے اجماع کے ظاہری الفاظ اور عبارتیں۔ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام عادل اور ثقہ ہیں۔

②...... امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "اسد الغابہ" میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں۔ ان پر جرح نہیں کی جا سکتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعدیل اور پاکدامنی بیان فرمائی ہے۔ اور جو حضرات عادل، ثقہ، ایمان اور عمل میں معیار ہیں۔ ان کی اتباع واجب ہے۔

③...... چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "اقامۃ الدلیل" میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع واجب الاتباع ہے۔

④...... اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "فتح الباری شرح صحیح بخاری" میں لکھتے ہیں کہ "اہلِ سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت ہے"۔

⑤...... اور مشہور غیر مقلد عالم مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ "ضمیمہ رسالہ اہلِ حدیث" میں لکھتے ہیں کہ اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے استدلال کرنا ٹھیٹھ (خالص) اسلام میں داخل ہے"۔ یہ تو اہلِ حق کی

عبارتیں ہیں کہ صحابہ کرام عادل اور ثقہ ہیں۔ اور راہِ حق کی دلیل ہیں۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مذہبی اعتبار سے یہودیوں کے اکہتر فرقے بنے اور نصاریٰ کے تھوڑے سے وقت میں بہتر فرقے بنے اور امیری امت میں تہتر فرقے بنیں گے۔ یہ امت کسی سے پیچھے رہنے والی نہیں ہے۔ فرمایا.........

کُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً ان تہتر فرقوں میں سے ایک فرقہ ہوگا جس کو اوّل تا آخر دوزخ سے نجات ملے گی باقی بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ یہ روایت ابو داؤد، ترمذی اور مشکوٰۃ وغیرہ میں صحیح سند کے ساتھ کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ البتہ دوزخ میں جانے کی تفصیل ہے۔ کیونکہ ان بہتر میں سے وہ بھی ہوں گے جن کا افتراق کفر اور شرک کی حد تک پہنچا ہوا ہوگا۔ ایسے لوگ تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ اور ان میں سے ایسے بھی ہوں گے کہ جن کا افتراق کفر و شرک تک نہیں پہنچا ہوگا بلکہ بدعت اور معصیت تک محدود ہوگا۔ ایسے لوگ دوزخ میں جائیں گے مگر کسی نہ کسی وقت ان کو رہائی مل جائے گی۔ اور جو اوّل تا آخر دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے گا وہ صرف ایک فرقہ ہوگا۔

قَالُوْا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ اے اللہ کے رسول! (ﷺ) وہ کون سا فرقہ ہوگا جو اوّل تا آخر دوزخ سے بچا رہے گا یعنی اس کی پہچان کیا ہوگی؟۔

قَالَ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ جو میرے

طریقے پر ہوگا اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہوگا یعنی میرے راستے پر چلنے والا ہوگا اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلنے والا ہوگا مَا اَنَا عَلَیْہِ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ وَاَصْحَابِیْ سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنے والے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے طریقے پر چلنے والے اور اسی حدیث کے پیش نظر اہلِ سنت والجماعت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو اہلِ سنت والجماعت وہ ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے والے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے طریقہ پر چلنے والے ہیں۔

''اہلِ سنت'' کا مطلب :

چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں اور دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے کہ..........

''اہلِ سنت: وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلیں اور والجماعت، وہ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے نقش قدم پر چلیں تو اہلِ سنت والجماعت وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلتے ہیں۔ اب تم فیصلہ خود کرلو کہ آج کل جو لوگ اپنے آپ کو ''سنی'' کہلواتے ہیں جو کام وہ کر رہے ہیں کیا وہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں، یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئے ہیں؟۔ حاشا وکلا۔ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں۔ اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئے اور ان کا کہیں تصور بھی نہیں ملتا۔ لہٰذا ان لوگوں کا اہلِ سنت والجماعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اہلِ بدعت اور اہلِ ھویٰ ہیں اور خواہ مخواہ اپنے ساتھ یہ لفظ چسپاں کرلیا ہے۔

اور یہ بدعات، تیجا، ساتا، دسواں اور چالیسواں اور عرس اور برسی اور قبروں پر چراغاں

کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہیں تھا۔ حالانکہ اس وقت لوگ مرتے بھی تھے، شہید بھی ہوتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت بھی ان کو سب سے زیادہ تھی اگر یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور کرتے اور آخرت کی فکر بھی ان کو زیادہ تھی۔ لہٰذا یہ تمام کی تمام خرافات ہیں۔ قرآن اور سنت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کے کرنے سے گناہ ہوتا ہے، ثواب نہیں۔

''عید میلاد'' اور اس کے تین بانی :

① ..... اور عید میلاد کا جلوس تو کچھ عرصہ پہلے شروع ہوا ہے میری عمر کے جو بوڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ عید میلاد کا جلوس ہمارے سامنے شروع ہوا ہے۔ اور میرے اس درس کے دینے تک اس کا بانی شیخ عنایت اللہ قادری زندہ ہے۔ یہ پہلے ہندو تھا اور ''رام لیلیٰ'' کا جلوس نکالا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا فرمائی مسلمان ہونے کے بعد اس نے ''عید میلاد'' کا جلوس نکالنا شروع کر دیا۔ کبھی لاہور جاؤ تو کشمیری بازار میں جا کر دیکھو اس کے مکان پر لکھا ہوا ہے ''شیخ عنائت اللہ قادری بانی جلوس عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم''۔ اب ۴ ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ ۲۱ جنوری ۲۰۰۲ء کو وہ فوت ہو گیا ہے۔

② ..... اور دو آدمی اس کے ساتھ اور تھے ایک ''مولوی عبدالمجید'' جو ''پٹی'' کا رہنے والا تھا اس کا ایک رسالہ بھی نکلتا تھا ''ایمان''۔

③ ..... اور تیسرا ''عبدالقادر'' تھا جس بیٹا ''شجاع'' لاہور کا میئر بھی رہ چکا ہے۔ ان تینوں آدمیوں نے عید میلاد کا جلوس شروع کیا جس کو آج کل لوگ دین بنائے پھرتے ہیں۔ یہ کام تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تصور میں بھی نہیں تھے۔ تو صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے معیار قرار دیا ہے۔فرمایا..........

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ پس عنقریب اللہ تعالیٰ کفایت کرے گا آپ کے لئے ان سے۔دوسری جگہ فرمایا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اور وہی سننے والا، جاننے والا ہے۔

توحید کا رنگ :

یہودیوں اور عیسائیوں کے کچھ پانی ہوتے تھے ''رنگدار''۔ان کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا تھا اس چشمے میں اس کو غسل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اب اس پر یہودیت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔اور عیسائیت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں..........

صِبْغَةَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا رنگ (اختیار کرو) کیونکہ اصل رنگ تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور کون بہتر ہے اللہ تعالیٰ سے رنگ کے لحاظ سے۔یعنی توحید والے رنگ سے بہتر رنگ کون سا ہے؟۔جس کو توحید سمجھ آگئی اور وہ موحد بن گیا ایمان کی دولت حاصل ہوگئی۔اور دین کے ساتھ اس کا تعلق ہوگیا تو یہ حقیقی رنگ میں رنگا گیا کیونکہ اصل رنگ تو یہ ہے۔ظاہری طور پر بدن رنگنے سے اور کپڑے رنگنے سے کیا فائدہ ہوگا؟۔اصل رنگ تو یہ ہے کہ دل توحید و سنت والے عقیدے سے رنگا ہوا ہو۔تو کامیابی ہے۔

وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ اور ہم اسی (اللہ تعالیٰ) کی عبادت کرنے والے ہیں۔اور تم جس کی چاہو عبادت کرو۔ قُلْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں اَتُحَاجُّوْنَنَا

فِی اللّٰہِ کیا تم ہمارے ساتھ جھگڑا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے میں؟ اس کی توحید کے متعلق وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ حالانکہ وہی ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہمیں بھی وہی پالتا ہے اور تمہیں بھی وہی پالنے والا ہے۔

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں وَنَحْنُ لَہٗ مُخْلِصُوْنَ اور ہم تو خالص اسی کے ہیں۔ ہم منافق اور دورنگے نہیں ہیں۔ ہم تو خالص رب تعالیٰ کے حضور جھکنے والے ہیں۔ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے اور مشرکوں کا دعویٰ تھا کہ وہ ہمارے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کا رد فرمایا ہے۔

انبیاءِ بنی اسرائیل علیہم السلام کا دین :

اَمْ تَقُوْلُوْنَ کیا تم کہتے ہو؟ اِنَّ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کہ بے شک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد در اولاد کَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی یہودی تھے یا نصرانی قُلْ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں، تم یہ کہتے ہو، بتاؤ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰہُ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ (زیادہ جانتا ہے)۔ رب تعالیٰ نے تو اپنا فیصلہ سنا دیا ہے جس کا تیسرے پارے میں ذکر ہے.........

مَا کَانَ اِبْرَاھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَّ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے، نہ نصرانی تھے اور نہ مشرکین میں سے تھے اور لیکن وہ ایک طرف ہو کر رہنے والے مسلمان تھے یہ

31

تمہارے خالی دعوے ہی دعوے ہیں۔جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور تمہیں بھی معلوم ہے کہ وہ یہودی اور عیسائی نہیں تھے اور نہ ہی وہ مشرک تھے اس کے باوجود تم اس بات کو چھپاتے ہو۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً اور اس سے بڑا کون ظالم ہے جس نے چھپائی گواہی عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ جو اس کے پاس ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ غافل عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔اس کا پھل تمہیں ملے گا،فرمایا.........

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ونزول :

تِلْكَ اُمَّةٌ یہ ایک گروہ تھا ان بزرگوں کا جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ (علیہم السلام) قَدْ خَلَتْ تحقیق وہ گزر گیا۔یہ حضرات دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ تو وفات پا گئے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھا لئے گئے ہیں۔اور ان کی حیات قطعی دلائل کے ساتھ ثابت ہے۔ان کی حیات کا منکر پکا کافر ہے اور اس کے کفر میں جو شک کرے وہ بھی کافر ہے۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے اور ان کا یہ نازل ہونا قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔اور وہ نازل ہونے کے بعد چالیس سال تک زمین پر رہیں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔یہودیت اور عیسائیت کا صفایا کر دیں گے صرف اسلام ہی اسلام رہے گا۔حج وعمرہ بھی کریں گے پھر ان کی وفات ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں ان کو دفن کیا جائے گا یہ سب قطعی چیزیں

ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں.........

لَهَا مَا كَسَبَتْ ان کے لئے ہے جوانہوں نے کمایا وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ اورتمہارے لئے ہے جوتم نے کمایا وَلَا تُسْئَلُوْنَ اورتم سے نہیں پوچھاجائے گا عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان کاموں کے بارے میں جووہ کرتے تھے۔وہ اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔اورتم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو ہرایک کا نتیجہ اس کے اعمال کے مطابق مرتب ہوگا۔

کمپیوٹر کتابت:

مولانا محمد نوید ساجد

Mob:0334-4422751

اللّٰھم اغفر لکاتبہ ولوالدیہ ولاساتذتہ وللمؤمنین